فہرست حدیثِ جبل

۱۔تو کجا من کجا	بروز سوموار ۲ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۲۶ مارچ ۲۰۱۲ء
۲۔بھیگی ہوئی پلکیں	بروز ہفتہ ۷ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۳۱ مارچ ۲۰۱۲ء
۳۔کوتاہی کا ازالہ کرلو	بروز منگل ۱۰ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۳/اپریل ۲۰۱۲ء
۴۔ہم ججوں کا فیصلہ نہیں مانتے	بروز جمعۃ المبارک ۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۶/اپریل ۲۰۱۲ء
۵۔آنکھیں جہاں ہوں بند اندھیرا وہیں سے ہے	بروز اتوار ۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۸/اپریل ۲۰۱۲ء
۶۔اضطراب یا عذاب	بروز بدھ ۱۸ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۱/اپریل ۲۰۱۲ء
۷۔بی بی نہیں تو بابا	بروز اتوار ۲۲ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء
۸۔ہمیں کسی کا غلام کردے	بروز منگل ۲۴ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۷/اپریل ۲۰۱۲ء
۹۔ایک رات انسان کی صحبت	بروز جمعۃ المبارک ۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۲۰/اپریل ۲۰۱۲ء
۱۰۔مجھے تو اپنے رب کی ماننی ہے	بروز سوموار یکم جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۳/اپریل ۲۰۱۲ء
۱۱۔غلاموں کی کون سنتا ہے	بروز بدھ ۳ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۵/اپریل ۲۰۱۲ء
۱۲۔نظریہ ضرورت سے نظریہ مجبوری تک	بروز ہفتہ ۶ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۸/اپریل ۲۰۱۲ء
۱۳۔کس قانون کے تحت مستثنیٰ ہیں	بروز منگل ۹ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ یکم مئی ۲۰۱۲ء
۱۴۔شبِ آوارہ کو پابندِ سحر کرنا ہے	بروز ہفتہ ۱۳ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۵ مئی ۲۰۱۲ء
۱۵۔کیا زندگی آسان ہوگئی؟	بروز منگل ۱۶ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۸ مئی ۲۰۱۲ء
۱۶۔دوستی کا بندھن	بروز جمعۃ المبارک ۱۹ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۱ مئی ۲۰۱۲ء
۱۷۔یہ ہے زندگی	بروز سوموار ۲۲ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۴ مئی ۲۰۱۲ء
۱۸۔قومی خودداری اور غیرت	بروز جمعرات ۲۵ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۷ مئی ۲۰۱۲ء
۱۹۔امریکی انتخابات۔ایک اور امریکی چال	بروز ہفتہ ۲۷ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۹ مئی ۲۰۱۲ء
۲۰۔مجھے تو مار گئے چارۂ گر کے اندیشے	بروز منگل ۳۰ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۲ مئی ۲۰۱۲ء
۲۱۔شکاگو کانفرنس۔کامیاب یا ناکام	بروز جمعرات ۲ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۴ مئی ۲۰۱۲ء
۲۲۔ریاست اور نان اسٹیٹ ایکٹر	بروز ہفتہ ۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۶ مئی ۲۰۱۲ء
۲۳۔یقینِ کامل	بروز سوموار ۶ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۸ مئی ۲۰۱۲ء
۲۴۔اسی کی تیغ میں ڈوبا ہوا لہو میں ہوں	بروز جمعرات ۹ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۳۱ مئی ۲۰۱۲ء
۲۵۔مدہوش گدھ	بروز سوموار ۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۴ جون ۲۰۱۲ء

۲۶۔دہکتی اذیتیں	بروز بدھ ۱۵رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۶جون ۲۰۱۲ء
۲۷۔شاطر شکاری اور شکار	بروز جمعۃ المبارک ۱۷رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۸جون ۲۰۱۲ء
۲۸۔میڈیا کا کردار	بروز سوموار ۲۰رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۱جون ۲۰۱۲ء
۲۹۔امریکی تلملاہٹ	بروز جمعرات ۲۳رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۴جون ۲۰۱۲ء
۳۰۔ملک ریاض گیٹ سکینڈل اور پاکستانی طالبان	بروز ہفتہ ۲۵رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۶جون ۲۰۱۲ء
۳۱۔مردے کب بولتے ہیں	بروز منگل ۲۸رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۹جون ۲۰۱۲ء
۳۲۔مفروضہ یا حقیقت	بروز ہفتہ ۲شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۲۳جون ۲۰۱۲ء
۳۳۔دکھ کی زبان	بروز ہفتہ ۱۷شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۷جولائی ۲۰۱۲ء
۳۴۔نجات کی درخواست	بروز ہفتہ ۲۲شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۲جولائی ۲۰۱۲ء
۳۵۔آئی ایس آئی نرغے میں	بروز اتوار ۲۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۵جولائی ۲۰۱۲ء
۳۶۔تزکیہ نفس.....	بروز جمعرات ۲۹شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۹جولائی ۲۰۱۲ء
۳۷۔توبہ و استغفار اور پاکستان	بروز سوموار ۴رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۳جولائی ۲۰۱۲ء
۳۸۔امریکی کمیوں سے نجات	بروز جمعرات ۷رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۶جولائی ۲۰۱۲ء
۳۹۔تیرا بھی کوئی خدا ہے؟	بروز اتوار ۱۰رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۹جولائی ۲۰۱۲ء
۴۰۔نہیں کوئی جرم میرا تو پھر یہ سزائیں کیسی	بروز جمعرات ۱۴رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲/اگست ۲۰۱۲ء
۴۱۔طوطا فال	بروز منگل ۱۸رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۶/اگست ۲۰۱۲ء
۴۲۔اصل ریزرو بینک	بروز جمعۃ المبارک ۲۱رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۱۰/اگست ۲۰۱۲ء
۴۳۔قائداعظم کا پاکستان	بروز سوموار ۲۴رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۱۳/اگست ۲۰۱۲ء
۴۴۔عیدالفطر اور عید کارڈ	بروز جمعرات ۲۸رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۱۶/اگست ۲۰۱۲ء
۴۵۔آنکھیں نہیں پورا بدن روتا ہے	بروز سوموار ۲شوال ۱۴۳۳ھ ۲۰/اگست ۲۰۱۲ء
۴۶۔کامیابی کا سفر	بروز جمعۃ المبارک ۶شوال ۱۴۳۳ھ ۲۴/اگست ۲۰۱۲ء
۴۷۔ٹوپی ڈرامہ۔ تخلیق کار کون	بروز سوموار ۹شوال ۱۴۳۳ھ ۲۷/اگست ۲۰۱۲ء
۴۸۔سچے آدمیوں کا جھوٹا امیر	بروز جمعرات ۱۲شوال ۱۴۳۳ھ ۳۰/اگست ۲۰۱۲ء
۴۹۔تاریخ سے سبق سیکھا جاسکتا ہے	بروز منگل ۱۷شوال ۱۴۳۳ھ ۴ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۰۔تدفین کے بعد غسل	بروز جمعرات ۱۹شوال ۱۴۳۳ھ ۶ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۱۔دعا یا بددعا	بروز ہفتہ ۲۱شوال ۱۴۳۳ھ ۸ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۲۔تاریخ سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے	بروز منگل ۲۴شوال ۱۴۳۳ھ ۱۱ستمبر ۲۰۱۲ء

۵۳۔آخری خواہش	بروز جمعۃ المبارک ۲۷ شوال ۱۴۳۳ھ ۱۴ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۴۔تری بربادیوں کے منصوبے	بروز اتوار ۲۹ شوال ۱۴۳۳ھ ۱۶ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۵۔نسبت کا تقاضہ	بروز جمعۃ المبارک ۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۶۔مغرب کی غلامی سے نجات	بروز اتوار ۷ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۷۔وفا کا حق	بروز بدھ ۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۶ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۸۔اسلام میں اقلیتوں کے حقوق	بروز ہفتہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۹ ستمبر ۲۰۱۲ء
۵۹۔لوٹ پیچھے گردشِ ایام تو	بروز منگل ۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲/اکتوبر ۲۰۱۲ء
۶۰۔یہود و نصاریٰ میں ٹھن گئی	بروز جمعۃ المبارک ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۵/اکتوبر ۲۰۱۲ء
۶۱۔امریکا کے خلاف نفرت کیوں	بروز سوموار ۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء
۶۲۔اسی میں سب کا بھلا ہے	بروز جمعرات ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ، وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ، وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ، إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ، فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ، وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ، وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ، إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ، وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ

اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور بے پناہ رحم کرنے والے ہیں

رات کی قسم ہے جب کہ وہ چھا جائے، اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو، اور اس کی قسم کہ جس نے نر ومادہ کو بنایا، بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے، پھر جس نے دیا اور پرہیز گاری کی، اور نیک بات کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے، اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا، اور نیک بات کو جھٹلایا، تو ہم اس کے لیے جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے، اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جب کہ وہ گھڑے میں گرے گا، بے شک ہمارے ذمے راہ دکھانا ہے اور در حقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ (الیل ۱۔۱۳)

انتساب

اہلیہ کے نام جس نے مجھے زندگی میں وہ تمام سہولتیں فراہم کیں جن کی
بدولت میں آج تک قلمی میدان میں کھڑا آپ کی محبتیں سمیٹ رہا ہوں

تو کجا من کجا

تو امیر حرم، میں فقیر عجم — تیرے گن اور یہ لب، میں طلب ہی طلب
تو عطا ھی عطا، میں خطا ہی خطا — تو کجا من کجا تو کجا من کجا
تو ہے احرام انور باندھے ہوے — میں درودوں کی دستار باندھے ہوے
کعبہ عشق تو، میں تیرے چار سو — تو اثر میں دعا، تو کجا من کجا
میرا ہر سانس تو خوں نچوڑے میرا — تیری رحمت مگر دل نہ توڑے میرا
کاسہ ذات ہوں، تیری خیرات ہوں — تو سخی میں گدا، تو کجا من کجا
تو حقیقت ہے میں صرف احساس ہوں — تو سمندر ہے میں بھٹکی ہوئی پیاس ہوں
میرا گھر خاک پر اور تیری رہگزر — سدرا المنتہی، تو کجا من کجا
ڈگمگاوں جو حالات کے سامنے — اے تیرا تصور مجھے تھامنے
میری خوش قسمتی، میں تیرا امتی — تو جزا میں رضا، تو کجا من کجا
دوریاں سامنے سے جو ہٹنے لگیں — جالیوں سے نگاہیں لپٹنیں لگیں
آنسوؤں کی زباں ہو میری ترجماں — دل سے نکلے سدا، تو کجا من کجا
تو امیر حرم، میں فقیر عجم — تیرے گن اور یہ لب، میں طلب ہی طلب
تو عطا ہی عطا، میں خطا ہی خطا — تو کجا من کجا تو کجا من کجا

میرا آپ سے برسوں کا ناطہ ہے، آپ کی محبتیں اور اخلاص سمیٹنے میں مجھے اپنی جھولی ہمیشہ تنگ ہی نظر آئی، اس لئے کہ آپ نے میری تحریروں کو جو پذیرائی بخشی کہ دنیا میں شائد ہی کوئی ملک ہو جہاں اردو سمجھنے اور پڑھنے والوں نے میری دلجوئی نہ کی ہو لیکن آج میں ایک اعتراف آپ سب کے سامنے کرنے جارہا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ لکھنے کیلئے تمام الفاظ اللہ کی دی ہوئی نعمت سے آپ پر نازل ہوتے ہیں اور یہ سب میرے اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے قلم کی توقیر اور حرمت کا ڈھنگ سکھایا۔ قلم کی نعمت کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے بے تحاشہ اپنی نعمتوں سے نوازا لیکن ان تمام نعمتوں میں ایک سب سے بڑی نعمت اس نے مجھے ایک انتہائی نیک، متقی اہلیہ کی شکل میں بھی عطا فرمائی جس نے مجھے زندگی میں وہ تمام سہولتیں فراہم کیں جن کی بدولت میں آج تک قلمی میدان میں کھڑا ہوں اور آپ کی محبتیں سمیٹ رہا ہوں۔

آج مجھے آپ سے اپنے تمام پرانے سالوں کا حساب لینا ہے۔ آج بہت ہی بے بسی میں آپ سب سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ میری اہلیہ پچھلے دو ہفتوں سے ہسپتال میں فالج کے حملے کی بناء پر صاحب فراش ہیں اور اس وقت آپ سب کی دعاؤں کی محتاج ہیں۔ میرے رب نے دعا کو تمام عبادات کا مغز قرار دیا ہے اور مجھے اپنے کریم و رحیم رب سے اس کے کرم اور رحم کا یقین ہے کہ انشاءاللہ آپ سب کی دعاؤں کی بدولت وہ ان کو شفاء عطا فرمائے گا۔ جزاک اللہ و خیر

بروز سوموار ۲ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۲۶ مارچ ۲۰۱۲ء

بھیگی ہوئی پلکیں

میں نے دیکھا ہے یہ جو پیسہ ہے ناں کسی کے دماغ میں سما جائے تو مسئلہ کرتا تو ہے لیکن اتنا نہیں کرتا لیکن اگر کوئی دن رات اسی کے خواب دیکھنا شروع کر دے اور مایا کا حصول دماغ میں گھس جائے تو بس مت پوچھیں۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے شیشے کے گھر میں بھینسا گھس جائے۔ پھر ہوتا کیا ہے اسے کیا بیان کرنا، آپ تو بہت سمجھ دار ہیں، دانا ہیں بینا ہیں۔

وہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتا تھا۔ میں تو میڈیکل کے مضامین سے دل لگا بیٹھا لیکن وہ کامرس میں چلا گیا کہ اس کا سارا خاندان کاروبار میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہا لیکن یہاں اس لیے کامرس پڑھ نہ سکا کہ یہ حساب کتاب میرے بس کا روگ نہیں۔ اللہ جی بندے کو خوب جانتا ہے ناں..... اس نے مجھے آج تک بچائے رکھا ہے۔ یہ حساب کتاب بہت جی دار لوگوں کا کام ہے۔ ایسے لوگوں کا جن میں تحمل ہو، برداشت ہو، صبر ہو ٹک کر بیٹھنے اور لگ کر کام کرنے کی خو ہو۔ الحمدللہ میرا ان سب سے دور پار کا بھی واسطہ نہیں۔ اچھے اچھے ذہن اس کے سامنے کچھ نہیں بیچتے تھے۔ پڑھائی کا کیڑا ہر وقت ہندسوں کا جوڑ توڑ۔ بہت کم گو اور بہت سادہ۔ میں اکثر اس سے پوچھتا: یہ کیا بیماری ہے تمہیں ہر وقت ایک ہی دھن اور اس کا ایک ہی جواب: کام کرنے دو، پیسہ کمانا ہے مجھے اور وہ بھی بہت سارا۔

کالج سے لاہور چلا گیا، جامعہ پنجاب سے ایم بی اے کیا پھر امریکا چلا گیا اور بس یہی سے راستے بدل گئے۔ پھر ایک دن اچانک شادی کی ایک تقریب میں ملاقات ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پتہ چل گیا کہ کچھ نہیں بدلا تھا.... پیسہ پیسہ اور پیسہ۔ لاکھ سمجھایا: او بے وقوف سب کچھ تو پیسہ نہیں ہے۔ لیکن وہ مسکراتا اور پھر کہتا تجھ جیسے آوارہ کیا جانیں پیسہ کیا ہوتا ہے، تیرے آگے پیچھے تو کوئی ہے نہیں۔ مجھے تو بہت کچھ کرنا ہے۔ اس کی شادی بھی ایک عذاب سے کم نہ تھی۔ ظاہر ہے جب اتنی لکھا پڑھا لڑکا ہو اور کماؤ بھی، خوب صورت بھی تو ہمارا سماج تو بس یہی دیکھتا ہے ناں۔ اور تو کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ سب خوب سیرت، خوب صورت لڑکیوں کے ہاتھ پیلے ہو گئے لیکن اس کے دماغ میں کچھ اور ہی سمایا ہوا تھا۔

بہت رشتے آئے اس کے لیکن اس کے معیار پر کوئی نہیں اترا۔ باپ تو اس کا بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا لیکن اب اس کی ساری کائنات اس کی والدہ ہی تھی۔ ماں نے بہت کوشش کی کہ اپنے بھائی کی بیٹی کو اپنی بہو بنا لے لیکن یہ نہ مانا کہ اس نے اپنے ننھیال سے بہت زخم کھائے تھے۔ پھر اللہ اللہ کر کے اس کی شادی تو ہو گئی لیکن پہلے چند ہفتوں میں پتہ چل گیا کہ دونوں کے مزاج اور سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن ماں کی محبت کے سامنے اپنے دل کی بات کہنے کی گستاخی نہ کر سکا اور سوچ لیا کہ ساری عمر نبھا کر کے دکھاؤں گا کہ ماں کو کسی کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ ملک سے باہر چلا گیا۔ دوستوں نے خبر دی کہ ایک امریکی بین الاقوامی فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور بڑی خوشحال زندگی گزار رہا ہے۔ سن کر اطمینان ہوا کہ شکر ہے جیسا میں سوچ رہا تھا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

کبھی کبھار دل میں اس کی یاد ستاتی تو ذہن کو جھٹک دیتا کہ جب اس نے ملنے کی کوئی کوشش نہیں کی تو پھر میں اس کو کیوں یاد کروں؟ لیکن پتہ نہیں دل کے کسی کونے سے یہ آواز ضرور سنائی دیتی تھی کہ ایک دن وہ اچانک سامنے مسکراتا ہوا میرے گلے میں بانہیں ڈال کر مجھے آدبوچے گا۔ چینلز کی یلغار اور بہتات نے بھی ایک عجیب تماشہ کھڑا کر دیا ہے کہ کسی ایک چینل پر ہاتھ رکتا ہی نہیں۔ ریموٹ کنٹرول نے ویسے بھی بڑی آسانی پیدا کر دی ہے کہ انگلیوں کے ہلکے اشارے ساری دنیا کی سیر پر مامور ہیں۔ ایک دن جونہی ٹی وی آن کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پاکستانی چینل پر اپنی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ مغرب کی ترقی سے مرعوب زمین آسمان کے ایسے قلابے ملا رہا تھا کہ مغرب کی ایسی تعریف میں نے تو کسی سے نہیں سنی حالانکہ

میں خود بھی پچھلی چار دہائیوں سے اس معاشرے کے شب و روز کو بہت قریب سے دیکھ رہا ہوں۔

"مغرب نے ایسی عظیم الشان ترقی کی ہے کہ انسانیت نہال ہو گئی ہے، ان کی معیشت مضبوط ہے، ان کے ادارے عظیم ہیں ان کی تہذیب شاندار ہے ۔اس کی نقالی کرتی ہے دنیا، وہاں کوئی بھوکا نہیں سوتا، امن کی فاختہ اترائے پھرتی ہے۔ ہر طرح کی آزادی ہے، آخر کوئی تو وجہ ہو گی کہ ہمارے لوگ وہاں کا رخ کرتے ہیں۔ ہمارا ریجن بالآخر ویسٹ کی ٹرین میں بیٹھے گا لیکن سب سے آخری ڈبے میں، اس لیے کہ اس میں اپیل ہے۔ ہماری دنیا کی ساری خوبصورتی مغرب کی دین ہے۔ کمپیوٹر کوئی معمولی ایجاد ہے کیا؟ اور یہ ساری رعنائی یہ ساری ترقی انہوں نے اس لیے کی ہے کہ وہ مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ مذہب کو ہر جگہ نہیں لاتے، مذہبی جبر نہیں ہے وہاں۔ ہم اس لیے ترقی نہیں کر سکے کہ ہم نے ہر جگہ مذہب مذہب کی گردان لگائی ہوئی ہے۔ مذہب ترقی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ مذہب انسانیت کی فلاح میں رکاوٹ ہے۔ مذہب غلامی سکھاتا ہے۔ آزادی کا ویری ہے مذہب....."۔ اور نجانے کیا کیا۔

ذہین اینکر نے سوال تو بہت اچھا اٹھایا تھا کہ اگر مغرب نے اتنی ترقی کر لی ہے، وہاں سب کچھ دستیاب ہے جو تعمیر انسانیت کے لیے از بس ضروری ہے تو پھر وہاں اتنی تنہائی کیوں ہے؟ اتنا خلا کیوں ہے؟ جنسی آزادی کے باوجود زنا کی کثرت کیوں ہے؟ وہاں پھر چھینا جھپٹی کی اتنی وارداتیں کیوں ہوتی ہیں، خودکشی فیشن کیوں بن گئی ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا: یہ سب انفرادی معاملات ہیں۔ وہاں پر دہشت گردی کی وارداتیں غیر ملکی کرتے ہیں ۔وہاں انسانیت آزاد ہے، وہاں اولڈ ہاؤسز ہیں۔ اینکر نے بالآخر ان کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے یہ مان لیا کہ ہمیں ان کی اچھی چیزیں تو ضرور اپنانی چاہئیں جیسے اولڈ ہاوسز تو اس نے مسکراتے ہوئے فوری کہا: ان کے اولڈ ہاوسز کو دیکھئے تو آپ کا دل چاہے گا کہ جوانی میں ہی اولڈ ہاؤسز میں داخل ہو جائیں۔

پروگرام ختم ہوا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس نے مغرب کی صفات کا جو ذکر کیا ہے اس میں ایسا کوئی مبالغہ بھی نہیں لیکن اینکر کے چبھتے ہوئے سوالوں نے بھی تصویر کا دوسرا رخ صحیح دکھایا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں انسان اسی طرح بھٹکتا رہتا ہے اور آخر مٹی کے ڈھیر میں جا کر مٹی ہو جاتا ہے۔

میں نے اس کے چہرے کی بشاشت اور لہجے کی طمانیت سے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس نے زندگی سے معاہدہ کر کے بالآخر پیسے کے بل بوتے پر اپنی دنیاوی منزل پا لی ہے لیکن نجانے کیوں کسی انجانی قوت نے مجھے مجبور کر دیا کہ اس چینل پر فون کر کے اس کا اتہ پتہ معلوم کروں۔ میں نے جونہی اس کو ایک خصوصی نام سے بلایا تو ٹیلیفون پر اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے فوری طور پر مجھ سے ملنے کی خواہش کا اس طرح ذکر کیا کہ میں باوجود مصروفیت کے تمام کام چھوڑ کر اس کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔

وہ اس قدر جذباتی ہو کر ملا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی آنکھوں کے سمندر چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے حال احوال سننے سنانے میں کئی گھنٹے بیت گئے لیکن اس ملاقات میں پتہ چلا کہ میں نے اس کے بارے میں جو سوچ رکھا تھا وہ بالکل اس کے الٹ نکلا۔ اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی پر بہت دل گرفتہ تھا۔ ایک ہی سانس میں ڈھیر ساری باتیں اس نے اگل دیں جیسے وہ ایک مدت سے میرا منتظر تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ جلد ہی مزاج کے اختلاف کی بناء پر جیسے وہ اپنی گفتگو کا بھی حساب کتاب رکھتے تھے۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا..... ایسا ہی تھا۔ پھر چار بیٹے اللہ نے عطا فرما دیئے۔ ایک بڑا سا مکان، پیسہ ہی پیسہ لیکن بچوں کی

دیکھ بھال پر عدم توجہ کی بناء پر اختلاف میں شدت پیدا ہو گئی۔ چاروں بچے حالات کے رحم و کرم پر اور وہ خود پیسہ کمانے کی مشین بنا ہوا تھا۔ بچوں کے اچھے اسکول کالج کیلئے اخراجات کی تو کوئی فکر نہیں تھی لیکن بیگم کو فیشن اور شاپنگ سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اکثر شام ڈھلے دونوں گھر پہنچتے، چائے اور کھانے پر ملاقات اور بس ہیلو ہائے۔ پھر اگلے دن کی میٹنگز کی تیاری۔

دوران ملازمت کبھی میں ملک سے باہر تو کبھی بیگم اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ دوسرے شہر چلی جاتی، یہ تھی زندگی۔ کسی کو بخار ہے کسی کو کھانسی ہے کسی کی سالگرہ کا دن گزر گیا اور وہ انتظار کرتا رہ گیا اکثر شکایت کرتے: اسکول کی تقریب تھی لیکن ممی پپا آپ دونوں نہیں آئے۔ اب تو انہوں نے ہم سے شکائت کرنا ہی چھوڑ دیا بلکہ ہم سے کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے۔ تنہائی کا شکار معصوم بچے۔ وقت تو کبھی نہیں رکتا۔ بہتا دھارا ہے وقت۔ پل گزر گیا بس گزر گیا آپ اسے امر کر سکتے تھے، نہیں کیا۔ کتنا خسارہ ہو گیا، ایسا خسارہ جس کا گوشوارہ بھی نہیں بن سکتا۔ ہم پاگل لوگ جذبات کو بھی ڈیبٹ کریڈٹ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بھی جمع تفریق کرتے رہتے ہیں..... نہیں وقت کبھی نہیں رکتا۔ بس وہ دن آن پہنچا کہ ہمارے درمیان قانونی طور پر علیحدگی ہو گئی اور میں خالی ہاتھ اس گھر سے اس طرح رخصت ہوا کہ ماسوائے تن کے دو کپڑوں کے اور کچھ میرے پاس نہ تھا۔

لیکن ٹی وی پر مغرب کی جو تعریف..... اس نے میرے بات کاٹتے ہوئے کہا" مجھے میری زندگی کے اصولوں نے ایسا دھوکہ دیا ہے کہ اب اس تصنع کے دھوکے ہی زندگی کا سرمایہ بن گئے ہیں۔ میرے پاس دھن دولت کی اب بھی کمی نہیں لیکن مغرب میں مجھ جیسے بہت سے لوگ دھن دولت ہونے کے باوجود قلاش ہیں۔ چھوڑیں باقی باتیں میرے کانوں میں ایک جملہ سیسے کی طرح اتر گیا" یار بچے تو ہمیں اپنے ماں باپ ہی نہیں سمجھتے ، میں نے کیا کچھ نہیں کیا ان سب کے لیے"۔ تم نے بھی تو سب کچھ پیسے کو سمجھ لیا تھا ناں..... میں اس کی بھیگی ہوئی پلکیں اب تک نہیں بھول پایا۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

جو جھوٹ بول کر مطمئن کرتا ہے سب کو
وہ جھوٹ بول کر خود مطمئن نہیں ہوتا

بروز ہفتہ ۷ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۳۱ مارچ ۲۰۱۲ء

کوتاہی کا ازالہ کر لو

عجیب بندہ رب تھا وہ، بہت گہرا بہت پرت تھے اس کے، ہر پل نیا رنگ لیے..... کبھی موسیقی کی محفل میں کبھی مسجد میں کبھی کسی درگاہ پر اور کبھی کسی خانقاہ میں کبھی تلقین شاہ اور کبھی گڈریا..... رنگ ہی رنگ پرتیں ہی پرتیں.... نیا پل نیا روپ اور نیا آہنگ۔ اور آخری عمر میں وہ پی ٹی وی کا مشہور پروگرام زاویہ کرنے لگا۔ یہ زاویہ کیا ہوتا ہے؟ پھر کبھی بات کریں گے۔ اپنی کتاب بابا صاحبا میں انہوں نے اپنے ایک بابے جناب سائیں فضل شاہ کا تذکرہ بہت عقیدت اور محبت سے کیا ہے۔ جی بالکل صحیح پہچانا آپ نے میں اشفاق احمد کی بات کر رہا ہوں، داستان سرائے والے اشفاق احمد۔ ثمود کے لوگ اپنے تئیں تکبر کے مارے ہوئے لوگ تھے جو پہاڑوں کو تراش کر ان میں نہایت خوب صورت محلات تعمیر کرتے تھے ۔ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم تھی دولت کی فراوانی اور ایک سرسبز و شاداب بڑے سے علاقے کے مالک ہونے نے ان میں بڑی خرابی پیدا کی تھی۔ ان تک خدا کا پیغام پہنچانا اور ان کو راہِ راست پر لانا حضرت صالح کو سونپا گیا۔

ان کی قوم کو اعتراض تھا کہ ان جیسا انسان جو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور اوپر سے یہ کہ غریب آدمی ہے کس طرح اللہ کا نبی ہو سکتا ہے۔ وہ یہی بات بار بار دہراتے تھی: اگر تم سربلند ہوتے اور تمہارے ہماری طرح اونچے محل ہوتے تم نے بھی ہماری طرح کوئی شاندار عمارت بنائی ہوتی تو شاید ہم تمہیں پیغمبر مان لیتے لیکن تمہاری اقتصادی حالت چونکہ بہتر نہیں اس لیے تمہاری دعوت نا قابل قبول ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم بار بار ہر چیز کی وجہ اقتصادیات کو بتاتے ہیں۔ ہر بار پلٹ کر اکنامکس..... ہماری اکانومی کمزور ہے اس لیے کام نہیں کر سکتے، نیک نہیں بن سکتے، اچھے انسان نہیں بن سکتے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت صالح نے فرمایا: میں اس ہدایت کے کام کا اجر صرف اللہ سے چاہتا ہوں تم سے نہیں۔ مگر ان کی بد بختی انہوں نے پیغمبر سے معجزہ چاہا کہ کوئی معجزہ دکھائیں۔

حضرت صالح نے شرط قبول کر لی مگر ساتھ ہی تنبیہ کی کہ معجزہ آجانے کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے اور اپنی روش نہ بدلی تو عذاب آجائے گا اس لیے کہ اگر معجزہ مانگ لیا جائے اور وہ رونما ہو جائے اور پھر بھی بات نہ مانی جائے تو عذاب طے شدہ بات ہے۔ ان ظالموں نے چاہا کہ کروڑوں برسوں سے کھڑے چٹیل اور چکنے مضبوط پہاڑوں سے صالح کا رب اونٹنی پیدا کر دے اور وہ اونٹنی ان کے ساتھ بستی میں رہے تب وہ حضرت صالح کو پیغمبر مان لیں گے۔ حضرت صالح نے اللہ سے دعا فرمائی کہ شاید یہ معجزہ ان لوگوں کی ہدایت اور فائدے کا سبب بن جائے اور پھر یونہی ہوا۔ پہاڑوں کے قد کاٹھ والی چاندی جیسی اونٹنی رب کے حکم سے نمودار ہوئی اور لوگوں کے درمیان چلنے پھرنے لگی لوگ حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

حضرت صالح نے فرمایا تمہاری خواہش کے مطابق پہاڑوں سے یہ اونٹنی اللہ تعالی نے پیدا فرما دی ہے مگر یہ چونکہ اللہ کی مہمان ہے لہذا اللہ تعالی نے یہ شرط عائد کی ہے کہ بستی کے کنویں سے ایک دن یہ پانی پیئے گی اور کوئی دوسرا انسان چرند پرند کنویں سے پانی نہیں لے سکے گا دوسرے دن تمام لوگ لے سکیں گے۔ انہوں نے مزید فرمایا: یہ ہماری معزز ترین مہمان ہے اس لیے اس کی دیکھ بھال ہمارا فرض ہے۔ بستی والوں نے یہ شرط قبول تو کر لی مگر تھوڑے ہی دن میں اس شرط سے بیزار ہو کر گویا اللہ سے کیے گئے وعدے سے مکر گئے کہ اس اونٹنی کی کیا حیثیت ہے کہ ہم اس سے بندھ کر رہ گئے اور انہوں نے طے کیا کہ کس طرح اس اونٹنی کا قلع قمع کریں اور پھر ایک رات انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر رکھ دیں اور وہ اپاہج ہو گئی اور صبح پانی پینے نہ آئی۔

حضرت صالح کو جب علم ہوا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ بہت برا ہوا تم نے نہ صرف معجزے کو جھٹلایا بلکہ اس اللہ کی مہمان کے ساتھ اچھا

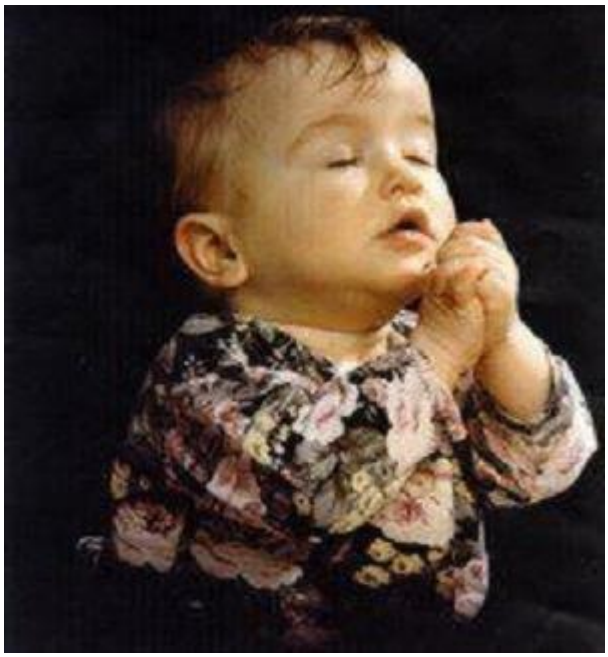

سلوک نہیں کیا اب تین دن کے اندر اندر تمہارا قلع قمع ہو جائے گا اور تم نیست و نابود ہو جاؤ گے پھر آنے والی تاریخ میں لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر بتایا کریں گے کہ یہ ثمود کے رہنے کی جگہ تھی اور یہ ان کے محل تھے جو ویران پڑے ہیں اور قیامت تک ویران پڑے رہیں گے۔ چنانچہ جیسے فرمایا گیا تھا ویسے ہی ہوا۔ پہلے دن ان کے منہ پیلے ہوئے اگلے دن سرخ اور اس کے بعد کالے سیاہ پڑ گئے۔ پھر ایک زبردست چنگھاڑ سنائی دی اور وہ سارے اوندھے منہ گر گئے اور نیست و نابود ہو گئے۔

ایک دن سخت تیز دھوپ تھی پہاڑی علاقہ تھا میں گلے میں صافہ ڈالے سائیں فضل شاہ کے روبرو کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: میں نے تمہیں تنبیہ کرنے کے لیے بلایا ہے تم لوگوں نے بڑی خوفناک منزل کی طرف رجوع کر لیا ہے لوگوں کو بڑی ٹھار ٹھار کر باتیں سناتے ہو ہم نے یہ کیا ہم نے وہ کیا، ایسی سیاست کی، ایسے قائد کے پیچھے چلے، ہم نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ میں تم کو بتاتا ہوں یہ پاکستان ایک معجزہ ہے، یہ جغرافیائی حقیقت نہیں ہے۔ میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں اس طرح مت کرو۔ پاکستان کا وجود میں آنا اتنا بڑا معجزہ تھا جیسے قومِ عاد و ثمود کے لیے اونٹنی کا پیدا ہونا اگر تم اس پاکستان کو حضرت صالح کی اونٹنی سمجھنا چھوڑ دو گے تو نہ تم رہو گے نہ تمہاری یادیں۔ انہوں نے میرے صافے کو جو گلے میں موجود تھا کس کے پکڑ رکھا تھا بلکہ کھینچ رہے تھے۔

پھر انہوں نے فرمایا: تم نے صالح کی اونٹنی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ باون برس گزر گئے (اب ۲۰۱۲ء میں تو ۶۵ برس ہو جائیں گے) اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک اختیار کیا ہوا ہے جو ثمود نے کیا تھا۔ اندر کے رہنے والوں اور باہر کے رہنے والوں دونوں کو تنبیہ کرتا ہوں تم سب سنبھل جاؤ ورنہ وقت بہت کم ہے۔ اس اونٹنی سے جو کچھ چھینا ہے اور جو کچھ لوٹا ہے اسے واپس لوٹا دو اور میں باہر کے رہنے والوں اور ساؤتھ ایشیا میں سارے ملکوں کو تنبیہ کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کو کوئی عام چھوٹا سا جغرافیائی ملک سمجھنا چھوڑ دیں۔ پاکستان حضرت صالح کی اونٹنی ہے ہم سب پر اس کا ادب و احترام واجب ہے، اس کو معمولی ملک نہ سمجھو، اس کی مٹی بھی حرم کی طرح ہے۔ اس کی طرف رخ کر کے کھڑے رہنا اور اب تک جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اس کی معافی مانگو اور اس کوتاہی کا ازالہ کرو۔ میں ان کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دے سکا خوفزدہ ہو کر کھڑا رہا اور سلام کر کے سر جھکا کر واپس چلا آیا۔

یہ مملکتِ خداداد پاکستان ہے، اسے مٹانے والے انشاءاللہ خود مٹ جائیں گے جس سے جو کوتاہی ہوئی ہے وہ موت سے پہلے اس کا ازالہ کرے ورنہ اللہ کے حضور جوابدہی کے لیے تیار رہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ کسی بھی وقت کوئی فیصلہ صادر ہو سکتا ہے۔

تم فقط پاؤں کی ٹھوکر نہ سمجھنا — اِن کو روک سکتے ہیں یہ دریاؤں کے دھارے
پتھر دیکھئے تو یونہی چپ چاپ پڑے رہتے ہیں — جب بھی ٹکرائیں، اگلتے ہیں شرارے پتھر

بروز منگل ۱۰ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۳ اپریل ۲۰۱۲ء

ہم ججوں کا فیصلہ نہیں مانتے

دھن دولت زر وجواہر موٹر کاریں محلات اور اراضی نام ونمود اثر ورسوخ.....انہیں دولت کہتے تو ہیں لیکن یہ دولت ہے نہیں۔یہ سب دولت کی تعریف سمجھ لی گئی ہیں۔ نہیں نہیں یہ دولت ہر گز نہیں، یہ تو بس چند روزہ متاعِ فانی ہیں۔ چھوڑ جانا ہے انہیں، کوئی بھی تو ساتھ لے کر نہیں گیا، لے کر جا بھی نہیں سکتا۔وہ تھی تو بھکارن ریل گاڑی میں گڑوی بجا کر چند سکوں کی طلب گار.....اور کیا کہہ رہی تھی۔واہ بہت زبردست اور اصل بات۔میرا رب ہر جگہ متوجہ کرتا ہے۔ہم ہی اندھے، بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں۔وہ کہہ رہی تھی: اجڑ گیا وہ باغ جس کے لاکھ مالی تھے، سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے، اور کسی نے یہ بھی تو پتے کی بات کی ہے ناں: کفن میں جیب نہیں ہوتی۔بس ایسا ہی ہے ۔آپ ذرا مردوں کی بستی میں جائیں اور ضرور جایا کریں۔دیکھیں نادار وزردار ساتھ ساتھ آسودۂ خاک ہیں۔تو بس یہ سب متاعِ قلیل دھوکا وفریب ہیں، کچھ اور بھی ہو سکتی ہیں، دولت نہیں۔

مجھ جیسے بے مایہ نے بھی پوچھ پوچھ کر بہت سے خزانے جمع کیے ہیں۔یہ کیا ہے، کیسے ہے، کیوں ہے؟ ہر وقت کوے کی طرح کائیں کائیں، لیکن وہ سب اعلیٰ ظرف وسیع القلب نہیں تھکے۔ہر درد کی دوا، ہر زخم کا مرہم، ہر الجھن کی سلجھن، ہر سوال کا جواب، صرف جواب نہیں شافی جواب، ان کی گدڑی میں تھا۔بس منہ سے نکلا اور سامنے لکھا ہوا آ گیا۔ہم سب سوال کرنے سے بہت گھبراتے ہیں۔شاید اس لیے کہ کوئی جواب دینے والا نہیں یا شاید اس لیے کہ ہم اس خوف میں جی رہے ہیں کہ ہمیں جاہل نہ سمجھ لیا جائے۔جاہل تو وہ ہوتا ہے جو حق کو جانتے بوجھتے رد کر دے، اپنی انا کا اسیر۔ سوال تو آدھا علم ہے، یہ فرمایا ہے جناب باب العلم نے۔تو پھر کیا ہے دولت؟ تو میں نے سنا اور ثبت ہو گیا:

دولت کہتے ہیں اعتماد کو، ضمیر کو روشن ضمیر کو، اگر تم پر کوئی اعتماد کرے تو سمجھ لو تم سب سے بڑے دولت مند ہو، اگر تمہارا اندر زندہ ہے تو سمجھ لو بہت دھنی ہو تم، اگر نہیں تو بس قلاش بھکاری محروم راندۂ درگاہِ عظیم، دھتکارے ہوئے، بظاہر خوش اندر سے نراش۔وہ بابے اقبال نے جو کہا ہے:

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔اعتماد دولت تو ہے لیکن سب سے بڑی آزمائش وامتحان بھی۔پل صراط پر کھڑا ہوا ہر وقت ہر پل ہر لمحہ، بہت رکھوالی کرنی چاہیے اس دولت کی۔اعتماد کھو گیا تو سمجھو سب کچھ کھو بیٹھے، کچھ نہیں رہا۔اعتماد کا قتل انسانیت کی موت ہے۔اعتماد کا پھیلاو زندگی کا پھیلاو ہی محبت کا پھیلاو ہے۔اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے محبت ہی کا تو پھیلاو ہے۔رب محبت ہے۔پھر جب لوگ آپ پر اعتماد کریں تو آپ پر جان نچھاور کرتے ہیں، پھول برساتے ہیں، پتھر کھاتے ہیں، اپنے جسم پر لاٹھیوں کے وار اور سینوں پر گولیوں کے داغ سہتے ہیں، اپنا گرم لہو آپ پر نثار کرتے ہیں، رات رات بھر جاگتے اور خوش آمدید کہتے ہیں۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد کہتے ہیں، پھولے نہیں سماتے۔روتے ہیں، گاتے ہیں، اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔کسی لالچ اور دھونس میں نہیں آتے۔بس آپ کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھاتے ہیں اور پھر اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتے ہیں۔

آپ کے ساتھ زیادتی ہو جائے تو اپنی زندگی اجیرن کر لیتے ہیں۔سینہ پیٹتے ہیں، ماتم کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔اس لیے کہ آپ پر اعتماد کرتے ہیں، آپ کو اپنا مسیحا ہمدرد، غم خوار، نجات دہندہ، اپنی امید اور سائبان سمجھتے ہیں اور رب کائنات نے آپ کو اگر کسی منصب پر فائز کر دیا ہے تو آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں اور میرے سوہنے رب نے اگر آپ کو عدل وانصاف کی مسند عطا کر دی ہے تو سمجھ لیجیے یہ رب کے خاص انعام میں سے ہے۔ہر انعام شکر چاہتا ہے اور شکر یہ ہے کہ آپ عدل وانصاف کا علم بلند رکھیں۔ کسی تحریص ولالچ کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھیں۔ کسی

مفلوک الحال اور زردار میں کوئی فرق نہ رکھیں۔ آپ آقا و مولا سرکار دو عالم کی پیروی کرتے ہوئے آوازہ بلند کریں کہ اگر فاطمہ (ہم سب کے جان ومال آپ پر قربان ہو جائیں) بھی چوری کریں گی تو ان کے دستِ مبارک بھی قلم کر دیے جائیں گے۔ یہی ہے معیارِ عدل وانصاف۔

جناب چیف جسٹس! آپ نے خلقِ خدا کے سر پر ہاتھ رکھا، انہیں سہارا دیا، عدل وانصاف کا بول بالا کیا اور پھر آپ معتوب ہو گئے۔ انصاف کا قتل کر دیا گیا۔ آپ کو پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ آپ کے انکار نے نئی تاریخ رقم کر دی لیکن مجھے کہنے دیجئے! آپ تو جانتے ہیں اور کون نہیں جانتا چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ دو سال تک خلقِ خدا سڑکوں پر رہی، ماتم کرتی رہی مار کھاتی رہی، ظلم جھیلتی رہی لیکن ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹی۔ مرد وزن نوجوان بچے اور بچیاں مذہبی اور لبرل، وکلا و مزدور اور کسان سب کا بس ایک ہی مطالبہ تھا: بحال کرو بحال کرو ہمارے مسیحا کو بحال کرو۔ اور پھر آپ نے دیکھا حق آیا اور باطل چلا گیا۔ اسے تو جانا ہی تھا۔ رب کا فرمان کون جھٹلا سکتا ہے! رب کا حکم ہی چلتا ہے۔ آپ پوری شان وشوکت سے اپنی مسند پر تشریف فرما ہو گئے۔ خوشیاں ہی خوشیاں مٹھائیاں ہی مٹھائیاں۔

جناب چیف جسٹس! مظلوم عوام نے اپنا عہد ایفا کر دکھایا۔ ہر جبر سہہ کر، پتھر لاٹھی کھا کر، جاگ کر، کاروبار چھوڑ کر اپنا چین وسکون آپ پر نچھاور کر دیا۔ ایسا تو پوری تاریخ میں نہیں ہوا تھا جو ان مظلوموں نے کر دکھایا۔ جناب چیف جسٹس! مبارک ہو آپ پھر سے آئے اور شان وشوکت سے آئے۔ لیکن ٹھہرئے، ذرا سا رکئے!۔ آپ ایک بہت بڑی آزمائش میں آ گئے۔ کس پل صراط پر آ گئے آپ! یہ مظلومین کی روتی آنکھیں، ستے ہوئے چہرے آپ کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ تو سب جانتے ہیں۔ کتنی امید کتنی آس سے آپ کو دیکھ رہے ہیں ہم سب۔ مظلومین نے اپنا وعدہ نبھا دیا، اب آپ کی باری ہے اور ہم سب انصاف نہیں انصاف ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ انصاف میں تاخیر تو انصاف کا قتل ہے ۔ میرا مالک آپ کا مددگار رہی حامی وناصر رہے۔ اور آپ کو سربلند وسرخرو فرمائے، آپ سے راضی ہو جائے اور آپ تو جانتے ہیں مخلوق راضی رہے تو رب راضی رہتا ہے۔

اسی لیے تو کہتے ہیں: زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ یہ ارشاد یاد رہے: جس شخص کو لوگوں کے بیچ قاضی بنایا گیا گویا اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

جناب چیف جسٹس! آپ سے زیادہ اسے اور کون سمجھ سکتا ہے۔ اب تو برملا اس ملک کا صدر اور اس کا نوآموز سیاستدان بیٹا ہزاروں کے مجمع میں عدالتوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑا رہے ہیں کہ ہم ججوں کا فیصلہ نہیں مانتے بلکہ انہوں نے تو آپ کے ادارے سے باقاعدہ معافی مانگنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان کا رویہ عدالتوں کے ساتھ قوم کے سامنے ہے۔ کیا اس پر کوئی سو موٹو نوٹس نہیں آئے گا کہ ملک کے سب سے بڑے عہدیدار نے ملک کے سب سے بڑے ادارے کو بے توقیر کر دیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا۔

ملتی ہے غموں سے بھی بصیرت زخموں کا شمار یاد رکھنا
عبرت کا مقام ہے یہ دنیا ویران دیار، یاد رکھنا

بروز جمعۃ المبارک ۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۶/اپریل ۲۰۱۲ء

آنکھیں جہاں ہوں بند اندھیرا وہیں سے ہے

زندگی نام ہی سامنا کرنے کا ہے، خوشی کا بھی اور غم کا بھی، آسانی کا بھی اور مشکلات کا بھی۔ یہ آسان بھی ہے اور پیچیدہ بھی، زندگی بھول بھلیاں ہے، تیر کی طرح سیدھی نہیں ہے یہ، عجیب رنگ ہیں اس کے۔ آپ چاہیں نہ چاہیں اس سرنگ میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپ سرسبز و شاداب کھیتوں سے گزرتے ہیں اور تپتے ریگستانوں سے بھی۔ ایسا ہوتا ہے ناں کہ آپ ایک کشادہ شاہراہ سے جس کے دونوں طرف گھنے درختوں کی قطار ہو، گنگناتے ہوئے گزرتے ہیں اور پھر اچانک ایک چوراستہ آجاتا ہے اور آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں اب کہاں جائیں؟ اگر آپ کو اپنی منزل کا پتا معلوم ہے پھر تو ٹھیک ورنہ آپ کو رک کر کسی سے پوچھنا پڑتا ہے کہ جناب میں فلاں جگہ جانا چاہتا ہوں، کون سا راستہ جاتا ہے وہاں تک۔ پھر وہ آپ کو دو راستے بتاتا ہے کہ آپ یوں سیدھا چلتے جائیں یا فلاں سڑک سے بائی پاس کریں..... انتخاب آپ پر چھوڑ کر وہ چل پڑتا ہے اور پھر آپ کچھ دیر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

زندگی ایک گیت ہے، سنگیت ہے، ایک گیت میں بہت سارے ساز بج رہے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے آپ نہیں سنتے لیکن آپ کو اس کا تجربہ تو ہے ناں..... آپ نہیں سنتے تو آپ کے پڑوس میں سے آواز آرہی ہوتی ہے۔ بسوں اور ویگنوں میں آپ کو مجبوراً ہی سہی، سننا تو پڑتا ہی ہے ناں۔ تو بہت سے ساز ہوتے ہیں اور اپنی اپنی آوازیں لیکن وہ گائیک کی آواز کو سنبھال رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب مل کر نغمہ بن جاتا ہے۔ زندگی بھی ایک نغمہ ہے۔ اسے ذرا اس طرح سے بھی دیکھنا چاہیئے۔ زندگی کا ساز ہیں ساری آسانیاں اور مشکلیں۔

کل اچانک وہ مجھے ہسپتال میں ملنے کیلئے آگیا جہاں آجکل میرا زیادہ وقت اپنی اہلیہ کی عیادت میں گزرتا ہے۔ وہی پرانا حلیہ، ذرا بھر بھی تبدیل نہیں ہوا وہ۔ مصور ہے بہت اچھا گائیک اور اداکار لیکن یہ سب اسے نہیں بدل سکے۔ ہر وقت مسکرانے والا..... ہاں بھئی آج تو نئے کپڑے واہ کیا بات ہے تیری۔ اس نے مسکراتے ہوئے حساب لگایا دو پاؤنڈ کی شرٹ، تین پاؤنڈ کی جینز اور پانچ پاؤنڈ کے جوتے۔ کل ملا کر دس پاؤنڈ کا آدمی آپ کے سامنے ہے، ایسا نہیں کہ وہ مہنگی چیزیں نہیں خرید سکتا لیکن بس نہیں خریدتا۔ اسے کوئی قیمتی تحفہ مل جائے تو وہ اگلے ہی لمحے اپنے کسی دوست کو دے دیتا ہے۔ زندگی کو انجوائے کرتا ہے، ہنستا کھیلتا ہے اور پھر عجیب عجیب سی باتیں۔ زندگی کے بارے میں اس کا اپنا ہی سوچنے کا انداز ہے اور صرف سوچتا نہیں اس پر عمل پیرا بھی۔ میں نے اسے ہمیشہ ہر حال میں فضا میں قہقہے لگاتے دیکھا ہے چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن آج وہ بلبلا کر رو رہا تھا کہ آپ نے مجھے غیر جانا اور اتنی بڑی قیامت گزر گئی اور مجھے اطلاع تک نہیں۔ "اپنے آپ کو سنبھالو، اس حالت میں کیا خاک عیادت کرو گے؟"

جونہی ہم کمرے میں داخل ہوئے تو اہلیہ جن کو ایک مخصوص کرسی پر کھڑکی کے پاس بٹھایا ہوا تھا، پاؤں پکڑ کر ماں جی کہہ کر زور سے مسکراتے ہوئے بولا "گھر کی صفائی ضروری ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ آپ اپنے آپ کو بھول جائیں۔ اس گھر میں سب سے زیادہ قیمتی آپ خود ہیں اپنا خیال رکھنا ضروری ہے، ہر وقت کام کرتے رہنا اچھی بات نہیں، کبھی کبھی کچھ بھی نہیں کرنا چاہیے، اب "بابا" کی باری ہے، انہیں ادھار چکانے دیں، انہیں تو آپ نے کبھی کام کرنے کی عادت ہی نہیں ڈالی۔ یہ دیکھیں، یہ پھول کھلے ہیں، بادل آئے ہیں..... سامنے دیکھیں۔ دریائے ٹیمز کتنا خوش ہے اور آپ کو بھی بلا رہا ہے۔ کبھی ٹیمز سنگ خوشیاں منائیں۔ دکھ کو سکھ بنالیں، زندگی آسان ہو جائے گی، اب ہم سب مل کر ٹی وی دیکھیں گے، ضرور دیکھیں گے لیکن ٹی وی کے غلام نہیں بنیں گے۔ جو لمحہ گزر گیا گزر گیا، اب آگے بڑھیں"۔

پھر ہم سب کو مخاطب کر کے بولا، یہ کیا ترقی ہے، پہلے ایک چینل تھا تو سب گھر والے شام کو اکٹھے بیٹھ کر چائے پیتے تھے، کھانا کھاتے تھے، گپ شپ کرتے۔ اب سو چینل ہیں اور گھر والے بھی سو خانوں میں بٹ گئے۔ یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ جھونپڑی میں رہنے والا اس دن کتنا خوش ہو گا جب زلزلہ سے سامنے بنی ہوئی فلک بوس عمارت مٹی میں مل جائے گی اور وہ خوشی سے پکارے گا مالک کتنا بڑا کرم ہے میں تو جھونپڑی میں رہتا تھا۔ اتنا سامان جمع ہی کیوں کیا جائے جس کے کھونے کے ڈر سے نیند بھی نہ آئے۔ کار چمکانے سے زیادہ اہم خود کو چمکانا ہے۔ دوسرے کو ہنساؤ تو خود ہنسو گے۔ گڑھا کھودا تو خود گرو گے۔ "پہلے آپ" کہنا سیکھیں بہت مزا آئے گا۔ کوئی زبان نہیں سیکھ سکے تو کیا ہوا، مسکرانا سیکھیں۔ سکھ آیا تو مسکرائے تھے وہ بھی گزر گیا، اب دکھ میں بھی مسکرائیں، یہ بھی گزر جائے گا۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں۔ کتنی گہریں باتیں کر گیا دل کو ڈھارس دینے کیلئے!

زندگی یہ بھی ہے آپ اسے ذرا اس طرح بھی تو دیکھیں، جملے بہت معمولی ہیں لیکن گہرے کتنے ہیں۔ بس دو پل سکون سے بیٹھ کر سوچئے، زندگی آسان ہو جائے گی۔ آج ہی پڑھا ہے میں نے۔ "میں نے ندی کنارے لڑکیوں کو پانی بھرتے دیکھا اور میں دیر تک ان کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ پانی بھرنے کے لیے جھکنا پڑتا ہے اور رکوع میں جائے بغیر پانی بھرا نہیں جا سکتا۔ ہر شخص کو رکوع میں جانے کا فن اچھی طرح آنا چاہیے تاکہ وہ زندگی کی ندی سے پانی بھر سکے اور خوب سیر ہو سکے..... لیکن افسوس کی بات ہے انسان جھکنے کا، خم کھانے کا آرٹ آہستہ آہستہ بھول رہا ہے اور اس کی

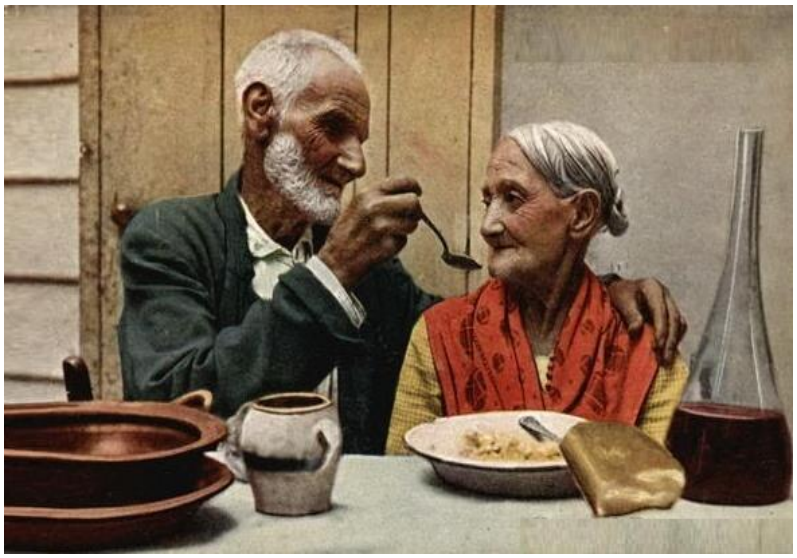

زبردست طاقتور "انا" اس کو یہ کام کرنے نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دعائیں اور ساری عبادات اکارت جا رہی ہیں اور انسان اکھڑا اکھڑا سا ہو گیا ہے۔ اصل میں زندگی ایک کشمکش اور جدوجہد بن کر رہ گئی ہے اور اس میں وہ مٹھاس وہ ٹھنڈک اور شیرینی باقی نہیں رہی جو حسن توازن اور خوشی کی جان تھی۔ اس وقت زندگی سے جھکنے اور رکوع کرنے کا پراسرار راز رخصت ہو چکا ہے اور اس کی جگہ محض جدوجہد باقی رہ گئی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ جھکنے اور رکوع میں جانے کا آرٹ بلا ارادہ ہو، ورنہ یہ بھی تصنع اور ریاکاری بن جائے گا اور یہ جھکنا بھی انا کی اِک شان کہلائے گا۔

وہ بھی مجھے ڈھونڈتے ہوئے ہسپتال پہنچ گئے، ان کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ کوئی وعظ و نصیحت نہیں کوئی فوں فاں نہیں کوئی بقراطی نہیں.... دبدبہ نہ طنطنہ سرٹیفکیٹ نہ کوئی ڈگری نہ ہی کبھی کہا: آؤ یہ دیکھو صفحہ نمبر فلاں پر یہ لکھا ہے دیکھو غور سے کچھ بھی تو نہیں۔ ان کے پاس عاجزی ہے، انکساری ہے، نفی ہے۔ بہت چھوٹے چھوٹے جملوں میں بند کتابیں تھیں محبت بھری شفیق باتیں۔ اپنا پن لیے ہوئے سراپا محبت و ایثار و وفا۔ کبھی خفا نہیں ہوئے لاکھوں غلطیاں کیں، گستاخیاں کیں بدتمیزی تو کسی گنتی میں نہیں آتی۔ سب کچھ کیا لیکن ان رب کی نشانیوں نے کبھی نہیں دھتکارا۔ جتنی زیادہ سرکشی کی ان سے اتنا زیادہ پیار ملا۔ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں: اچھا بچہ لاکھ کا اور بد سوا لاکھ کا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو پوچھا: یہ کیا کہتے ہیں آپ؟ مسکرائے اور کہا: جو بچہ خود ہی اچھا ہو اس کی کیا چنتا کرنی! جو بد ہے اسے دینا ہے نا پیار اس کا رکھنا ہے خیال کہیں دلدل میں نہ دھنس جائے کسی گڑھے میں نہ گر جائے اندھیرے میں گم نہ ہو جائے راہ کھوٹی نہ کر بیٹھے خود کو برباد نہ کر بیٹھے..... بہت خیال رکھنا ہے اس کا۔

عجیب سی باتیں کرنے والے لوگ جنہیں لوگ پاگل سمجھتے ہیں، چریا کہتے ہیں۔ بات کو پا لینے والے پاگل محبت میں بسے ہوئے چریا۔ جب موت آئے

گی تو مر جاؤ گے، کوئی سفارش نہیں چلے گی، کوئی کام نہیں آئے گا، نہ کوئی رشوت نہ کوئی دھمکی۔ اگر مرنے کا مزا پانا ہے تو ابھی کیوں نہیں مر جاتے مر کر دیکھو کیسا سکون ہے کیسی راحت کیسی حلاوت۔ پھر سمجھ میں نہیں آیا تو پوچھا کیسے ؟ کہہ دیا یہ تو تم خود جانو، کہہ کر خاموش ہو گئے پھر ایک دن میں نے انہیں جالیا تو کہنے لگے خود کو مردہ سمجھنا شروع کر دو، پھر طریقہ بھی سمجھایا، بہت مزا آیا۔ ہاں اس میں ہے حلاوت شیرینی اور سکون۔

مردے کبھی کسی کو ایذا نہیں پہنچاتے، آزار نہیں دیتے، غیبت نہیں کرتے چغلی نہیں کھاتے، سازشیں نہیں کرتے۔ نظر تو زندہ آؤ اور سب کے کام آؤ، سمجھو خود کو مردہ۔ کوئی طلب نہیں، کسی صلہ وستائش کی پروا نہیں، کسی کی گالی طعنہ کچھ بھی نہیں۔ بس دیتے جاؤ، دیتے جاؤ۔ پاتے جاؤ گے۔ رب کی مخلوق تو طرح طرح کی ہے ناں۔ رنگا رنگ ہے سب ایک جیسے ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ ہمیں مخلوق میں رہتے ہوئے ان کی خدمت کرتے ہوئے رب کو پانا ہے، کوئی کچھ کہے گا، کوئی کچھ سمجھے گا تو سمجھنے دو، پروانہ کرو۔ کوئی الزام کوئی طعنہ تمہاری راہ کھوٹی نہ کرے اور کوئی تعریف تمہیں غبارے کی طرح پھلا نہ سکے تو بس رب کو دیکھو رب کے بندوں کو دیکھو۔ کوئی بھوکا ہے تو اسے نصیحت نہ کرو اسے کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، دور وٹھے ہوؤں میں پل بن جاؤ اور خود قلی بن کر دوسروں کا بوجھ اٹھاؤ، اپنے لیے نہیں بندوں کے لیے طلب کرو اپنے لیے ہی نہیں۔

بندوں کے لیے تھکو اور دیکھو تھکتا وہ ہے جو کسی چیز کا طلب گار ہو۔ تجارت وکاروبارِ زندگی تھکا دیتے ہیں۔ اور دیکھو محبت میں انسان کبھی نہیں تھکتا کبھی بھی نہیں۔ ہر دم ہر لمحہ تیار رہتا ہے محبت اسے تھکنے ہی نہیں دیتی۔ محبت کا تعلق کبھی پرانا نہیں ہوتا کبھی نہیں مرجھاتا۔ ہر دم تازہ دم رہتا ہے محبت کا بوٹا سدا بہار ہے اسے خزاں نہیں گھیر سکتی۔ بے لوث بے غرض محبت نخلستان ہے ٹھنڈا میٹھا بہتا دھارا پر سکون ندی اور گہری جھیل۔ محبت بن جاؤ، سراپا محبت ودعا۔ مخلوق کے لیے ہاتھ پھیلاؤ ان کا سائبان بن جاؤ۔ کسی کو دو میٹھے بولوں کی ضرورت ہے تو ضرور بولو۔ کوئی اداس ہے تو اسے لطیفہ سناؤ۔ امید بندھواؤ۔ ہنس کر بات کرو اور اسے ہنساؤ۔ اپنا زخم چھپاؤ دوسرے کے زخم پر مرہم رکھو۔ مردہ بن جاؤ جو کوئی شے طلب نہیں کرتا۔ کوئی آ گیا پھول رکھ کر چلا گیا۔ اگر بتی جلا کر خوشبو پھیلا گیا بن مانگے ہی۔ تو رب بنائے گا بگڑی، پار لگائے گا نیا۔ اس اندھیری رات میں سے روشن کرے گا سحر۔

وہ تو مردے میں سے زندہ وجود نکال لیتا ہے اور زندوں کو خاک میں ملا دیتا ہے، لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو، تمہارا پردہ اللہ رکھے گا۔ محتاجوں کو بے آسرا مخلوق کو سینے سے لگاؤ ان کے لیے جیو اپنے لیے مر جاؤ۔ نعمتیں ملیں تو شکر نہ ملیں تو صبر اور صبر سے بڑھ کر دولت کیا ہو گی ! جب وہ کائنات کا خالق ومالک صبر کرنے والوں کے سنگ ہے تو پھر کیسی اداسی کیسی مایوسی ! ! بہت مزے کی بات کہتے تھے : کم کو زیادہ جانو اور میں آج تک اس پر عمل نہیں کر سکا۔ بولتا رہتا ہوں بولتا رہتا ہوں۔ بس آج اتنا ہی..... آپ سدا خوش رہیں.... آباد رہیں.... دل شاد رہیں.... زندگی بخیر رہی تو ملتے رہیں گے، دنیا کے کام تو چلتے رہیں گے کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا۔

بروز اتوار ۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۸/اپریل ۲۰۱۲ء

اضطراب یا عذاب

جب بہت دن ہو گئے.....خاموش بالکل چپ چاپ.....رویا، گایا نہ کچھ بولا تب انہوں نے مجھ سے پوچھا بہت پریشان ہو کر: بہت چپ لگ گئی ہے اسے، بہت خیال رکھنا اس کا بہت برسے گا وہ اب، سنبھالنا مشکل ہو گا لیکن تیرا تو یار بیلی ہے ناں، تیری مان لیتا ہے۔ پھر انھوں نے مجھے تنبیہ کی: بہت دھیان سے رہنا کسی بھی وقت اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ جائے گا، پھر بہت زور کا برسے گا۔ آخر بندہ بشر ہے کب تک بھرتا رہے .....کبھی تو چھلکتا ہی ہے۔ وہ ہم سب سے بہت پیار کرتے تھے لیکن ہمارا یار بیلی سب سے بازی لے گیا تھا۔ وہ بس دیتا رہتا تھا کبھی مانگتا نہیں تھا۔ بہت مختصر سی گفتگو کرتا۔ اس میں خدمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سب کا خیال رکھنے اور راتوں کو جاگتے رہنے والا۔ آپ جب چاہیں اسے آواز دیں وہ جی کہہ کر لپکتا تھا سر جھکائے ہوئے کسی پھل دار شجر کی طرح۔

اس کی کہانی بھی عجیب تھی باپ تو اسے کاروبار میں لگانا چاہتا تھا مگر اس کی مٹی تاجرانہ نہیں فقیرانہ تھی۔ میں گداگرانہ نہیں فقیرانہ کہہ رہا ہوں۔ بس ایک در کا سوالی۔ اپنے دل کی ساری باتیں وہ میرے آگے ڈھیر کرتی رہتی اور مسکراتی رہتی۔ اسے دیکھ کر مجھے کبیر داس جی بہت یاد آتے: "کبیرا بیچ بجار میں سب کی مانگے کھیر، نہ کاہو سے دوستی نہ کاہو سے بیر"۔ برسات کے موسم میں وہ مجھے یاد آتی ہے۔ جمعہ کو تو بس ہلکی سی بارش ہوئی تھی جس سے سردی کی شدت کچھ کم ہو گئی تھی۔ کل میں اپنے ایک پروگرام میں شرکت کیلئے جا رہا تھا کہ میرے سیل فون پر ایک پیغام موصول ہوا۔ میں نے گاڑی سڑک کے کنارے روکی۔ یہ اس بچی کا پیغام تھا جس سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی، کبھی کبھار اس کا دعائیہ پیغام مجھے ملتا ایک آدھ مرتبہ اس نے مجھ سے بات کی تھی کہ وہ یہاں لندن میں ماس کمیونی کیشن کی طالبہ ہے۔

اس نے مجھ سے لکھنے کیلئے عنوان پوچھا تھا جو میں نے اسے بتا دیا تھا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ ایک کار حادثے میں انتقال کر گئے تھے جس کے بعد اس کی پھوپھو جو خود بھی بیوہ تھی اور سرطان جیسا موذی مرض ان کو دن بدن کھائے جا رہا تھا، ان کی محبت بھری فرمائش کو میں ٹھکرا نہ سکی اور انہی کے گھر چلی آئی۔ انہوں نے میری اٹھارہ سال کی عمر میں ہی یہ کہہ کر شادی کر دی کہ میرا کوئی بھروسہ نہیں کب بلاوہ آ جائے اور میں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اب وہ دو چھوٹے سے معصوم بچوں کی ماں ہے۔ میں اس کی ہمت کی داد دیتا اور دعائیہ کلمات پر بات ختم ہو جاتی۔ یہ پیغام اسی کا تھا اور مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ "مجھے ٹارچر کیا جاتا رہا میں برداشت کرتی رہی، عزیز و اقارب کو کبھی نہیں بتایا۔ اب اس نے مجھے طلاق دے دی ہے اور بچوں کو لیکر پاکستان چلا گیا ہے اور وہاں سے مجھے دھمکیاں دے رہا ہے کہ اس کا خاندان پاکستان میں انتہائی طاقتور اور سیاسی اثر و رسوخ کا مالک ہے، لیکن میں مقابلہ کروں گی انشاءاللہ اور سرخرو ٹھہروں گی"۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد میں نے اسے پیغام دیا کہ وہ مجھ سے بات کر سکتی ہے۔ آخر ایک نمبر مجھے موصول ہوا اور گھر پہنچ کر میں نے اس سے بات کی۔ تفصیل رہنے دیجیے۔ میں وقت آنے پر اس پر نہ صرف بات کروں گا بلکہ اس کے سنگ یہ جنگ بھی لڑوں گا۔ بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں۔ میں ایک ماں سے مخاطب تھا جس کے بچے ڈیڑھ ماہ سے باپ کی تحویل میں تھے۔ کتنا آسان ہے یہ ڈیڑھ ماہ کہہ دینا..... ایک ایسا باپ جو مذہبی ہونے کا بھی دعوی کرتا ہے، اس نے معصوم بچے ماں سے چھین لیے تھے۔ اسے طلاق نامہ بھجوا دیا تھا بس اتنا کہہ کر کہ بدسلوکی کی وجہ سے طلاق دے رہا ہوں اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، اس کی یونیورسٹی فرینڈز کے نمبرز پر یہ تشہیر کی گئی۔ ادھوری سچائی پورے جھوٹ سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

ہم سب خاندانی نظام کو بچانے کے دعویدار ہیں اور ہمارے آس پاس کیا ظلم ہو رہا ہے، کبھی ہم سوچتے بھی ہیں ؟اب یہ کیس عدالت میں ہے۔ کل اس کی سماعت تھی۔ موصوف تشریف نہیں لائے کہ وہ یہاں موجود ہی نہیں تاکہ سچائی بیان کی جاسکتی۔ یک طرفہ سچائی نہیں، پوری سچائی۔ اس بہادر بچی نے پوری سچائی بیان کرنے کی ٹھان لی ہے۔ وہ سماج کو آئینہ دکھانے پر تل گئی ہے۔ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے حقوق کیلئے میدان میں اتر آئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہ جنگ جیت کر دکھائے گی اور سماج کیلئے مثال بنے گی۔ جو اپنی مدد کرنے پر تل جائے، اللہ جی اس کی مدد کیلئے اسباب پیدا کرتے ہیں۔ سچائی اپنا راستہ خود بناتی ہے۔ کوئی دھونس کوئی دھمکی اب اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ ظلم چاہے کتنا بااثر ہو، کمزور ہوتا ہے۔ ظالم چاہے کوئی نقاب اوڑھ لے، پہچانا جاتا ہے۔ کوئی اس کا ساتھ دے نہ دے رب اس کے سنگ ہے۔

ہفتے کو بارش نے مجھے آن گھیرا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کتنے دن سے خاموش تھا یہ میرے یار بیلی کی طرح۔ آج برس رہا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے آسمان کے آنسوں کی شدت میں اس بہادر بچی کی للکار بھی ہے۔ ایک ایسی ماں جس سے اس کے بچے چھین لیے گئے ہوں جسے جرمِ بے گناہی میں گھر سے نکال دیا گیا ہو جس کے ہاتھ میں ایک سیاہ ورق تھما دیا گیا ہو: جا تمہیں دھتکارا جاتا ہے۔ جرمِ بے گناہی کی سزا دینے والے شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ خدائے زندہ بزرگ و برتر اپنے مظلوم بندوں کی آہ سنتا ہی نہیں ہے اس پر فیصلہ بھی صادر کرتا ہے۔ سانس کی ڈور نہیں ٹوٹی تو میں انشااللہ پھر کبھی تفصیل سے بات کروں گا۔ مجھے وہ عرب شاعر یاد آرہا ہے۔ بے شک دن اور رات زمانے کے تابع ہیں سمے جوں جوں گزرتا ہے اِس گزرنے کے بیچ کی زندگی مختصر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جب انسان غموں میں گرفتار ہو تو چھوٹی راتیں بھی بہت طویل اور صبر آزما ہو جاتی ہیں، اور خوشیاں ہوں مسرت ہو تو طویل راتیں بھی مختصر ہو جاتی ہیں۔

سچائی اپنی راہ خود نکالتی ہے۔ حق کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو اپنی مدد کرنے پر تل جائے رب اس کے سنگ ہوتا ہے زمانہ چاہے کتنا ہی مخالف ہو جائے سچائی کا چراغ جلتا رہا ہے جلتا رہے گا۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

میرے خدا تو مرا اضطراب جانتا ہے　　گزر رہے ہیں جو جاں پر عذاب، جانتا ہے

منافقوں نے لکھے خامہ ستم سے جو حرف　　محبتوں نے دیا جو جواب، جانتا ہے

قارئین محترم! جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ میری انتہائی مخلص و متقی رفیقِ حیات فالج کی بناء پر لندن کے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہیں اور آپ میری قلبی کیفیت سے بھی ضرور آگاہ ہونگے کہ میں اس وقت کس قدر کرب سے گزر رہا ہوں۔ میں اپنے رب کریم سے پرامید ہوں کہ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو کبھی رد نہیں کرتا اور اس وقت ہمیں آپ سب کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔

بروز بدھ ۱۸ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۱/اپریل ۲۰۱۲ء

بی بی نہیں تو بابا

کھانے کیلئے گھر میں کچھ نہیں، بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں، اگر کہیں سے کھانے کی کچھ اشیاء ہاتھ لگ بھی جائیں تو گیس نہیں، معصوم بچے خالی پیٹ اسکول جا رہے ہیں، بجلی ناپید ہو چکی ہے، بچوں کی پڑھائی پر برا اثر پڑ رہا ہے لیکن کمر توڑ بجلی اور گیس کے بل متواتر موصول ہو رہے ہیں۔ مہنگائی نے اس قدر جینا دوبھر کر دیا ہے کہ اتنی سکت نہیں کہ بیمار کیلئے کسی ڈاکٹر سے رجوع کیا جا سکے اور اب تو دال روٹی کیلئے بندوں نے موت کو گلے لگا لیا ہے۔ ٹھیک ہے زندہ تھے تو آٹا نہیں تھا۔ آٹے کے لیے اگر مر گئے تو لاکھ روپے تو ملیں گے ناں۔ ایک کہرام مچا ہوا ہے زندہ باد عوامی حکمران۔ ہمارے دکھوں کا ایک علاج..... عوامی حکومت کے عوامی حکمران۔ شرم ہمیں چھو کے نہیں گزری، غیرت چھوڑیئے یہ کیا بلا ہوتی ہے! اسی طرح پٹتے رہیں گے۔ یار لوگ پیٹ بھرے دانش ور.... ماشااللہ، ماشااللہ جی جی لیکچر بہت اچھے ہوتے ہیں۔ جب پیٹ میں روٹی نہ ہو اور بچے گھر میں بھوکے ہوں تو لوگ اپنی عزتیں بھی نیلام کر دیتے ہیں۔ کہاں ہیں وہ جوان مظلوموں کی آواز بن سکیں..... ایسی آواز جس کے سامنے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں..... بس ایسی ایک آواز..... بس ایک ضرب کلیم..... روٹی کپڑا اور مکان، مانگتا ہے ہر انسان..... اسی امید پر ووٹ دیئے تھے ناں غریب نے، لیکن غریب ووٹر کے گھر سے سب کچھ غائب!

پاگل جیالے سڑکوں پر چلاتے پھرتے تھے: دکھ درد سارے دور ہو جائیں گے بس اک بار بی بی آ جائے اور پھر بی بی تو آئی اور رب جانے کون انہیں کھا گیا، اب بھی تحقیقات ہو رہی ہے، اقوام متحدہ کے ایک اعلیٰ سطحی ٹیم کو بھی یہ کام سونپا گیا، اپنے اربوں روپے کے خزانے سوئٹزرلینڈ اور دیگر ملکوں کے بینکوں میں محفوظ لیکن اس غریب ملکی خزانے کے کروڑوں روپے اس تحقیقات پر صرف کر دیئے گئے جو ان غریبوں کے روٹی کپڑے پر صرف ہونے تھے۔ اب یہ سارا معاملہ کونڈالیزا رائس کی کتاب کی طرف موڑ دیا گیا ہے، بس اتنا ہی کافی ہے۔ چلئے اب بی بی نہیں ہیں تو بابا تو ہیں۔ روٹی کپڑا اور مکان ان کا بھی وظیفہ جاں ہے اور ہم سب دیکھتے ہیں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اچانک ہی غائب ہو گیا۔ بندوں کے ساتھ ساتھ آٹا چینی تو غائب ہوئے تھے اب زندگی کی دیگر ضروری اشیاء بھی خریدنے کی سکت باقی نہیں رہی۔ اب پھر عوامی حکمرانوں کو ترس آ گیا ہے اور صدر زرداری صاحب نے لاہور میں اعلان کیا ہے کہ انتخابات سے پہلے بجلی کا مسئلہ حل کر دیا جائے گا جبکہ وزیر اعظم سرکاری طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ اگلے پانچ برس تک بجلی کی قلت رہے گی۔ پاکستانی عوام اب بجلی کے ساتھ ساتھ گیس کو بھی ترس گئے ہیں لیکن ان کے بل کے تواتر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جواں بوڑھے عورت مرد سب کے سب پٹ رہے ہیں۔ اور ہاں بچے تو بھول ہی گیا۔ سب پٹ رہے ہیں رل رہے ہیں پاں تلے کچلے جا رہے ہیں۔ آپ روز دیکھتے ہیں ان پر لاٹھیاں برستی ہیں ان کے گریباں تار تار ہیں کوئی والی وارث نہیں ہے۔

پہلے ساری قوم کو میمو کے معاملے پر سولی پر چڑھا دیا گیا اور اب اصغر خان پٹیشن نے سب کو بھرے بازار میں ننگا کر دیا ہے۔ اداروں کی کھلی جنگ میں غریب عوام کے مسائل دب کر رہ گئے ہیں بلکہ فراموش کر دیئے گئے ہیں۔ وزیر اعظم کھلم کھلا فوج کے سپہ سالار اور ڈی جی آئی ایس آئی کے سربراہ کو قانون و آئین کے حوالے سے لتاڑ رہا ہے، صدر مملکت سپریم کورٹ کے احکام کو بی بی کے قبر کا ٹرائل گردانتے ہوئے اس کے پرزے ہوا میں اڑا رہا ہے اور آئی ایس پی آر کے مطابق سرحدوں کے پاسباں وزیر اعظم کے بیان پر برانگیختہ ہیں اور سپہ سالار نے صدر کو سندیسہ پہنچایا کہ وزیر اعظم کو اپنا بیان واپس لینا پڑے گا اور ادھر جمہوریت کی مقدس گائے کا سارا دودھ پینے والے گوالے دہائی دے رہے ہیں کہ وزیر اعظم کو فوج سے نہیں مگر قوم سے معافی مانگنی چاہئے اور اس سارے معاملے کا حالیہ شہید "سیکرٹری دفاع" اپنی برطرفی کے خلاف عدالت سے رجوع کرنے کی تیاری میں

مصروف ہے کہ اس کا گناہ یہ ہے کہ اسے حکومت کی طرف سے ایسے بیان پر دستخط کرنے کا حکم دیا گیا جو اس سرے سے اس کا بیان ہی نہیں تھا۔ وزیر اعظم گیلانی کی اولاد کھلے عام اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث ہیں اور وزیر اعظم اپنے بچوں کی کرپشن چھپانے میں دن رات مصروف ہیں۔ اس سارے چکر میں غریب عوام کہاں ہیں؟ کیا اسی دھینگا مشتی کیلئے جمہوریت کا مطالبہ کیا گیا تھا؟ کیا اسی دن کیلئے آزاد عدلیہ کیلئے ساری قوم نے قربانی دی تھی؟

صدر زرداری بھارت کا ایک دن کا دورہ کر کے واپس آ گئے ہیں۔ بظاہر یہی تاثر دیا گیا کہ وہ خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر اپنی کوئی منت مانگنے گئے تھے اور واپسی پر ایک ملین ڈالر کا عطیہ درگاہ کی تزئین و آرائش کیلئے عنائت کر کے واپس لوٹے ہیں۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کے ساتھ علیحدگی میں اور بعد ازاں ظہرانے پر ملاقات بھی ہوئی۔ یقیناً بہت سی باتیں ہوئی ہونگی کیونکہ چند دن پہلے بھارت سے ہی یہ خبر باہر نکلی تھی کہ امریکا نے حافظ سعید صاحب کو دنیا کے سب سے خطرناک دہشتگرد قرار دیکر ایک کروڑ ڈالر انعام مقرر کیا ہے اور ان کے برادر نسبتی عبدالرحمان مکی کے سر کی قیمت پچاس لاکھ ڈالر مقرر کر دی گئی ہے۔ بھارت کی تو گویا من کی مراد بر آئی ہے۔ اسی لئے اب بھی بھارت کا میڈیا مسلسل پاکستان کو نہ صرف دہشگردوں کی جنت قرار دے رہا ہے بلکہ کئی پاکستانی افراد کو بھارت کے حوالے کرنے کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر زرداری اپنے ساتھ وزیر داخلہ رحمان ملک کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے تاکہ یہ معاملہ وہ طے کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ہونہار سپوت بلاول بھٹو کی ملاقات نہرو خاندان کے چشم و چراغ اور بھارت کی سیاست میں متحرک راہول گاندھی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ دونوں قبیلے اپنی سیاست کی جانشینی کیلئے اپنے ننھیال کے حسب و نسب کو استعمال کر رہے ہیں۔

یقیناً میرے کالم پڑھ کر آپ بور ہو گئے ہیں ناں! چلئے آج سعادت حسن منٹو کے ایک افسانے کا کچھ حصہ پڑھئے۔

لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ اس گرمی میں اضافہ ہو گیا جب چاروں طرف آگ بھڑکنے لگی۔ ایک آدمی ہارمونیم کی پیٹی اٹھائے خوش خوش گاتا جا رہا تھا: جب تم ہی گئے پردیس لگا کر ٹھیس، او پیتم پیارا، دنیا میں کون ہمارا"۔ ایک چھوٹی عمر کا لڑکا جھولی میں پاپڑوں کا انبار ڈالے بھاگا جا رہا تھا، ٹھوکر لگی تو پاپڑوں کی ایک گڈی اس کی جھولی میں سے گر پڑی، لڑکا اسے اٹھانے کے لیے جھکا تو ایک آدمی نے جس نے سر پر سلائی کی مشین اٹھائی ہوئی تھی، اس سے کہا: رہنے دے بیٹا! رہنے دے۔ اپنے آپ بھن جائیں گے۔ بازار میں دھب سے ایک بھری ہوئی بوری گری۔ ایک شخص نے جلدی سے بڑھ کر اپنے چھرے سے اس کا پیٹ چاک کیا۔ آنتوں کی بجائے شکر، سفید دانوں والی شکر ابل کر باہر نکل آئی، لوگ جمع ہو گئے اور اپنی جھولیاں بھرنے لگے۔ ایک آدمی کرتے کے بغیر تھا، اس نے جلدی سے اپنا تہبند کھولا اور مٹھیاں بھر بھر اس میں ڈالنے لگا۔

ہٹ جا، ہٹ جا۔ ایک تانگا تازہ تازہ روغن شدہ الماریوں سے لدا ہوا گزر گیا۔ اونچے مکان کی کھڑکی میں سے ململ کا تھان پھڑ پھڑاتا ہوا باہر نکلا، شعلے کی زبان نے ہولے سے اسے چاٹا۔ سڑک تک پہنچا تو راکھ کا ڈھیر تھا۔ پوں پوں، پوں پوں، موٹر کے ہارن کی آواز کے ساتھ دو عورتوں کی چیخیں بھی تھیں۔ لوہے کا ایک سیف دس پندرہ آدمیوں نے کھینچ کر باہر نکالا اور لاٹھیوں کی مدد سے اس کو کھولنا شروع کیا۔ کاؤ اینڈ گیٹ دودھ کے کئی ٹین

دونوں ہاتھوں پر اٹھائے اپنی ٹھوڑی سے ان کو سہارا دیئے ایک آدمی دکان سے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ بازار میں چلنے لگا۔ بلند آواز آئی: آآ لیمو نیڈ کی بوتلیں پیو، گرمی کا موسم ہے۔ گلے میں موٹر کا ٹائر ڈالے ہوئے آدمی نے دو بوتلیں لیں اور شکریہ ادا کیے بغیر چل دیا۔ ایک آواز آئی: کوئی آگ بجھانے والوں کو تو اطلاع دے دی، سارا مال جل جائے گا۔ کسی نے اس مشورے کی طرف توجہ نہ دی۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار اسی طرح گرم رہا اور اس گرمی میں چاروں طرف بھڑکنے والی آگ بدستور اضافہ کرتی رہی۔

بہت دیر کے بعد تڑتڑ کی آواز آئی۔ گولیاں چلنے لگیں۔ پولیس کو بازار خالی نظر آیا لیکن دور دھویں میں ملفوف موڑ کے پاس ایک آدمی کا سایہ دکھائی دیا۔ پولیس کے سپاہی سیٹیاں بجاتے اس کی طرف لپکے۔ سایہ تیزی سے دھویں کے اندر گھس گیا تو پولیس کے سپاہی بھی اس کے تعاقب میں گئے۔ دھویں کا علاقہ ختم ہوا تو پولیس کے سپاہیوں نے دیکھا کہ ایک کشمیری مزدور پیٹھ پر وزنی بوری اٹھائے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ سیٹیوں کے گلے خشک ہو گئے مگر وہ کشمیری مزدور نہ رکا۔ اس کی پیٹھ پر وزن تھا۔ معمولی وزن نہیں، ایک بھری ہوئی بوری تھی لیکن وہ یوں دوڑ رہا تھا جیسے پیٹھ پر کچھ ہے ہی نہیں۔ سپاہی ہانپنے لگے، ایک نے تنگ آ کر پستول نکالا اور داغ دیا۔ گولی کشمیری مزدور کی پنڈلی میں لگی۔ بوری اس کی پیٹھ پر سے گر پڑی، گھبرا کر اس نے اپنے پیچھے آہستہ آہستہ بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھا۔ پنڈلی سے بہتے ہوئے خون کی طرف بھی اس نے غور کیا لیکن ایک ہی جھٹکے سے بوری اٹھائی اور پیٹھ پر ڈال کر پھر بھاگنے لگا۔

سپاہیوں نے سوچا: جانے دو، جہنم میں جائے۔ مگر پھر انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ راستے میں کشمیری مزدور نے بارہا کہا: حضرت! آپ مجھے کیوں پکڑتی ہے۔ میں تو غریب آدمی ہوتی، چاول کی ایک بوری لیتی، گھر میں کھاتی، آپ ناحق مجھے گولی مارتی، لیکن اس کی نہ سنی گئی۔ تھانے میں بھی کشمیری مزدور نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا: حضرت! دوسرا لوگ بڑا بڑا مال اٹھاتی، میں تو فقط ایک چاول کی بوری لیتی، حضرت! میں بہت غریب ہوتی، ہر روز بھات کھاتی۔ جب وہ تھک ہار گیا تو اس نے اپنی میلی ٹوپی سے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور چاولوں کی بوری کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر تھانے دار کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا: اچھا حضرت! تم بوری اپنے پاس رکھ، میں اپنی مزدوری مانگتی، چار آنے۔

بروز اتوار ۲۲ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء

ہمیں کسی کا غلام کر دے

لفظ بھی بچوں کی طرح ہوتے ہیں، معصوم اور بھولے بھالے بچوں کی طرح، بہت محبت کرنے والے، لاڈ و پیار کرنے والے، ناز و ادا والے، تنگ کرنے والے، روٹھ جانے والے اور پھر بہت مشکل سے ماننے والے یا ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لینے والے۔ کبھی تو معصوم بچوں کی طرح آپ کی گود میں بیٹھ جائیں گے پھر آپ ان کے بالوں سے کھیلیں، ان کے گال تھپتھپائیں تو وہ کلکاریاں مارتے ہیں، انہیں چومیں چاٹیں بہت خوش ہوتے ہیں وہ۔ آپ ان سے کسی کام کا کہیں تو وہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ محبت فاتح عالم جو ہے۔ کبھی تنگ کرنے پر آ جائیں تو ان کا رنگ انوکھا ہو جاتا ہے۔ آپ ان کے پیچھے دوڑ دوڑ کر تھک جاتے ہیں لیکن وہ ہاتھ نہیں آتے کہیں دم سادھے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور آپ انہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آپ ہلکان ہوں تو ہو جائیں وہ آپ کو تنگ کرنے پر اترے ہوتے ہیں اور جب آپ کی ہمت جواب دے جاتی ہے تو وہ دیکھو میں آ گیا کہہ کر آپ کے سامنے کھڑے مسکرانے لگتے ہیں۔

بچوں کی طرح لفظوں کے بھی بہت ناز نخرے اٹھانے پڑتے ہیں اور اگر اللہ نہ کرے وہ روٹھ جائیں اور آپ انہیں منانے کی کوشش بھی نہ کریں تب تو قیامت آ جاتی ہے۔ ایک دم سناٹا، تنہائی اداسی، بے کلی آپ میں رچ بس جاتی ہے، آپ خود سے بھی روٹھ جاتے ہیں۔ ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ کا تو میں نہیں جانتا، میرے ساتھ تو ایسا ہی ہے۔ میں کئی ہفتوں سے اسی حالت میں ہوں۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا، بے معنی لگتی ہے زندگی، دوبھر ہو گیا ہے جینا..... لیکن پھر وہی جبر کہ بڑا مشکل ہے جینا، جیئے جاتے ہیں پھر بھی۔ وہ رات بھی عجیب سی تھی۔ بے کلی کم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی اور بالآخر صبح ہوئی تو ایمبولنس کو بلانا پڑ گیا اور اب کئی ہفتوں سے ہسپتال کے چکر لگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے ای میل دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو ان گنت، ہزاروں دعا گو محبتوں کے پھول سجائے میرا اس طرح استقبال کرتے ہیں کہ اپنے کریم و رحیم رب کے کرم و رحم کی بارش میں مکمل طور پر بھیگ جاتا ہوں اور خود میں دوبارہ اتنی قوت محسوس کرتا ہوں کہ اپنے ارد گرد کی بھی خبر لے سکوں۔

وطنِ عزیز کی طرف نگاہ اٹھتی ہے تو دل میں ایک کسک سی پیدا ہو جاتی ہے کہ آخر ہم کہاں جا رہے ہیں؟ پھر سوچتا ہوں کوئی بھی ہو..... جب طاقت ہو اس کے پاس،، ہتھیار بند جتھہ ہو، حکم بجالانے والے خدام ہوں، راگ رنگ کی محفلیں ہوں، جام ہوں، عشوہ طرازی ہو، دل لبھانے کا سامان ہو، واہ جی واہ جی کرنے والے خوشامدی اور بغل بچے ہوں..... تو اس کے دیدے شرم و حیا سے عاری ہو جاتے ہیں۔ شرم و حیا کا اس سے کیا لینا دینا! چڑھتا سورج اور اس کے پوجنے والے بے شرم پجاری جن میں عزتِ نفس نام کو بھی نہیں ہوتی۔ بس چلتے پھرتے روبوٹ..... تب طاقت کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ سپریم کورٹ جن افراد کو ملکی دولت لوٹنے کا مجرم ٹھہراتی ہے، انہی کو بلا کر مرکز میں وزارت عطا کر دی جاتی ہے کہ کر لو جو کچھ کرنا ہے ہم تو دھڑلے سے ایسے ہی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔

لیکن مجھے آج ان کے برعکس کرداروں کا ذکر کرنا ہے کہ جن کا ذکر آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کا سکون اور اطمینان و فرحت بخش ہے۔ ہاں کوئی بھی ہو، کہیں بھی ہو، انکار سننا تو اس کی لغت میں ہی نہیں ہوتا۔ انکار کیا ہوتا ہے وہ جانتا ہی نہیں ہے۔ لیکن ہوتا یہی آیا ہے، ہوتا یہی رہے گا۔ منکر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ نہیں ماننے کا نعرۂ مستانہ گونجتا رہتا ہے، تازیانے برستے رہتے ہیں، کھال کھنچتی رہتی ہے، خون بہتا رہتا ہے لیکن عجیب سی بات ہے، جتنی زیادہ شدت سے نہیں ماننے کی آواز کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، ہر جتن ہر حربہ اپنایا جاتا ہے، وہ آواز اسی شدت سے گونجنے لگتی ہے چاروں طرف۔ نہیں ماننے کا رقص..... رقص ہی نہیں رقصِ بسمل، نہیں ماننے نہیں ماننے کا نغمہ اور گھومتا ہوا رقاص۔

کیا بات ہے جی، کھولتے ہوئے تیل کے اندر ڈالا جاتا ہے، تپتے صحرا میں لٹا کر، سینے پر پہاڑ جیسی سلیں رکھی جاتی ہیں، برفانی تودوں میں کود جاتے ہیں لیکن نعرۂ مستانہ بلند ہوتا رہتا ہے۔ رقص تھمتا ہی نہیں اور یہ توحید کا رقص، جنوں تھمے گا بھی نہیں۔ زمین کی گردش کو کون روک سکا ہے! بجا فرمایا آپ نے، بندوں کو تو غلام بنایا جا سکتا ہے، ان پر رزق روزی کے دروازے بند کیے جا سکتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ ہم نادان صرف روپے پیسے کو ہی رزق سمجھ بیٹھے ہیں۔ بندوں کو پابہ زنجیر کیا جا سکتا ہے، قید خانوں میں ٹھونس سکتے ہیں آپ، عقوبت خانوں میں اذیت کا پہاڑ ان پر توڑ سکتے ہیں۔ پنجروں میں بند کر سکتے ہیں، معذور کر سکتے ہیں، بے دست و پا کر سکتے ہیں، ان کے سامنے ان کے پیاروں راج دلاروں کی توہین کر سکتے ہیں، انہیں گالیاں دے سکتے ہیں، جی جی سب کچھ کر سکتے ہیں۔

صدیوں سے انسان یہ دیکھتا آیا ہے، انکار کرنے والوں کو بھوکے کتوں اور شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔ اس جگہ جہاں چاروں طرف خلق خدا کا ہجوم ہوتا اور ایک جابر تخت پر براجمان ہو کر یہ سب کچھ دیکھتا اور قہقہے لگاتا اور خلق خدا کو یہ پیغام دیتا کہ انکار مت کرنا، کیا تو پھر یہ دیکھو یہ ہو گا تمہارے ساتھ بھی۔ ہر فرعونِ وقت اپنی تفریح طبع کے لیے یہ اسٹیج سجاتا ہے، سجاتا رہے گا۔ ایسا اسٹیج جہاں سب کردار اصل ہوتے ہیں، فلم کی طرح اداکار نہیں۔ لال رنگ نہیں، اصل بہتا ہوا تازہ خون، زندہ سلامت انسان کا، رونا چیخنا بھنبھوڑنا کاٹنا سب کچھ اصل..... بالکل اصل۔ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، فرعونیت تو ایک رویے کا نام ہے، ایک بیماری کا نام ہے۔ ایک برادری ہے فرعونوں کی، فرعونوں کی ہی کیا..... ہامان کی، شداد کی، قارون کی، ابولہب کی، ابوجہل کی۔ یہ برادری کا نام ہے جس میں کسی بھی وقت کسی بھی مذہب و ملت کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ بس بچتا وہ ہے جس پر رب کی نظرِ کرم ہو۔

سب کچھ قید کیا جا سکتا ہے، سب کچھ لیکن ایک عجیب سی بات ہے، اسے قید نہیں کیا جا سکتا، بالکل بھی نہیں، مشکل کیا ممکن ہی نہیں ہے۔ عجلت نہ دکھائیں، خوشبو کو قید نہیں کر سکتے آپ! اور پھر خوشبو بھی تو کوئی ایک رنگ ایک مقام نہیں رکھتی ناں، بدلتے رہتے ہیں اس کے رنگ، خوشبو کے رنگ ہزار..... بات کی خوشبو، جذبات کی خوشبو، ایثار و وفا کی خوشبو..... بس اب آپ چلتے رہیے اور ان تمام خوشبوؤں کی رانی ہے عقائد کی خوشبو، دین کی خوشبو، نظریات کی خوشبو۔ یہ خوشبو قید نہیں کی جا سکتی۔ جب بھی دبائیں ابھرتی ہے۔ وہ کیا یاد آ گیا: "جتنے بھی تو کر لے ستم، ہنس ہنس کے سہیں گے ہم"۔ جتنا خون بہتا ہے اتنی ہی خوشبو پھیلتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب درد خود ہی مداوا بن جاتا ہے درد کا۔ دیکھیے پھر مجھے یاد آ گیا: "رنگ باتیں کریں اور باتوں سے خوشبو آئے، درد پھولوں کی طرح مہکے اگر تو آئے"۔

یہ سب کچھ میں آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ چند دن پہلے ہی ایک خبر آئی ہے۔ آپ نے دیکھی، پڑھی یا سنی ہو گی۔ اگر نہیں، تو یہ بتانے کی سعادت شائد میرے حصے میں آ رہی ہے لیکن نہیں، یہ تو اس کا کمال ہے جس نے ہم جیسے بے خبروں کو بتایا ہے۔ (نیویارک۔ آن لائن) امریکی آرمی کے ایک اسپیشلسٹ میٹری ہولڈ بروکس گوانتاناموبے کے عقوبت خانے میں کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ نوجوان فوجی افسر ہولڈ بروکس نے جن کی ڈیوٹی صرف چھ ماہ تک کیوبا کے عقوبت خانے میں مسلمان قیدیوں کی نگرانی اور بعض اوقات انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتے وقت رہنمائی کرنا تھی، مسلمان قیدیوں کے اخلاق اور

عبادات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ ہولڈ بروکس نے ایک مختصر سی ای میل میں تسلیم کیا کہ مراکشی اور دیگر مسلمان قیدیوں کے حسنِ اخلاق اور تلاوتِ قرآن پاک جو وہ عقوبت خانے کی سخت ترین جالیوں کے عقب میں کرتے تھے، کی مانیٹرنگ کرتے ہوئے وہ بے حد متاثر ہوئے تھے۔

اور کیا بات باقی رہ گئی جناب۔

دیکھئے! چراغ کو تو پھونک مار کر بجھایا جا سکتا ہے، نور کو کون بجھا سکتا ہے! جی جناب نور کو تو پھونک مار کر نہیں بجھایا جا سکتا۔ اسلام نور ہے، قرآن حکیم نور ہے، روشنی ہی روشنی، صراط مستقیم کھرا سودا.....اسی قرآن کو نافذ کرنے کیلئے تو پاکستان جیسی معجزاتی ریاست عطا ہوئی تھی جس نے یہ سکھایا کہ اس ملک کیلئے جان قربان کر دینا سب سے بڑا اعزاز ہے اور ماں باپ، بیوی بچے اور پوری قوم کے علاوہ ملائکہ بھی استقبال کیلئے جمع ہو جاتے ہیں کہ بندے نے اپنے رب سے وفاداری کا جو حلف اٹھایا تھا اس میں یہ کامیاب ہو گیا۔ ۱۳۵/نوجوان پچھلے کئی دنوں سے برف کے پہاڑوں میں دفن ہو گئے ہیں اور یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں ہوا کہ اب تک آٹھ ہزار سے زائد نوجوان ان سرد ترین وادیوں کا رزق بن گئے ہیں کہ انہوں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ اس ملک کی سرحدوں کی ہر حالت میں حفاظت کریں گے۔ بابا اقبال کیا خوب فرما گئے!

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

مرے بت خانے میں کعبے میں گاڑو برہمن کو

آپ سن لیجیے پاکستان بھی نور ہے، آپ نے سنا بھی ہے اور بار بار سنا ہے، میرے رب نے اعلان کر دیا ہے، اس کا فرمان ہے: شہدا زندۂ جاوید ہیں۔ اپنے رب سے رزق پاتے ہیں اور قادرِ مطلق نے خبردار کیا ہے کہ کبھی مردہ گمان بھی مت کرنا اور اب آپ ذرا دل تھام کر سنئے: جب بدترین تشدد کے بعد بھی وہ قیدی اور ایسے جاں گسل حالات میں وطن کی حفاظت کرنے والے نوجوان مسکرا رہے ہوں تو وہ کون سی طاقت ہوتی ہے جس سے ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی جنبش نہیں ہوتی، کیا ایسا تو نہیں کہ کوئی شہید اسے تحسین کی نظر سے سے دیکھ رہا ہو.....بدری شہید یا امیدان احد کے شہداء۔ مجھے اجازت دیجیے مالک آپ سب کا نگہبان رہے۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا۔ بس نام رہے گا اللہ کا۔

تیری دنیا کے باسی، کہا یہ اس نے

تم اپنی اپنی پسند کے موسموں کو چن لو

زمیں کو دیکھو کہیں پہاڑوں کی وادیاں ہیں

کہیں پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں

کہیں پہ میداں کے سبزہ زاروں پر، موسم گل کی داستان ہے

کہیں پہ نیلے سمندروں کے شفاف سینے کھلے ہوئے ہیں

کہیں پہ صحرا کا ذرہ ذرہ دمک رہا ہے

جو چاہو تاروں کی کھیتیوں کو تو آسمان کی زمین لے لو

کہا یہ ہم نے خدائے برتر بزرگ و بینا

یہ ساری چیزیں انہیں عطا کر

جو اپنے خارا شگاف ہاتھوں سے دشت و صحرا کو چیرتے ہیں

سمندروں کو بلو کران سے شفاف موتی نکالتے ہیں

ہمیں تو تیرا کرم بہت ہے

ہمیں مشقت کی چیرہ دستی سے اپنے حفظ واماں میں رکھنا

ہمیں توراس آگیا ہے یارب

غریب رہنا،اسیر رہنا، ہمیں اسیر دوام کردے

ہمیں کسی کا غلام کردے

بروز منگل ۲۴ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۱۷/اپریل ۲۰۱۲ء

ایک رات انسان کی صحبت

سردی گرمی ہمارا مسئلہ نہیں ہے سر۔ تو پھر تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ آج کی دال روٹی۔ اس نے پانی کی تیز دھار گاڑی پر مارتے ہوئے کہا۔ بوسیدہ سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں بھیگا ہوا وہ مزے سے اپنا کام کر رہا تھا۔ سرد ہوا کا منہ چڑاتا ہوا نوجوان۔ میں اس کے پاس گاڑی کی سروس کرانے کبھی کبھار چلا جاتا ہوں۔ اب تو اس سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ تو پھر آج کی دال روٹی کا انتظام تو ہو گیا ہو گا ناں! میری اس بات پر وہ مسکرایا اور کہنے لگا: میری دال روٹی کا تو ہو گیا اور یہ جو میرے ساتھ اور لوگ ہیں ان کی بھی تو چاہیئے۔ آج شام تک آج کی دال روٹی کے ساتھ کل کی دال روٹی کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ تو پھر پرسوں کیا کرو گے؟ میں نے پوچھا۔ آپ بھی کمال آدمی ہیں، پرسوں کس نے دیکھی ہے؟ میں کمال آدمی نہیں تم ہو پاگل آدمی.....

تو پھر کل کس نے دیکھی ہے؟ ہاں یہ تو آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ سچ بتا کبھی فکر نہیں ہوئی کہ آج تو مل گیا کل کیا کریں گے؟ نہیں بالکل بھی نہیں میں تو بہت چھوٹا تھا جب یہ کام کرنے لگا تھا۔ کبھی فکر نہیں ہوئی۔ میں اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

ہاں وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ پھر مجھے اپنا دوست فقیر محمد بلوچ جسے میں پیار سے فقری کہتا ہوں یاد آیا۔ وہ اکثر کہتا تھا، اڑے فکر مکر چھوڑو، جس نے چونچ دیا ہے دانا بھی دے گا اور جب دانا پانی ختم تو چونچ بھی ختم، پھر کیا فکر کرنی۔ گدھا گاڑی چلاتا اور مست ملنگ رہتا تھا وہ۔ کبھی آزردہ نہیں ہوا۔ یہ ہے ناں زندگی! فکر نہ فاقہ، عیش کر کاکا۔ میں اپنے دوستوں سے اکثر پوچھتا ہوں: کاروبار کیسا چل رہا ہے؟ بس یار گزارا ہے بہت پریشان ہوں اور جب مزدور دوستوں سے ملتا ہوں تو رشک آتا ہے۔ میری اس بات سے آپ اختلاف کریں، ضرور کریں۔ میں اسی طرح سے انہیں دیکھتا ہوں۔ یہ جو ہمارے ارد گرد خودکشیاں ہو رہی ہیں ان میں میں خود بھی شریک ہوں۔ اس لیے کہ ہم سب کو صرف اپنی اپنی فکر ہے۔ مہینہ بھر کا راشن جمع کر کے بھی میں پریشان رہتے ہیں۔ یہ کوئی زندگی ہے بھلا؟ ہم ہر وقت خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ ڈالر اوپر نیچے نہ ہو جائے کہ اس کا بہانہ بنا کر پٹرول کی قیمتوں میں جونہی اضافہ کا اعلان ہوتا ہے تو زندگی مشکل بنا دی جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ڈالر کے ساتھ ہمارے سانس کی ڈوری بندھی ہوئی ہے۔ ہمارے دل کی دھڑکن ڈالر کے اوپر نیچے ہونے سے منسلک ہے۔ یہی ہے ناں زندگی!

اور جب میں ان سے ملتا ہوں تو وہ مزے سے ہیں، نہ ان کے پاس ڈالر ہے نہ ہی ان کی دھڑکن بے ترتیب..... مست مولائی لوگ۔ ہم محلات میں رہ کر بھی خوف زدہ اور وہ جھونپڑیوں میں رہ کر پرسکون اور مطمئن۔ چلئے چھوڑیئے میں کیا بحث لے بیٹھا۔ آپ میری مانیں گے اور نہ میں آپ کی۔ مجھے بچپن میں ایک بابے نے یہ کہانی سنائی تھی اور پھر کہیں پڑھی بھی تھی:

ایک ہرے بھرے جنگل میں ایک گائے رہتی تھی۔ علی الصبح وہ تازہ گھاس چرنے نکل جاتی۔ سارا دن گھاس چرتی اور سورج ڈوبنے تک خوب موٹی تازی ہو جاتی لیکن ساری رات وہ اس غم میں گھلتی رہتی کہ خدا معلوم اگلے روز گھاس چرنے کو ملے گی یا نہیں۔ اس غم میں صبح تک پھر سوکھ کر پہلے کی طرح دبلی پتلی ہو جاتی یہاں تک کہ بدن کی ایک ایک پسلی نمایاں ہو جاتی۔ اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ ہر روز صبح سویرے وہ جنگل پھر سرسبز و شاداب ہو جاتا اور گھاس اونچی اونچی ہو جاتی تاکہ گائے اپنا پیٹ اچھی طرح بھر سکے اور اس کے بدن پر چربی کی تہہ چڑھ جائے۔ یہ سلسلہ بہت عرصے تک جاری رہا۔ دن میں گائے گھاس چرتے چرتے فربہ ہو جاتی اور رات کو اس فکر میں کہ کل کیا کھائے گی گھل گھل کر دبلی پتلی ہو جاتی۔ آخر اسی کشمکش میں اس کی زندگی ختم ہو گئی اور وہ مر گئی۔

اسے اتنی سی بات سمجھ نہیں آئی کہ جب خالقِ کائنات ہر روز اس کے جنگل میں جانے سے پہلے ہی اس کے لیے رزق کا انتظام کر دیتا ہے تو پھر اسے

اگلے روز کی فکر میں اپنی ہڈیوں کا گودا سکھانے کی کیا ضرورت ہے! لیکن وہ نادان تھی سمجھ ہی نہ سکی۔ پھر بابا کہتے: کہانی مزے کی تھی ناں! اور ہم سب کہتے: ہاں بہت مزے کی۔ پھر وہ کہتے: یہ گائے کون ہے؟ ہم کہتے: ہم تو نہیں جانتے یہ گائے کون ہے۔ تب وہ بتاتے: یہ گائے انسان کا نفس ہے اور سرسبز جنگل یہ دنیا۔ اللہ میاں اپنی مخلوق کو ہر روز اپنے وعدے کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے لیکن یہ کم عقل بد فطرت انسان پھر اسی فکر میں سوکھ سوکھ کر کانٹا ہوا جاتا ہے کہ ہائے کل کیا کھاؤں گا۔ وہ کم عقل اور بد بخت یہ نہیں سوچتا کہ روز پیدائش سے لے کر وہ اب تک برابر کھاتا آرہا ہے اور اس کے رزق میں کمی نہیں آئی بلکہ رزق بڑھتا گیا جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا رہا۔ کیا اس کے بچپن اور جوانی کی خوراک مقدار میں ایک ہی ہے! پھر وہ بہت پیار سے کہتے: کل کی فکر چھوڑو اور خدا کی رزاقی پر پکا ایمان لاؤ، توکل اختیار کرو۔

ہاں ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں یہ کہانی بھی سنائی تھی، کہانی نہیں واقعہ: ایک دفعہ شیخ ابو سعید ابوالخیر اپنے عقیدت مندوں کے ایک گروہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ صفائی کی جارہی تھی۔ ہر طرف غلاظت بکھری پڑی تھی اور سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ سب رک گئے اور اپنی ناکوں پر کپڑا رکھ کر برا سا منہ بنا کر منتشر ہونے لگے۔ لیکن جناب شیخ ابو سعید وہیں کھڑے رہے اور فرمانے لگے: اے لوگو جانتے ہو یہ نجاست اس وقت زبانِ حال سے کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ ہی فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ کہتی ہے کہ کل میں بازار میں مٹھائی اور خوش رنگ پھلوں کی شکل میں دکانوں کی زینت بنی ہوئی تھی اور لوگ پیسے خرچ کر کے مجھ کو خرید رہے تھے اور اب صرف ایک رات انسان کی صحبت میں رہ کر اس حالت کو پہنچ گئی۔ حق تو یہ ہے کہ مجھے تمہاری صحبت سے بھاگنا چاہیے اس کے برعکس تم مجھ سے بھاگ رہے ہو۔

لیکن اب تو ایسی کہانیاں سنانے اور اس پر عمل کرنے والے پاگل سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم گیلانی کو اپنے حسب و نسب پر بڑا فخر ہے کہ وزارتِ عظمیٰ چلی بھی جائے تو ہمارا شاہِ جیلاں سے تعلق تو کوئی نہیں چھین نہیں سکتا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ جن بچوں کی فیس دینے کیلئے گھڑی فروخت کی تھی آج ان کے زیر سایہ ملک کو فروخت کیا جارہا ہے۔ اب تو اپنی کابینہ کو بھی اعتماد میں لیکر ہنوا بنانے کا اعلان ہو گیا ہے کہ اب ساری کابینہ بھی ان کے سپوتوں کو دودھ میں نہلانے میں ان کا ساتھ دے گی۔ گیلانی صاحب ابھی تک بضد ہیں کہ قوم کی لوٹی ہوئی دولت کو واپس لانے کیلئے وہ سوئس عدالتوں کو خط نہیں لکھیں گے اور ان کی وکالت کیلئے دلائل دیتے ہوئے اعتزاز احسن کے ماتھے پر ندامت کا کوئی قطرہ تک موجود نہیں جو کل اسی ملک کی شاہراہوں پر عدالتی سربلندی اور کرپشن کے خلاف پوری قوم سے قربانی مانگ رہا تھا۔ اس نے ساری قوم سے جو وعدے کئے تھے آج خود ان کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔ واقعی دنیا کی ایک دن کی صحبت نے کیا رنگ دکھایا!

آپ بتایئے کہ ہم اپنے رب پر یقین رکھتے ہیں؟ اگر رکھتے ہیں تو پھر کیوں اتنا کچھ جمع کرتے رہتے ہیں؟ ناداروں کو کیوں نہیں دیتے؟ میرا مالک آپ کا رزق فراواں کردے۔ دنیا کے دھوکے اور نفس کے بہکاوے سے بچالے۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا۔

یہ حوصلہ بھی بہت ہے کہ ہم نے آنکھوں میں تمام خواب رکھے، خوابِ زر نہیں رکھا
کسی کو کاوشِ زر سے یہاں نہیں فرصت سنانا چاہیں تو کس کو سنائیں غم اپنا

بروز جمعۃ المبارک ۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ ۲۰/اپریل ۲۰۱۲ء

مجھے تو اپنے رب کی ماننی ہے

جنگ شروع ہونے والی ہے کیا؟ پھر کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہوگا جنگ بھی کبھی رکی ہے؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نہیں ہونی چاہیے جنگ۔ بالکل بھی نہیں ہونی چاہیے میں نے پھر کہا۔ یہ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو! کیوں میں نے کیا انوکھی بات کی ہے؟ سچ بتا جنگ ہو گی تو پھر کیا ہوگا؟ اب قسطوں میں مر رہے ہیں پھر ایک ساتھ مریں گے اور کیا ہوتا ہے جنگ میں! اور پھر کیا جنگ کو ہم روک سکتے ہیں! اچھا، اچھا پہلے مجھے جانے دو پھر لڑ لینا۔ میں کب لڑنا چاہتا ہوں، لیکن اگر کوئی مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہی ہو جائے، لاکھ سمجھاؤں نہ مانے تو پھر آخر تیار ہونا پڑتا ہے۔ میری بڑی بہن کینیڈا سے آئی ہوئی ہیں۔ آج کل وہ یہی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ کتنے شوق اور ارمان لیکر میں پاکستان آئی تھی لیکن اب مجھے فوراً سے پہلے کینیڈا پہنچنا ہے۔

میرے دانش ور دوست مجھے سمجھاتے رہتے ہیں کہ اب بھارت سے تو بالکل جنگ نہیں ہونی چاہیے، اب سب کچھ بھلا کر دوستی کرنے کا وقت آگیا ہے اور میں ان سے کہتا ہوں: میں کب چاہتا ہوں کہ جنگ ہو۔ اور جب میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اب ہم حالتِ جنگ میں نہیں ہیں؟ پورا فاٹا امریکی حملوں کی زد میں ہے، روزانہ خبریں آتی ہیں، میزائل حملے میں اتنے لوگ مارے گئے اور کسے کہتے ہیں جنگ؟ بلوچستان جل رہا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ یہ کون کروا رہا ہے، پورا ملک دہشت گردی اور خودکش بمباروں کے نرغے میں ہے اور کسے کہتے ہیں جنگ؟ بتایئے! ہم بہت سادہ ہیں۔ جنگ کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں جنگ تو ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ انسان کے اپنے اندر کیا جنگ جاری نہیں رہتی؟ نیکی اور بدی کی جنگ، نفس پرستی کی جنگ، زر پرستی و جاہ و جلال کی جنگ، غربت اور امارت کی جنگ، سچ اور جھوٹ کی جنگ، اندھیرے اجالے کی جنگ، اقتدار حاصل کرنے کی جنگ... .....اور نجانے کتنی جنگیں۔

میری ایک پارسی پڑوسن ہے، بہت خاموش سی۔ وہ بہت خاموش لوگ ہیں، اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ شور شرابے سے دور، اپنی دنیا میں مگن۔ میں نے ایک دن اس سے پوچھا تم کیا کہتی ہو جنگ کے بارے میں؟ تو اس نے اپنی عینک صاف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا: یہ دنیا میدانِ کارزار ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا میں دو قوتیں سرگرم عمل ہیں، ایک نیکی کی، دوسری بدی کی۔ نیکی کی طاقت کا سالار یزداں ہے اور بدی کی طاقت کا سالار اہرمن۔ دونوں آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔ جب نیکی کا سالار یزداں جیت جائے تو دنیا میں بھلائی پھیلتی ہے اور جب اہرمن جیت جائے تو دنیا فساد سے بھر جاتی ہے۔ یہ جنگ روزِ اول سے جاری ہے اور روزِ آخر تک جاری رہے گی۔ میں نے کہا: واہ، واہ بہت زبردست بات بتائی آج تم نے۔

مجھے اقبال بچپن سے ہی مل گئے تھے اور پھر میں اور اقبال سنگ رہنے لگے۔ انہوں نے ہی تو کہا ہے: ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز، چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی۔ انہوں نے ہی تو اکسایا ہے: "عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد" اور "یہ بھی کہ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری" اور پھر آپ نے یہ نہیں پڑھا: "نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئے، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے، وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبی، وہی عنتری"۔ مجھے میرا دین ہمیشہ حالتِ جنگ میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ مکمل تیار رہنے کا، گھوڑے پر زین کو کس کے رکھنے کا۔ اپنے ہتھیار درست حالت میں رکھنے کا۔ مجھے میرا دین پہل کرنے سے منع کرتا ہے اور جب جنگ مسلط ہی کر دی جائے تو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے کا، موت کے سامنے کھڑے ہو کر اسے للکارنے کا، موت کو فنا کے گھاٹ اتار کر امر ہو جانے کا کہتا ہے۔ صرف رب کے آگے سر جھکانے کا کہتا ہے۔ ہر فرعون کا انکار کرنا سکھاتا ہے۔ مجھے جتنا کام کہا گیا ہے، مجھے اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رب کا کام رب خود کرے گا۔ اب میں اپنے رب کی مانوں یا ان دانش وروں اور سیاستدانوں کی، مجھے اپنے رب کی مانی

ہے، چاہے مجھے سمجھ آئے نہ آئے۔ حکم تو صرف رب کا ماننا ہے۔ یہی تو ہے بندگی اور کیا ہے!

میں سن سن کر اکتا گیا ہوں جنگ ہو گی تو کیا ہو گا؟ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں جنگ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں، لیکن اگر جنگ مسلط ہی کر دی جائے تو پھر مجھے بھی حکمِ اذان ہے۔ یہ جو دانش ور سیاستدان اپنی بے پر کی اڑا رہے ہیں، یہ غاصبوں کو کیوں نہیں للکارتے؟ کشمیر کے ایک لاکھ سے زائد بے گناہ اور بموں سے بھون دیئے گئے کہ ان کا فقط قصور صرف مرد و زن گولیوں یہی ہے کہ وہ اپنا حق خود ارادیت مانگتے ہیں کہ ساری دنیا کو گواہ بنا کر ان کو یہ حق ادا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن ہمارے یہ سیاستدان تو ایک بھارتی فلمی ایکٹر مادھوری کو کشمیر پر ترجیح دیکر اس معاملے کو ختم کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ بیٹھ کر تو خوانِ نعمت سجاتے اور پیٹ آسودہ کرتے ہیں، اور اب ہمیں یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ہمیں فوری طور پر اپنی افواج کو وہاں سے واپس بلا لینا چاہیئے۔ کل کلاں جنوبی پنجاب اور سندھ کی قیامت خیز گرمی سے تنگ آ کر یہاں سے بھی اپنی افواج کو بلانے کا مشورہ صادر کریں گے؟ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم پر چاروں طرف سے جنگ مسلط ہے۔ میرے دین کے خلاف جنگ، میری تہذیب کے خلاف جنگ، میرے ملک کے خلاف جنگ۔ میرے سرکارؐ کی امت پر دھاوا بول دیا گیا ہے۔ ہر ہتھیار استعمال ہو رہا ہے، ٹی وی سے لے کر انٹرنیٹ تک، اخبارات و رسائل سے لے کر مہلک ترین کیمیائی گیس تک اور پھر اس سے بھی آگے جینیٹک ہتھیار تک.....اور پھر ہمیں ہی تبلیغ کی جاتی ہے امن و آشتی کی، برداشت کی اور نجانے کیا کچھ۔

ایران کو دھمکیاں دی جاتی ہیں، عراق کو نیست و نابود کیا جاتا ہے، فلسطین پر قبضہ کیا جاتا ہے، بوسنیا میں نسل کشی کی جاتی ہے، جنتِ کشمیر کو جہنم بنا کر رکھ دیا گیا ہے، افغانستان کو اجاڑا جاتا ہے، مسلم ممالک پر اپنے پٹھو حکمران مسلط کیے جاتے ہیں، پاک سرزمین پر اپنے ناپاک پنجے گاڑے جاتے ہیں۔ ہمارا لہو پیا جا رہا ہے، ہر طرف شہر ویران اور قبرستان آباد کئے جا رہے ہیں، ہمیں آپس میں فرقہ فرقہ کیا جاتا ہے اور دونوں طرف ہتھیار تقسیم کیے جاتے ہیں۔ کیا نہیں کیا جاتا! کون سا ہتھیار استعمال نہیں کیا جا رہا، ایسے میں ہمیں ہی امن و آشتی کا درس دیا جاتا ہے۔ ہمیں یہ جنگ لڑنی ہی ہو گی۔ جیت ہار ہمارا مسئلہ نہیں۔ یہ عشق کی بازی ہے، اس میں جو چاہے لگانا پڑتا ہے، یہ جنوں کی منزل ہے، اس میں اندیشۂ انجام رسوائی ہے۔ باقی نہ رہے ساکھ اداشتِ جنوں کی، دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے۔

مجھے ان دانش وروں اور سیاستدانوں سے پوچھنا ہے: کون سا مذہب ہے جس نے جنگوں کے بھی اصول مرتب کیے ہیں بتایئے مجھے۔ یا مجھے اجازت دیجیے، مجھے میرے دین نے جنگ کے بھی اصول دیئے ہیں۔ جنگ میں پہل نہیں کی جائے گی، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو نہیں مارا جائے گا، فصلوں کو تباہ نہیں کیا جائے گا، درختوں کو نہیں کاٹا جائے گا، پانی میں زہر نہیں ملایا جائے گا، کسی نہتے کو قتل نہیں کیا جائے گا، پناہ گاہوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا، بس ان سے جنگ کی جائے گی جو ہتھیار بند ہو کر تمہارے مقابلے میں اتر آئیں۔ اس کے باوجود میں تنگ دل ہوں اور وہ روشن خیال۔ رہنے دیجیے اپنی دانش وری کو، فریم کرا کے اپنے ڈرائنگ روم میں لٹکا لیجیے۔ مظلوموں کو تبلیغ کرنا بند کر دیجیے۔ ظالم کو للکاریئے۔ میرے سامنے اگر میرے بچوں کو قتل کر دیا جائے تو کوئی نصیحت کار گر نہیں ہو گی۔ یہ دنیا جہاں میں مارے جانے والے نوجوان، بچے، عورتیں، مرد کون ہیں؟ جناب یہ میرے اپنے ہیں۔ قومِ رسولِ ہاشمی ہیں۔ ہم ایک ہیں، ہمیں جدا کرنا دریا میں لاٹھی مارنا ہے۔ ہمارے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے اور دانشور

اور سیاستدان اپنی اپنی بانسری بجا رہے ہیں! چلئے بجاتے رہیے۔ مجھے تو اپنے رب کی ماننی ہے، یہی ہے بندگی اور کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی تو باقی نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

کس کے دیدار کو نکلا ہے مہِ رنج زدہ چاک
ہے شامِ غریباں کی قبا کس کے لیے
بے سماعت مری بستی کے ہیں رہنے والے
ہونا چاہوں بھی تو ہوں نغمہ سرا کس کے لیے

بروز سوموار یکم جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۳/اپریل ۲۰۱۲ء

غلاموں کی کون سنتا ہے

بے حیائی، بے غیرتی، بے حسی، خود غرضی، درندگی، وحشت، سفاکی اور ایسے سارے الفاظ مجسم دیکھنے ہوں تو ان نام نہاد بڑوں کو دیکھئے جن کے ساتھ مرعوب ذہن، چاپلوس، خوشامدی بونے تصویریں کھنچوانا باعثِ افتخار سمجھتے ہیں، پھر انہیں اخباروں میں چھپواتے اور اپنے ڈرائنگ روموں میں اہتمام سے سجاتے ہیں۔ ایسی مکروہ تصویروں کے لیے جگہ بھی ایسی منتخب کی جاتی ہے کہ آپ اندر داخل ہوں تو سامنے وہ نظر آئے اور آپ کہہ اٹھیں :اچھا تو یہ آپ ہیں! بہت تعلقات ہیں آپ کے اور وہ بونا مصنوعی خاکساری اوڑھ لے اور کہے، بس جی ہم تو بہت چھوٹے لوگ ہیں۔ یہی ایک بات وہ سچ بولتے ہیں۔ کسی ایک ملک کی بات نہیں، ہر جگہ کم و بیش ایسی ہی صورتِ حال ہے، نظامِ زر کے پجاری ہر جگہ چھائے ہوئے ہیں۔

ہمارے یہاں تو آپ دیکھتے بھی ہیں۔ سڑکوں پر شاہراہوں پر ہر وقت ہٹو بچو کا آوازہ اور ہوٹر کی منحوس آواز..... ان کا بس چلے تو وہ آپ کو روند کر نکل جائیں۔ آپ نے تو مشاہدہ کیا ہوگا، ہو سکتا ہے آپ کو تجربہ بھی ہوا ہو کہ اگر آپ غلطی سے بھی ان کی گاڑی سے آگے نکل جائیں تو بونے کی گاڑی کی حفاظت پر مامور بندوق بردار آپ کا جینا حرام کر دیں گے اور یہی بونے جب بیرون ملک جائیں تو ان کے بیلٹ اتروائے جاتے ہیں، برہنہ کیا جاتا ہے تضحیک کی جاتی ہے، گھنٹوں پوچھ گچھ ہوتی ہے انہیں اور ان کے سامان کو کتے سونگھتے ہیں اور وہ یہ سب مسکراتے ہوئے جھیلتے ہیں اور مہذب نظر آنے کی اداکاری کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ نہیں جانتے خوب جانتے ہیں کہ خلقِ خدا انہیں کیسی کیسی گالیاں دیتی ہے، انہیں کیسے القابات سے نوازتی اور ہاتھ اٹھا کر بددعائیں دیتی ہے۔ لیکن وہ کمال ڈھٹائی سے ارشاد فرماتے ہیں:

عوام تو ہمارے ساتھ ہیں۔ ظاہر ہے جہاں بندوقوں کی زبان میں بات کی جاتی ہو وہاں دلائل دم توڑ دیتے ہیں۔ کیا طاقت اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ معصوم انسانوں کو غلام بنایا جا سکے؟ انہیں سدھایا ہوا جانور بنا کر اپنے مفادات حاصل کیے جا سکیں؟ جی اِس وقت تو یہی منظر ہے۔ سامراج نے کیسے کیسے ناٹک رچائے ہیں..... قتلِ عام کے ناٹک، ناٹک میں تو اداکاری ہوتی ہے، لیکن یہاں تو انسانیت کا قتلِ عام جاری ہے۔ اپنے مفادات کے تحفظ، اپنے زر میں اضافے کے لیے معصوموں کو مارا جاتا ہے۔ دنیا کو اپنی جاگیر سمجھنے والا امریکا موت کا سوداگر بنا ہوا ہے۔ وہ جو چاہے کرتا پھرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ البتہ قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور یہ قصیدہ خواں عوام نہیں، عوام پر ان کے مسلط کردہ نمک خوار ہیں جنہیں وہ عوامی نمائندے کہتے ہیں۔

ہر جا سام راج کے پجاریوں کا راج..... خوابوں، آرزوں اور امیدوں کو روندتا ہوا بدمست ہاتھی۔ ترقی یافتہ ممالک خاص کر امریکا جو عربوں اور اربوں کے وسائل پر قابض ہے اور لاکھوں انسانوں کا قاتل..... جس کے اپنے قوانین ہیں..... بس جو اس نے کہہ دیا وہی بات درست ہے، باقی تو سب اصول و قوانین لایعنی ہیں۔ انسانیت کے قتلِ عام کے لیے دنیا میں اسلحے کا سب سے بڑا تاجر اور انسانوں کے وسائل پر بزورِ قوت قبضہ کر ہمارے بنو یا مر جاؤ کے اصول پر کاربند..... برابری، مساوات، .. لینے والا، خوبصورت لفظوں کے پردے میں صرف اپنے مفادات کا اسیر..... حقوقِ انسانی کا راگ الاپ کر آگ و خون کا بازار سجانے والا امریکا اور دنیا بھر میں اپنے ضابطے مسلط کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کا ہتھیار رکھنے وہ اقوامِ متحدہ جو اس کا زر خرید غلام ہے، اور پھر ویٹو کر دینے کا بے سرا جواز..... یہ سب کچھ وہ صرف اور صرف اپنے نظامِ زر کو بچانے والا..... کے لیے کرتا ہے، اس میں انسانیت کا درد کہیں نظر نہیں آتا۔

پورا عالم جانتا ہے امریکی کرتوتوں کو، لیکن بس وہ خود نہیں جانتے کہ انسانیت انہیں کس نام سے پکارتی ہے۔ جانتے وہ سب ہیں لیکن بے شرمی کی بے

غیرتی اور بے حسی کی تاریخ بھی تو رقم کی ہے اس نے۔ جہاں اسے اپنے مفادات خطرے میں نظر آتے ہیں، وہ وہاں پر اصول و قانون کو پامال کرتا ہوا جا گھستا ہے اور اسے وہ وہاں کے عوام کی مدد قرار دیتا ہے۔ بدنام زمانہ عقوبت خانوں کا ایک سلسلہ ہے جہاں انسانیت سسک رہی ہے، مہلک ترین ہتھیار آزمائے جا رہے ہیں۔ جاپان کی زمین اب تک اپاہج بچے پیدا کرتی ہے اور ایٹم بم کی تباہ کاریوں کو بتانے کے لیے دنیا بھر میں اسٹیج ڈرامے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ انسانیت کے قاتل کون ہیں، یہ بتانے کی ضرورت ہے کیا؟ لیکن وہ جہاں داخل ہوا، وہاں پھنس کے رہ گیا۔ سر جھکا کر جینے سے بہتر ہے باوقار موت کا سامنا کیا جائے۔ ہر جگہ مزاحمت ہے، سب اپنی اپنی سطح پر مزاحمت کرتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں۔

امریکی استعمار کے سامنے سر جھکانے سے انکاری، یہ سر پھرے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں لیکن خون رائیگاں نہیں جاتا، مزاحمت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے اور امریکی خجالت چھپائے نہیں چھپتی۔ اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد کرائے دیتا ہوں۔ عراق کے الوداعی دورے کے دوران جہاں امریکی صدر بش نے ایک معاہدہ بھی کر ڈالا تھا کہ عراق میں امریکی افواج ۲۰۱۱ء تک رہیں گی۔ پریس کانفرنس کے دوران البغداد یہ ٹی وی چینل کے لیے کام کرنے والے جواں سال صحافی منتظر الزیدی نے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے صدر بش کو جوتا کھینچ مارا۔ پہلا جوتا پھینکتے ہوئے منتظر الزیدی نے بش کو خبیث کتا کہا، دوسرے پر وہ چیخ پڑا: یہ عراق کی بیواؤں، یتیموں اور ہلاک ہونے والے تمام افراد کی طرف سے ہے۔

اب بھی عرب ٹی وی بش کی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس کو "کندارا" یعنی جوتے کا تسمہ کہتے ہیں۔ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء کو وینزویلا کے صدر ہوگو شاویز نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے اپنے خطاب میں جارج بش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیطان کا لفظ استعمال کیا تھا۔ انہوں نے مزید یہ کہا "کل یہاں شیطان آیا تھا اور ایسے بات کر رہا تھا جیسے وہ دنیا کا مالک ہو"۔ ۱۰ مارچ ۲۰۰۷ء کو ارجنٹائن کے شہر بیونس آئرس میں سامراج کے خلاف ایک ریلی سے خطاب کرتے ہوئے ہوگو شاویز نے صدر بش کو سیاسی لاش کہا تھا۔ امریکی وزیر خارجہ نے اپنی خجالت چھپاتے ہوئے منتظر الزیدی کے نفرت انگیز احتجاج کو عراق کی آزادی کہا تھا۔ صدر بش نے صرف اتنا کہا: اگر آپ حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ جوتے کا نمبر دس تھا، عراقی صحافی کیا چاہتا تھا میں نہیں جانتا۔ قصر سفید کا فرعون بش بہت اچھی طرح سے جانتا تھا کہ منتظر الزیدی مظلوم انسانیت کی آواز ہے اور سامراج کی خوں آشامیوں پر انسانیت کا گریہ، مظلومیت اور بے بسی کا شاہکار اور جبر کے سامنے سر جھکانے سے انکاری مزاحمت کاروں کا ترجمان۔ کیا منتظر الزیدی کی ٹوٹی ہوئی پسلیاں اور اس پر سفاکانہ تشدد کے نشانات آزادی کا مظہر ہیں؟

زندگی ماہ و سال کا نام نہیں، لمحوں میں ہوتی ہے زندگی۔ منتظر الزیدی نے تو وہ لمحہ رقم کر دیا جو امر ہو گیا اب چاہے اسے تختۂ دار پر بھی کھینچ دیا جاتا تو اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے تو امریکی سامراج کے منہ پر تھوک دیا اور اس کے بعد کئی افراد نے اس طریقے کو اپنا کر نفرت کا اظہار بھی کیا۔ یقیناً امریکی سامراج کی شام غریباں برپا ہونے والی ہے لیکن ہم آج بھی خوفزدہ ہیں۔ بھارتی اداکار شاہ رخ کو امریکی ہوائی اڈے پر دو گھنٹے روک لیا گیا جس کیلئے امریکا کو باقاعدہ معافی مانگنا پڑی، ہم نے نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے شرط رکھی کہ سلالہ پر ہمارے نوجوانوں کی شہادت پر معافی مانگی جائے لیکن غلاموں کی کون سنتا ہے۔ پارلیمنٹ کے توسط سے نیٹو سپلائی کھولنے کا تو ایک بہانہ ہے، معاملات تو پہلے ہی طے ہو چکے ہیں۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

زمانے والے جسے سوچنے سے خائف تھے وہ بات اہلِ جنوں محفلوں میں کرتے رہے

بروز بدھ ۳ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۵/اپریل ۲۰۱۲ء

نظریہ ضرورت سے نظریہ مجبوری تک

یہ دوسرے خلیفہ راشد کے دور کا واقعہ ہے، حکمران کلاس کی دو شخصیات کھانا کھا رہی تھیں، کھانے کے بعد دونوں حضرات خوش گپیوں میں مشغول ہو گئے، اتنے میں وہاں ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے دونوں حضرات میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا اور ذرا تیز سے لہجے میں بولا "یہ شخص میرا ملزم ہے، میں انصاف کے لئے دہائی دیتا ہوں" وہاں موجود دونوں حضرات میں سے نسبتاً طویل القامت شخص کے چہرے پر سختی آ گئی اور اس نے جلالی لہجے میں سامنے بیٹھے صاحب کو حکم دیا۔

"اے ابو حسن کھڑے ہو جائو"

ابو حسن کا چہرہ سرخ ہو گیا تاہم وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا،

فریادی کو عرض کرنے کا حکم دیا گیا، فریادی نے مقدمے کی تفصیل بتائی "ملزم" کو جواب دعویٰ کی اجازت دی گئی، دعویٰ اور جواب دعویٰ کا سلسلہ چلا تو چند ہی لمحوں میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا اور دعوے دار جھوٹا ثابت ہو گیا، طویل القامت شخص نے فریادی کو واپس جانے اور ابو حسن کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا، فریادی رخصت ہوا تو ابو حسن بیٹھ گئے اور خوش کلامی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا، طویل القامت شخص نے ابو حسن سے پوچھا "بھائی! میں نے جب آپ کو کھڑا ہونے کے لئے کہا تو آپ کا رنگ سرخ ہو گیا تھا، کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ کو میری کیا بات بری لگی؟" ابو حسن نے تبسم فرمایا اور حلیم لہجے میں بولا "امیر المومنین عربوں میں کنیت عزت اور ادب کے لئے بولی جاتی ہے، جب میرے خلاف مقدمہ دائر ہوا تو آپ کو مجھے ملزم سمجھنا چاہیے تھا، آپ پر لازم تھا آپ مجھے علی کہہ کر پکارتے لیکن آپ نے مجھے ابو حسن کہا، جس سے مجھے شک گزرا کہیں میری کنیت بلانے سے آپ کا انصاف مشکوک نہ ہو جائے اور فریادی یہ نہ سمجھ بیٹھے آپ نے میرے ساتھ رعایت برتی ہے" حضرت عمر اٹھے اور حضرت ابو حسن کو گلے لگا لیا۔

جی ہاں یہ دونوں حضرات عمر فاروق اور حضرت علی تھے۔ ذرا غور کیجئے اسلام کا نظام عدل کتنا سادہ، کتنا شفاف اور کتنا فوری تھا اور اس میں کوئی بھی فریادی، کسی بھی وقت، کسی کے بھی خلاف کسی بھی عدالت میں پیش ہو سکتا تھا اس کا "ملزم" خواہ حضرت علی جیسا جلیل القدر صحابی اور رسول ﷺ کے چچا زاد اور داماد ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ اس وقت امیر المومنین کے دستر خوان پر کیوں نہ بیٹھا ہو، وہ اسی وقت کٹہرے میں کھڑا تھا، اسی وقت پیشی ہوتی تھی، اسی وقت کیس دائر ہوتا تھا، ثبوت مانگے اور پیش کئے جاتے تھے، گواہیاں ہوتی تھیں اور فوراً فیصلہ سنا دیا جاتا تھا اور آخر میں ملزم اعتراض بھی کرتا تھا تو کیا خوب اعتراض کرتا تھا "حضور جب میں ملزم تھا تو آپ نے میرا نام عزت سے کیوں پکارا، یہ انصاف نہیں، یہ منصف کے شایان شان نہیں" واہ، واہ قربان جائوں سوہنے رب اور اس کے سوہنے نبی ﷺ کی تربیت پر اور اس تربیت سے جو انصاف نکلا تھا اس پر۔

دنیا کے ہر مذہب میں انصاف کا نظام موجود ہے لیکن اسلام دنیا کا پہلا مذہب تھا جس نے عدالت کا روایتی نظام توڑ دیا اور جس نے کہا تھا عدالت کے لئے عمارت کی ضرورت نہیں، انصاف کے لئے جج کے پاس کاغذ، قلم اور دوات کا ہونا بھی ضروری نہیں، جج کے لئے اوقات کار بھی اہم نہیں اور منصف کے لئے کسی لمبے چوڑے پیکیج کی بھی ضرورت نہیں "بس مدعی آئے، ملزم بلایا جائے، دونوں کے بیان اور گواہیاں ہوں اور اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ دے دیا جائے اور ہاں ملزم کون ہے اور دعویٰ کس نے دائر کیا تھا، یہ سوچنے اور یہ دیکھنے والا شخص جج نہیں ہو سکتا، یہ تھا اسلام کا نظام عدل، دنیا میں جب اسلام اور اسلام کے غلام چار براعظموں پر پھیل چکے تھے، اس وقت بھی فیصلے اسی قانون اور اسی اصول کے مطابق ہوتے تھے اور

خلفائے راشدین کے بعد بھی ایسے بیسیوں خلیفہ آئے تھے جنہیں قاضی نے نہ صرف کٹہرے میں لا کھڑا کیا بلکہ ان کے خلاف فیصلے بھی دیئے اور ان فیصلوں پر تین، تین براعظموں پر پھیلی سلطنتوں کے "مطلق العنان" حکمرانوں نے چوں تک نہ کی لیکن پھر وہی ہوا، یہ نظام عدل بھی اسلام کے دوسرے سنہری اصولوں کی طرح اہل مغرب کے پاس چلا گیا اور ہمارے پاس صرف عدالتیں، جج، ریڈر، ہرکارے، اہلمد، وکیل اور کتابیں رہ گئیں اور ہمارے مطلق العنان حکمرانوں نے ان کتابوں اور ان عدالتوں کا حلیہ بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔

عدلیہ کی بحالی کے بعد چیف جسٹس چوہدری افتخار صاحب اور ان کے ساتھی اپنی انتھک محنت سے عدلیہ کے مقام کو بحال کرنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں، پاکستانی عوام اس کو دل و جان سے سراہتی بھی ہے لیکن نجانے کیوں اب بھی وہ یاس اور ناامیدی سے نکل نہیں پائی ہے۔ موجودہ حکومت ایک عرصے سے اپنے امیج کو "قانون پسندی" کی شکل دینے کے لئے قوم کے سامنے کئی بار جھوٹے وعدے وعید تو کرتی ہے لیکن عملاً سب سے زیادہ اسی نے عدالتی فیصلوں کی توہین کی ہے اور اب بھی ڈھٹائی کے ساتھ عدالتوں کا مذاق اڑانے پر فخر محسوس کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محترم چیف جسٹس صاحب ایک نئے عدالتی پیکیج پر بھی غور کر رہے ہیں، یقیناً ملک میں نئی کورٹس بھی بننی چاہئیں، بار رومز میں بھی اضافہ ہونا چاہیے، ججوں کی تعداد بھی بڑھنی چاہیے، عدالتوں میں کمپیوٹرز کی بھی ضرورت ہے اور ججوں کے حالات کار بھی بہتر ہونے چاہئیں، ان میں ائیر کنڈیشنز بھی لگا دیں لیکن اسکے ساتھ ساتھ معاشرے کو بھی انصاف کی ٹھنڈی ہوا ملنی چاہئے۔ عدالتوں میں تاخیر سے عدل دلوں کو اس قدر کھٹک رہا ہے کہ عوام یہ سوچ رہے ہیں کہ کیا ان عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کیلئے ہم سے مزید قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے گا؟ سوال یہ ہے جس ملک کے نظام میں اتنی سکت نہ ہو کہ وہ حکومت کے ایک معمولی کارندے کو کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا تو سنا دے لیکن اس پر عملدرآمد کی بجائے ماچس کی ڈبی جتنا وزیر کھلم کھلا ان فیصلوں کی تضحیک کرتا رہے تو پھر پاکستانی عوام کس کے پاس فریاد لیکر جائیں؟ یقین کیجئے اس ملک کو کمپیوٹر اور عمارتیں نہیں چاہئیں، اسے اعتماد، جرأت اور فیصلوں پر عملدرآمد کی قوت چاہئے۔ کیا اس ملک کے نظام عدل کو نئی عمارتیں اور قیمتی کمپیوٹرز ٹھیک کر لیں گے؟ آپ بھی بڑے دلچسپ لوگ ہیں۔

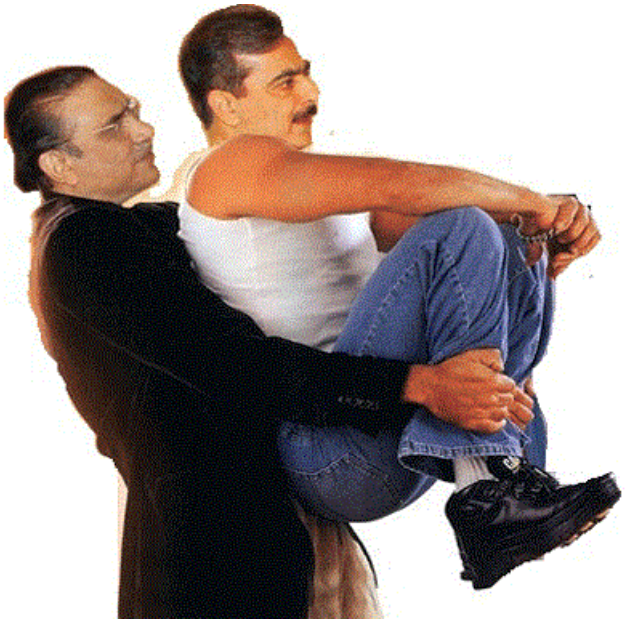

آپ نظام حکومت کو حضرت عمر جیسی جرأت اور حضرت علی جیسی نظر نہیں دے سکتے، نہ دیں لیکن آپ جو دن رات جمہوریت اور آئین کی بات کرتے ہیں کم از کم اسے امریکا اور یورپ جیسے ملکوں میں عدلیہ کے احکام پر عملدرآمد جیسی قوتِ نافذہ تو دیں۔ امریکا، یورپ، جاپان جہاں صدر ہو، وزیراعظم ہو، بادشاہ ہو، ملکہ ہو یا وزیر، عدالتیں انہیں طلب کرتے ہوئے دس منٹ دیر نہیں لگاتیں اور یہ لوگ بھی سر کے بل چل کر عدالت میں پیش ہوتے ہیں، اپنے خلاف فیصلے سنتے ہیں اور سزا بھی بھگتتے ہیں جبکہ ہمارے ملک کا وزیراعظم تیس سیکنڈ کی سزا بھگت کر سیدھا اپنی کابینہ کی صدارت اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں اپنی گھن گرج کے ساتھ سب کو چیلنج کرتا ہے کہ طاقت ہے تو مجھے نکال کر دکھاؤ! گویا موجودہ حکومت خود کو عدالتی فیصلوں اور انصاف سے بالاتر سمجھتے ہیں اور باقی تمام لوہاروں، ترکھانوں کو کچہریوں میں بلا کر ننگی زمین پر بٹھا کر ان کو عدالتی فیصلوں کے بعد جیلوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ہم جب بھی پاکستان میں ہونے والے جرائم پر تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں اس ملک میں ہونے والے ہر جرم کے ڈانڈے کسی نہ کسی شکل میں حکومت اور سلطنت کی ہٹ دھرمی سے ملتے دکھائی دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے جب تک سلطنت اور حکمرانوں کو عدالتی

فیصلوں کا پابند نہیں بنایا جاتا اس وقت تک ملک میں انصاف قائم نہیں ہو سکتا، انصاف ایک سوچ، فیصلے پر عملدر آمد کی ایک آزادی کا نام ہوتا ہے اور جس ملک میں فیصلے پر عملدر آمد کی آزادی اور انصاف کرنے کی سوچ موجود نہ ہو وہاں آپ ججوں کی تعداد میں پانچ سو گنا اضافہ کر دیں اور وہاں آپ سارے ملک کی عمارتوں میں بھی عدالتیں قائم کر دیں اور اس ملک کے تمام منصفوں کو کمپیوٹر کی فیکٹریاں بھی لگا دیں تب بھی معاشرے میں انصاف قائم نہیں ہو گا کیونکہ انصاف، انصاف ہوتا ہے، یہ دکان، فیکٹری یا دفتر نہیں ہوتا۔ موجودہ حکومت نے اس ملک میں انصاف کو روندنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی چنانچہ محسوس ہوتا ہے آج جب حضرت عمر اور حضرت علی جیسے اکابرینِ اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک کی صورتحال کو دیکھتے ہوں گے تو انہیں ہماری حالتِ زار پر دکھ ہوتا ہو گا اور وہ سوچتے ہوں گے جس اسلام نے دنیا میں عدل کی بنیاد رکھی تھی آج اس اسلام کے ماننے والوں کے ملک میں عدالتی فیصلوں کا کیسا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ آج دنیا اس اسلام کے ماننے والوں کے نظام حکومت پر ہنس رہی ہے۔ ذرا سوچئے! یہ سوچ کر ہمارے اکابرین کو کتنا دکھ ہوتا ہو گا۔ کیا نظریہ ضرورت اب نظریہ مجبوری بن گیا ہے؟

بروز ہفتہ ۶ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۸/اپریل ۲۰۱۲ء

کس قانون کے تحت مستثنیٰ ہیں؟

ہونی ہو کر رہتی ہے۔ جو پیشانی میں ہے، اسے پیش آنا ہے۔ جو کاتب تقدیر نے لکھا ہے اسے پورا ہونا ہے۔ خیر یا شر۔ برا یا بھلا۔ جو کچھ بھی آنے والے ایک پل کے پردے میں چھپا ہے۔ پل گزرتے ہی سامنے آجانا ہے۔ اگلے پل کے پیچھے کیا چھپا ہے، کیا سامنے آئے گا۔ پچھلے پل کا تسلسل یا اس کے بالکل برعکس۔ کون جانے، کس کو معلوم؟

انسان کے بس میں کب کچھ ہے۔ جو کچھ ہے سلطان کے بس میں ہے۔ جو رحمان و رحیم بھی ہے، قہار و جبار بھی۔ لیکن کیا واقعی ایسا ہے۔ کیا کوئی کاٹھی نہیں، جو وقت کے بے لگام گھوڑے پر ڈالی جا سکے۔ کوئی لگام نہیں جو اس گھوڑے کا منہ موڑ دے۔ کیا کوئی چابک نہیں جو اس اڑیل کو صحیح سمت میں رواں رکھ سکے۔ کیا کوئی رکاب نہیں جو سوار کو سواری کی پیٹھ سے چپکا سکے۔ اسے اوندھے منہ گرنے سے بچا سکے۔

نہیں ایسا نہیں ہے۔ رب رحمان نے انسان کو سمجھایا کہ ہونی ہو کر رہتی ہے۔ جو پیشانی میں ہے اسے پیش آنا ہے۔ کاتب تقدیر نے لکھا ہے اسے پورا ہونا ہے۔ لیکن ہونی کیا ہے۔ پیش کیا آنا ہے۔ کاتب تقدیر نے کیا لکھا ہے۔ سوائے اس کے کہ "بما کسبت ایدیھم"۔ جو کچھ تم نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہے۔ اس نے راستے دکھائے ہیں۔ "ھدینہ النجدین"۔ بھلائی اور برائی کے راستے۔ اس نے تو سمجھایا ہے۔ "فالھمھا فجورھا وتقواھا" ۔ ہم نے الہام کیا ہے، برائی کا بھی، بھلائی کا بھی۔ اس نے تو بار بار یاد دلایا ہے۔ "قدافلح من زکھا وقدخاب من دسھا" اس نے تو وعدہ کیا ہے۔ "لا یضیع عمل عامل منکم" (وہ کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا)۔ اور پھر اس نے کہا ہے تول لیا جائے گا تمہارا ہر عمل اچھا یا برا، چھوٹا یا بڑا۔ اور فیصلہ کر دیا جائے گا تمہارے فلاح یا خسارے کا۔ اس نے انسان کو متنبہ کیا ہے۔ "وقت کی قسم تمام انسان خسارے میں ہیں۔" "اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس خسارے سے کیسے بچا جائے۔ اس نے وقت کا منہ زور گھوڑا ہی تخلیق نہیں کیا۔ اس نے کاٹھی بھی دی ہے، لگام بھی۔ چابک بھی دی ہے، رکاب بھی۔ ایمان کی کاٹھی۔ عمل صالح کی لگام۔ تواصی حق کی چابک اور تواصی صبر کی رکاب۔ تاریخ سے پوچھ کر دیکھئے ۔ کون ہے جس نے وقت کے بے لگام گھوڑے کو قابو کرنے کے لیے ان اجزاء کو استعمال کیا ہو، اور ناکام رہا ہو۔ کون ہے جس نے ان اجزاء سے دامن چھڑایا ہو اور کامیاب ہوا ہو۔

حضرت عمر نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے ایسی روایت قائم کی جس کی بعد کے ادوار میں بھی عدالت کی آزادی برقرار رہی اور بادشاہوں، گورنروں اور دوسرے حکمرانوں کو عدالت کے سامنے عام شہریوں کی طرح پیش ہونا پڑا۔ یہاں ہم اسلام کے ابتدائی دور سے صرف ایک مثال پیش کریں گے۔ کوفہ میں عدالت کا اجلاس ہو رہا تھا اور قاضی شریک بن عبداللہ مقامات کی سماعت فرما رہے تھے۔ ایک بڑھیا قاضی کے سامنے پیش ہوئی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا باغ تھا جو مجھے ورثے میں ملا تھا۔ میں نے اپنے حصے کو اپنے بھائیوں کے باغ سے علیحدہ کرنے کے لئے دیوار بنالی۔ کچھ عرصہ بعد گورنر موسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصے کا باغ خرید لیا اور میرے حصے پر حریفانہ نظریں گاڑ دیں۔ چنانچہ اس نے مجھے برملا باغ فروخت کرنے کا کہہ دیا۔ لیکن میں نے اس کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک دن گورنر موسیٰ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر آیا اور اس نے دیوار کو گرانے کا حکم دیا جو میں نے تعمیر کی تھی۔ بزرگ خاتون نے کہا کہ "اے قاضی! میں اب تیرے پاس اپنا حق لینے آئی ہوں اور یہ اعلان عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر کرتی ہوں کہ اپنا باغ گورنر موسیٰ کے ہاتھ ہرگز ہرگز فروخت نہیں کروں گی"۔

قاضی شریک نے ایک سمن پر مہر لگا کر عدالت کے غلام کو دی اور کہا کہ گورنر موسیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آئو۔ غلام جب یہ سمن لے کر گورنر کے پاس حاضر ہوا اور اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ یہ فقرہ سن کر لال پیلا ہو گیا اور غصے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ اس نے اسی وقت اپنے باڈی گارڈ افسر کو قاضی کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ ایک معمولی عورت کے جھوٹے دعوے کو تسلیم کر کے تم مجھے عدالت بلا رہے ہو۔ تمہیں میرے منصب کا کچھ تو لحاظ ہونا چاہئے۔ قاضی نے گورنر کے باڈی گارڈ افسر کو جیل میں ڈال دیا۔ گورنر کو جب پتہ چلا تو وہ سیخ پا ہو گیا اور اس نے اپنے سیکرٹری کو قاضی کے پاس احتجاج اور گارڈ افسر کی رہائی کے لئے بھیجا۔ قاضی نے اسے بھی گارڈ افسر کے ساتھ جیل میں بند کر دیا۔ شام کو گورنر نے اعلیٰ افسران اور قاضی کے دوستوں کی ایک ٹیم کو قاضی کے پاس روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ قاضی نے گورنر کی توہین کی ہے۔ یہ معززین شریک قاضی کے پاس پہنچے اور گورنر کا پیغام پہنچایا تو قاضی نے گورنر کے پیغام کو ٹھکرا دیا اور معززین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھے ایسی بات کہنے آئے ہو جس کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ پھر اس نے غلام کو آواز دی اور کہا انصاف کے راستے میں رکاوٹ بننے کی پاداش میں ان لوگوں کو جیل میں ڈال دو۔ گورنر موسیٰ کو جب قاضی شریک کی اس بات کا پتہ چلا تو وہ غصے سے لال بھبوکا ہو گیا۔ فوراً اپنا گھڑ سوار دستہ لے کر جیل خانے گیا اور داروغہ جیل سے اُن تمام قیدیوں کو رہا کروا دیا۔ اگلے روز صبح قاضی عدالت لگائے بیٹھا تھا کہ داروغہ جیل حاضر ہوا اور گزشتہ روز کی ساری روئیداد سنائی۔

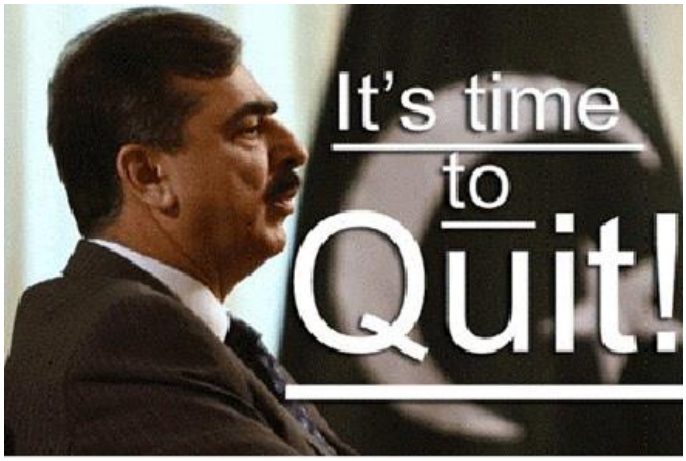

قاضی صاحب نے جونہی یہ سنا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور یہ تاریخی الفاظ کہے "بخدا! ہم نے یہ منصب امیر المومنین سے مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود زبردستی یہ کام ہمارے سپرد اس شرط پر کیا تھا کہ وہ یا اُن کا کوئی اہلکار عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کرے گا۔ آج یہ مداخلت ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ منصب ابھی اور اسی وقت واپس جا کر امیر المومنین کو لوٹا دوں گا۔ جب گورنر کو معلوم ہوا کہ قاضی شریک امیر المومنین مہدی کے پاس بغداد واپس جا رہے ہیں تو اس نے قاضی صاحب کو راستے میں جا لیا اور لگامنت سماجت کرنے اور اُن سے کہا کہ آپ اپنے فرائض پہلے کی طرح ادا کرتے رہیں۔ قاضی نے کہا کہ جب تک وہ سارے افراد جیل نہ پہنچا دیئے جائیں جو تم نے گزشتہ شب زبردستی جیل سے رہا کروائے تھے اس وقت تک میں واپس نہیں جائوں گا۔ گورنر نے اسی وقت اُن سب لوگوں کو جیل میں پہنچانے کے احکامات جاری کئے۔

قاضی نے غلام کو حکم دیا کہ گورنر کے گھوڑے کی لگام پکڑو اور انہیں میرے پاس میری عدالت میں حاضر کرو۔ جب دوبارہ عدالت لگی تو قاضی نے گورنر سے پوچھا کہ خاتون نے جو دعویٰ دائر کیا ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ گورنر نے جواب دیا۔ یہ بالکل درست کہتی ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ آپ نے جو دیوار گرائی ہے ویسی ہی نئی دیوار بنوا دیجئے اور آئندہ اس خاتون کو بالکل تنگ نہ کیجئے۔ بڑھیا یہ فیصلہ سن کر قاضی کو دعائیں دیتی چلی گئی۔ اسلامی تاریخ عدل و انصاف کے اس واقعے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ منصب کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو، وہ عدالت کے سامنے جوابدہ ہے۔ نیز انتظامیہ کو عدالتی معاملات میں مداخلت کا ہرگز کوئی حق نہیں۔ نیز انتظامیہ کو عدالتی معاملات میں مداخلت کا ہرگز کوئی حق نہیں۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کا جو عظیم کارنامہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب نے انجام دیا تھا اسے انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے اور مغرب میں بھی اُن کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارا معاملہ عجیب ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ "تمنا برق کی رکھتا ہوں اور افسوس حاصل کا"۔ سمجھانے والے سمجھاتے رہ جائیں۔ راہ دکھانے

والے راہ دکھاتے رہ جائیں۔ ہم کسی کی کب سنتے ہیں۔ ہم کہ عقل کل ٹھہرے، کب کسی کی مانتے ہیں۔ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن نہ اس کے دین کو مانتے ہیں نہ یوم الدین سے ڈرتے ہیں۔ ہم قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، لیکن اس سے ہدایت نہیں لیتے۔ ہم نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں، لیکن ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ ہم اپنے آپ کو اعتدال پسند، روشن خیال اور جمہوریت کے شیدائی کہتے نہیں تھکتے، لیکن اپنے رویوں میں انتہا پسندی، تاریک خیالی، اور آمریت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کو سپریم ادارہ کہتے ہوئے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر خود کو ہر عدالت سے استثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ یاد رکھیں یہ ملک اللہ تعالیٰ کے نام پر بنا ہے اور ہمارے آئین میں بھی اللہ کو سپریم طاقت مانا گیا ہے اور اللہ کے ہاں تو کسی کو بھی استثنیٰ حاصل نہیں تو آپ کس قانون کے تحت مستثنیٰ ہیں؟

بروز منگل ۹ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ یکم مئی ۲۰۱۲ء

شبِ آوارہ کو پابندِ سحر کرنا ہے

جنگ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے، جنگ تباہی لاتی ہے، بربادی لاتی ہے، آرزوں اور خوابوں کو قتل کرتی ہے، زمین کی کوکھ اجاڑتی ہے قبرستان آباد کرتی اور جینے کو مار دیتی ہے۔ جنگ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھتی۔ ہر سانس میں زہر بن کر اترتی اور اسے مٹی میں ملا دیتی ہے۔ کھیت کھلیانوں کو جلا کر بھسم کر دیتی اور شہروں کو برباد کرتی ہے۔ بارود بے حس ہوتا ہے، بے شعور ہوتا ہے، وہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتا، اس کا کام تباہی پھیلانا ہے۔ وہ موت بانٹتا ہے۔ آگ تو پھر آگ ہی ہے۔ جلا دینا اس کا کام ٹھہرا۔ جنگ نسلوں کو برباد کرتی، بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کرتی ہے۔ جی جناب! جہاں بم گریں وہاں زمین سبزہ و گل سے محروم ہو جاتی ہے، جنگ قحبہ گری اور افلاس لاتی ہے۔ انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرتی ہے۔ جنگ خونخواروں کی آرزو ہے۔ جنگ بے حسوں کا خواب ہے۔ جنگ مردم بیزار لوگوں کا جنون ہے۔ جنگ خوابوں کا مقتل ہے۔ جنگ کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ وہ بھوک و افلاس، معذوری اور دکھ لاتی ہے، خوشیوں سے محروم کرتی اور امیدوں کو دفن کرتی ہے۔ جنگ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔

ہم سب کو پرامن رہنا چاہیے۔ امن خوشیوں کی نوید ہے، امن نغمۂ مسرت ہے، امن مژدۂ جاں فزا ہے، امن خواب ہے اور امن تعبیر بھی.....

آرزوں اور امنگوں کا موسمِ بہار ہے امن۔ امن ہی شرفِ انسانیت ہے، امن راحتِ جاں ہے، امن چین کی بانسری ہے، لے ہے، شہنائی ہے امن .....پرسکون نیند ہے امن۔ امن ہی انسانیت کی ضرورت ہے۔ امن ضروری ہے، از بس ضروری.....سانس کی طرح، جس سے تارِ زندگی بندھا ہوتا ہے۔ امن ہی گیت ہے اور امن ہی سنگیت.....بس امن۔ لیکن میرے یہ خوبصورت الفاظ، میرے خوبصورت خواب، شاعروں کے نغمے، ان کے لکھے ہوئے گیت، لکھاریوں کے افسانے، ہم سب کی آرزوئیں اور امنگیں، شعراء کی غزلیں اور نظمیں جنگ کو روک سکتی ہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر مجھے یہ سب کچھ کرنا چاہیے؟ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے۔ جب میں ظالم کو ظالم کہوں گا تو کیا جنگ نہیں ہو گی؟ اور اگر میں جنگ کے خوف سے ظالم کو ظالم کہنا چھوڑ دوں تو پھر سماج کیسا ہو گا؟ کیا زندگی صرف سانس کی آمد و رفت کا نام ہے؟ ایسے میں پھر ہم کیا کریں؟ اور اگر باہر سے امن اور میرے اندر جنگ شروع ہو جائے تب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ابھی پچھلے دنوں برطانیہ میں اسلحہ کی نمائش دیکھی تھی جس کا عنوان تھا اسلحہ برائے امن۔ کیا اسلحہ امن کے لیے ضروری ہے؟ سوالات کا ایک انبار ہے، اور جواب بھی شاید ہوں..... لیکن وہ جوابات ان سوالات کو آسودہ کر سکتے ہیں؟ پوری دنیا پر زر پرست امن دشمنوں کا راج ہے جو صرف اپنے مفادات کے اسیر ہیں۔ انسان طاقت ور کیوں ہونا چاہتا ہے؟ واصف علی واصف نے لکھا ہے: طاقت ایک مبہم لفظ ہے۔ اس کے معنی صرف استعداد یا قدرت ہی کے نہیں.....اس کا مفہوم خوف پیدا کرنا بھی ہے۔ اگر خوف زدہ انسان بے خوف ہو جائے تو طاقت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے، طاقت دراصل خوف کی حدود میں بادشاہی کرتی ہے، لاخوف کے مدار میں طاقت کا گزر ممکن نہیں۔ طاقت جسے خوف زدہ کرنا چاہتی ہے دراصل خود اس سے خائف ہوتی ہے۔ طاقت انسان کو اپنے قد، اپنی حد سے باہر نکل کر دوسروں کو پست قامتی پر مجبور کرتی ہے۔ لوگ اپنی دولت، اپنا وقت، اپنی عمر اور اپنی عاقبت خراب کر کے بھی دوسروں کو خوف زدہ کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اگر خوف پیدا کرنے کے عمل کو ترک کر دیا جائے تو یہ دنیا جنت بن سکتی ہے۔

اپنے اسلحے کی فروخت کے لیے پوری دنیا جنگی جنون میں مبتلا کر دی گئی ہے۔ نظامِ زر طاقت کے ذریعے انسانیت کو زیر کرنا چاہتا ہے۔ کشمیر، افغانستان عراق، فلسطین، بوسنیا، نجانے کہاں کہاں طاقت کے اندھے اپنی لاٹھی گھما رہے ہیں۔ جب طاقت ور جمع ہو جائیں تو مظلوموں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا

امن کا گیت گانے اور امن کی فاختائیں اڑانے سے طاقت ور اپنی درندگی سے باز آجاتے ہیں؟ مظلوموں کو خاموشی سے طاقت کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے؟ کیا موم بتیاں لے کر امن کا گیت گانے سے امن ہو جاتا ہے؟ بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب اہلِ دانش و بینش ہی دے سکتے ہیں، میں تو نہیں۔ جنگ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ جنگ تباہی لاتی ہے، بربادی لاتی ہے، آرزوں اور خوابوں کو قتل کرتی ہے لیکن میرے یہ خوبصورت الفاظ، میرے خوبصورت خواب، شاعروں کے نغمے، ان کے لکھے ہوئے گیت، لکھاریوں کے افسانے، ہم سب کی آرزوئیں اور امنگیں، شعراء کی غزلیں اور نظمیں جنگ کو روک سکتی ہیں؟

امریکا میں پاکستانی سفیر شیری رحمان کی ارسال کردہ رپورٹ پر غور کرنے کیلئے ۲ مئی بدھ کی شام پاک امریکا تعلقات کی بحالی کیلئے ایوان صدر میں صلاح و مشورے کیلئے تمام اسٹیک ہولڈر سر جوڑ کر بیٹھے لیکن کیا کریں نمک کی کان میں جا کر سب نمک ہی تو بن جاتے ہیں۔ شیری رحمان جو مسلسل پاکستانی قیادت کے سامنے دہائی دے رہی ہیں کہ امریکی حکومت اس وقت خاصے اشتعال میں ہے کہ ایران کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کی بجائے "وزارتِ خارجہ کا پاکستان ایوان ہائے صنعت و تجارت کو یہ خط بھی کہ پاکستان امریکی پابندیوں پر عملدرآمد کا پابند نہیں اور مزید برآں نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے پاکستان معافی کے بغیر بات چیت نہیں کرنا چاہتا "بھڑکتی آگ پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے خصوصاً گر اس مین کو دوٹوک جواب سے امریکی سخت غصے میں ہیں اور امریکی حلقوں میں کہا جارہا ہے کہ پاکستان امریکی مسائل کا ادراک کئے بغیر دانستہ طور پر سپلائی میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ یہ صورتحال جاری رہی اور ان گرمیوں میں سپلائی بحال نہ ہو سکی تو امریکا کو افغانستان سے نکلنے میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موصوفہ یہ کہہ کر قیادت کو اور خوفزدہ کر رہی ہیں کہ پاکستان کو امریکا کی ناراضگی سے بچنے کیلے فوری کوئی راستہ نکالنا ہوگا وگرنہ امریکی کانگرس پاکستان پر پابندیاں لگا سکتے ہیں۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے ایک رکن مجلس نے یہ مشورہ دیا کہ امریکا اگر واضح اور دوٹوک معافی پر آمادہ نہیں ہوتا تو بجٹ سے قبل امداد کی خاطر کوئی مبہم اور "وِن وِن پوزیشن" والی معافی قبول کر لی جائے۔ جونہی گول مول معافی کی تجویز سامنے آئی تو عسکری قیادت نے فوری طور پر یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس سے نہ صرف قوم میں بے اطمینانی بلکہ اسے شکست تسلیم کرے گی اور فوج کے مورال پر بھی شدید منفی اثر پڑے گا، معافی اور ڈرون حملوں کی بندش کے معاملے پر کور کمانڈرز پہلے ہی اپنی رائے دے چکے ہیں کہ معافی سے کم پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا لہٰذا امداد اور پابندیوں سے ماورا ہو کر قومی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے۔ لہٰذا اگر قصر سفید کا فرعون معافی نہیں مانگتا تو پاکستان کو اب اس معاملے پر مزید بات چیت کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور جمہوری حکومت کا یہ فرض ہے کہ آپ پارلیمنٹ کو سپریم ادارہ سمجھتے ہیں اس لئے جب تک امریکی پاکستانی پارلیمنٹ کی سفارشات کے پیرامیٹر میں رہ کر بات نہیں کرتے کسی بھی امریکی شخصیت کو پاکستان میں خوش آمدید نہ کہا جائے۔ عسکری قیادت نے امریکی صدر اوبامہ کی طرف سے نیٹو سربراہی کانفرنس میں شمولیت کے خصوصی دعوت نامے کو بھی مسترد کرنے کا مشورہ دیا جبکہ ایوانِ صدر کی رائے اس سے مختلف ہے۔

عسکری قیادت کی طرف سے تمام مغربی سفیروں کی موجودگی میں ۳۰/

اپریل کو سلالہ حملے کی ویڈیو دکھا کر امریکا اور مغربی قوتوں کو یہ واضح پیغام دے دیا گیا تھا کہ پاکستان سلالہ حملے کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اب دیکھیں آئندہ دنوں میں کیا ہوتا ہے؟

کمزور بھی نہیں رہیں گے اور طاقت ور بھی۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

شبِ آوارہ کو پابندِ سحر کرنا ہے
جی میں ٹھانی ہے کہ اک خواب کو سر کرنا ہے

بروز ہفتہ ۱۳ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۵ مئی ۲۰۱۲ء

کیا زندگی آسان ہو گئی؟

مجھ جیسے کم علم اور بے عمل کے لیے تو یہ بہت مشکل ہے۔ یہ جو میں نے کم علم لکھا ہے اس میں بھی ایک عیارانہ عاجزی ہے، علم اور میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چلیں یہ فضول بحث چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے بابے نے ایک دن کہا: بحث ہمیشہ کم علمی کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔ روشنی اور تاریکی کیا محتاجِ بحث ہیں؟ دن اور رات پر کیا بحث کریں، نیکی اور بدی پر کیا بات کریں۔ ہمیشہ سے شیر چیرتا پھاڑتا آیا ہے تو اس پر کیا دانش وری کی جائی، غلامی کی نفسیات پر تو بحث کی جا سکتی ہے اور جو ذہنی غلامی ہے اس پر..... دور جدید کی ایجادات نے زندگی آسان کر دی ہے اور انسانیت کے لیے مغرب کا عظیم تحفہ دور جدید کی ایجادات ہیں۔ یہی سنتا ہوں میں ہر جگہ ہر تقریب میں۔ کتنا مشکل تھا تاریکی کو روشن کرنا لیکن یہ جو بجلی ہے کتنا آسان کر دیا اس نے جینا۔ کیا واقعی آسان کر دیا ہے اس نے زندگی کو؟

مجھے اس کا جواب ملتا بھی ہے اور نہیں بھی۔ ادھورا جواب مطمئن نہیں کرتا۔ چلئے مان لیتے ہیں زندگی ایجادات کے دم سے آسان ہو گئی تو پھر اس پر کب بات کریں گے کہ انسان کو اس کی کیا قیمت ادا کرنا پڑی، اپنے کن اوصاف سے محروم ہونا پڑا؟ ایک دن میں نے ان سے سوال کیا: یہ آپ کو اندھیرے میں بھی ہر شے کیسے روشن نظر آجاتی ہے؟ تو مسکرا کر کہنے لگی: بلی سے ہی پوچھ لیتے یہ سوال کہ اسے تاریکی میں کیسے نظر آتا ہے۔ میں نے ضد کی تو کہنے لگے یہ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ تاریکی میں رہنا شروع کر دو، رب سے تعلق جوڑ لو تو اندھیرا بھی روشن ہو جائے گا۔ رب نے بندے میں کائنات چھپائی ہوئی ہے، اسے دریافت کر لو دنیاوی محتاجی سے آزاد ہو جاؤ گے۔ اب آپ مجھ سے کہیں گے کیا بے پر کی اڑا رہے ہو۔ ٹھیک ہے آپ کی بات۔ ہر ایک کا تجربہ مختلف جو ہوتا ہے۔

ایک دن ایک نوجوان طالب علم نے ٹی وی پر بحث کے دوران جو اس بات پر ہو رہی تھی کہ ایجادات نے زندگی آسان کر دی، زبردست بات کہہ دی کہ اگر بجلی نہ ہوتی تو انسان فطرت پر جینا سیکھتا، نظامِ زر نے ایجادات کے بدلے انسان کی فطری صلاحیتوں کو مار ڈالا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ تب میں نے پوچھا یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ آپ نہیں سمجھیں گے۔ لیکن پھر بھی میں نے کہا۔ تب اس نے کہا انسان کے لیے اشیا کو مسخر کیا گیا ہے اور المیہ یہ ہو گیا کہ اشیا نے انسان کو مسخر کر لیا، عجیب سی بات ہے ناں یہ۔ اس بحث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر اس پر بات کریں تو پسماندہ اور دقیانوسی کہلانے سے ہماری جان جاتی ہے۔ اس دھوکے میں پڑے رہیں تو اچھا ہے کہ زندگی آسان ہے۔

ایک دن میرے ساتھ ہسپتال میں جاتے ہوئے حکیم صاحب گاڑی میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے تشویش ہوئی تو ان کی طرف دیکھے بغیر ان کی خامشی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ ہیں کل رات سے کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا.....؟. میں نے پوچھا۔ بس ایک بات۔ میں آپ کی مدد کروں؟ نہیں شکریہ، وہ پھر کہیں کھو گئے۔ مجھے الجھن ہونے لگی کہ گزشتہ رات سے کچھ الجھے اور پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ تو میں نے پھر کہا کیا سوچ رہیں ہیں، مجھے بھی تو معلوم ہو کچھ؟ اچھا یہ بتائیے..... اللہ نے کائنات بنائی اور اس میں اتنی ساری مخلوقات بنائیں اور سب کی روزی روٹی کا بندوبست کیا، اب تک میں نے نہیں سنا کہ جانور پرندے کیڑے مکوڑے بے روزگار ہو گئے ہیں۔ بھوک سے خودکشی کر رہے ہیں اور انسان اشرف ہے ان سب میں اور وہ بھوکا ہے، ننگا ہے، خودکشی کر رہا ہے، مر رہا ہے۔ اب اصل سوال یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو ہی روزی رزق کے جنجال میں کیوں ڈالا؟ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

اور کچھ؟ میں نے پوچھا۔ اب خود دیکھو کسی جانور کو دیکھا ہے کہ وہ کسی فیکٹری میں کام کے لیے جاتا ہو، بس اسٹاپ پر کھڑا ہو کہ آج دیر ہو گئی باس

بہت ڈانٹے گا۔ یہ سارا روگ آخر انسان ہی کو کیوں لگا ہوا ہے؟ پرندے مسکراتے ہیں، چہچہاتے ہیں خوش ہیں اور انسان.....اس سوال کا جواب ہے میرے پاس میں نے کہا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بولے وہ کیا؟ دیکھئے یہ بھی میں نے اوائل عمری میں اپنے ایک بابا سے پوچھا تھا تو وہ مسکرائے تھے اور بتایا تھا مالک نے سب مخلوق کے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ انسان کے لیے بھی آسمان سے پکا پکایا مرغ مسلم آتا تھا۔ تب انسان نے اپنی تگڈم لڑائی اور کہنے لگا میں تو خود بنا کر کھانا چاہتا ہوں تو اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ اب یہ جو کچھ بھی آپ دیکھ رہیں ہیں، انسان کا خود کیا دھرا ہے۔ اللہ نے تو ظلم نہیں کیا، بندہ خود پر ہی ظلم کرتا ہے، بس کر بیٹھا۔

یہ جو یہودی ہیں، یہ تھے وہ جنہوں نے دعا مانگی تھی۔ اب پوری انسانیت ان کے جرائم ان کی سرکشی کی وجہ سے بھوک کا شکار ہے۔ یہ جو ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں یہ ہیں اصل مجرم انسانیت کی مجرم۔ جہاں پر پانی بھی بوتلوں میں بند کر کے بیچا جا رہا ہو، گمراہ کن پروپیگنڈا کر کر کے، تو اس میں اب خالق سے کیا گلہ..... حکیم صاحب میرا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور ہاں اتنی دیر میں ہم ہسپتال بھی پہنچ گئے۔ کچھ دیر رکے اور پھر گھر جانے کی اجازت لیکر رخصت ہو گئے۔ میں نے کافی روکا کہ "امشب قیام کرلو دعائیں دے گا غریب خانہ "لیکن نہیں مانے۔ تب شام کو ان کا فون آیا، صحیح کہا تھا بابے نے بالکل ٹھیک.....! ایسا ہی ہے۔ انسان انسان کا ویری ہے دشمن ہے۔ اللہ نے تو آسانیاں دی تھیں ہم نے خود پر ظلم کیا۔ یہ جو میں روز جمہوریت کی، آمریت کی، سیکولرازم کی، سوشلزم وغیرہ وغیرہ کی برکات سنتا ہوں تو مجھے بہت ہنسی آتی ہے۔ رب نے ایک نظام دیا، اسے اپنا لینا چاہیے تھا۔ ہم نے اپنی تگڈم لڑائی اور خود ایک نظام لے بیٹھے۔ اب تو اس کے کانٹے ہمیں بے حال کیے دیتے ہیں، ہمیں نڈھال کیے ہوئے ہیں۔ اب بھی ہم رب سے رجوع نہیں کرتے، بار بار انسان کے بنائے ہوئے نظام کی برکات گنواتے ہیں۔ نتیجہ بھی دیکھتے ہیں اور باز بھی نہیں آتے۔ اب کیا کہا جائے اس پر۔ بس ایک ہی حل ہے۔ بندہ خود کو مکمل طور رب کے حوالے کر دے، اپنا سب کچھ اس کے تابع کر دے۔

لیکن کیسے؟ میں اپنی انا سے دست بردار کیسے ہو جاؤں.....؟ یہ انا ہی تو ہے جو دن رات میرے وجود، میرے عہدے، میرے اختیارات کو سب سے برتر جانتے ہوئے مجھے اقتدار سے چمٹے رہنے کا سبق دے رہی ہے اور یہیں کسی کو اختیار میں ہی نہیں لا رہا اور اب بھی بضد ہوں کہ مجھے اور میرے صدر کو استثنیٰ حاصل ہے۔ مجھے اپنے پڑوسی بھارت کو ہر حال میں دوست بنانا ہے چاہے اس کیلئے مجھے اپنے ملک کا سارے دریاؤں کا پانی بھی کیوں نہ قربان کرنا پڑ جائے، اس کی ساری معیشت کا بیڑہ غرق ہوتا ہے تو مجھے کیا؟ ایک لاکھ سے زائد کشمیریوں نے اپنی آزادی کیلئے جانیں محض اس لئے قربان کر دیں کہ وہ اپنے وجود کو پاکستان کا حصہ سمجھتے ہی تو اس میں میرا کیا دوش! مجھے ہر حال میں نیٹو کی سپلائی کھولنے کی فکر ہے اسی لئے تو انہوں نے بھی عدالت کے فیصلے کے باوجود میری حمائت جاری رکھی ہوئی ہے۔ ملکی خزانے کو لوٹنے کا میرا اور میرے اہل وعیال کا پورا حق ہے کہ میں منتخب جمہوری سربراہ ہوں آخر مجھ سے پہلے بھی تو سب یہی کام کرتے آئے ہیں! میرے صدر کے سوئس اکاؤنٹ میں چھ کروڑ ڈالر ہیں تو پھر کیوں سارے ملک کی اسمبلیوں نے انہیں صدر اور مجھے وزیر اعظم منتخب کیا تھا؟ ہم جمہوریت کے بل بوتے پر ہی تو یہ سب کچھ اپنا استحقاق سمجھتے

ہیں۔

یہ تو میں نہیں جانتا البتہ آپ اپنے اندر کے بابے کو کچھ دیر کیلئے سلادیں اور حاضر و موجود سے بھی استفادہ کریں۔ پون گھنٹہ یہی موضوع زیر بحث رہا ۔خوشیاں منایئے دورِ جدید کی ایجادات پر۔ انسانوں پر مسلط انسانوں کے بنائے ہوئے نظام کی خوبیاں بیان کیجیے۔ دھوکے پر دھوکا کھایئے اور بغلیں بجایئے۔ میری ایسی ہی گفتگو تو آئندہ بھی جاری رہے گی۔ کچھ بھی تو نہیں رہا ہے اور نہ ہی کچھ رہے گا۔ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔ دیکھئے کہیں بجلی تو نہیں چلی گئی آپ کے ہاں ؟۔ بس نام رہے گا میرے رب کا۔

بروز منگل ۱۶ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۸ مئی ۲۰۱۲ء

دوستی کا بندھن

چلئے آج لمبی چوڑی کہانی کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ پچھلے دنوں جو کچھ میں نے پڑھا اور سنا آپ سے کہہ سن لیتا ہوں۔ جرأت بھی، دل سوزی، شفقت اور رحم دلی کی طرح انسانی معراج کا ایک زینہ ہے۔ آج تک کوئی جرأت اور بہادری کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکا۔ جرأت اس تین منزلہ مکان کا نام ہے جس کے اندر انسان بستا ہے۔ انسانی وجود کے مکان کے تین حصے ہیں: پہلا جسمانی دوسرا ذہنی اور تیسرا روحانی۔ ان تینوں حصوں یا منزلوں کا ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی کا آگے بڑھنا اور اس کا نشو و نما پانا ناممکن ہے۔ جرأت آپ سے تقاضا کرتی ہے کہ آپ اپنے اور دوسروں کے حقوق کے لیے کھڑے ہو جائیں اور انہیں منوانے کے لیے سینہ سپر ہوں۔ جرأت آپ کو مجبور کرتی ہے کہ آپ اپنے آپ کو، اپنے معاشرے کو، اپنے ملک کو تعمیر کرنے کے لیے سختی اور شقاوت کی بجائے محبت و شفقت سے کام لیں، تشکیک کی بجائے ایمان کے اندر زندہ رہیں۔ مایوسی کے مقابلے میں امید کے سہارے مشکلات کے نیچے دبنے کے بجائے ان پر حاوی ہو کر خود اعتمادی کی جرأت پیدا کریں۔ غلطیاں تسلیم کرنے کی جرأت اور خود کو کامل نہ پا کر رونے بسورنے سے احتراز۔ یہ ہیں صحیح جرأت کے مظاہر..... باوجود اس کے کہ آپ اپنے اندر ایک جزیرہ ہیں لیکن یہ جزیرہ انسانوں کی دنیا میں آباد اور ان کے درمیان واقع ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اگر ہم فکر مند نہیں ہوں گے تو بھوکے مر جائیں گے اور فکر کرتے رہیں گے تو پاگل خانے میں جا کر فوت ہو جائیں گے۔ زندگی ان دنوں اس قدر مشکل ہو گئی ہے کہ ہمیں ڈھنگ سے فکر کرنا بھی نہیں آتا۔ ہم غیر ملکی حملہ آوروں کی فکر کرتے رہیں گے اور اپنے پڑوسی کی کار کے نیچے آ کر دب کے مر جائیں گے۔ ہم ہوائی جہاز کے کریش سے خوفزدہ رہیں گے اور سیڑھی سے گر کر فوت ہو جائیں گے۔ ہم دوسروں سے ورزش نہ کرنے کی شکایت کرتے رہیں گے اور گھر کے سامنے لگے ہوئے لیٹر بکس میں خط ڈالنے کے لیے گیراج سے کار نکال لیں گے۔

ہم فکر مندی کے فن سے بھی ناآشنا ہو گئے ہیں اور ہم صحیح فکر کرنا بھی بھول گئے ہیں۔ فکر کرنا ایک اچھی بات ہے اور اس سے بہت سے کام سنور جاتے ہیں۔ بچے پل جاتے ہیں، گھر چلتے ہیں، دفتر کا نظام قائم ہوتا ہے، بزرگوں کی نگہداشت ہوتی ہے۔ فکر مندی ایک صحت مندانہ اقدام ہے۔ یہ کام کرنے پر اکساتی ہے، لیکن سب سے ضروری فکر اپنی روح کی ہونی چاہئے اور سب سے اہم فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنا ابد کہاں گزار رہے ہیں اور کیسا گزار رہے ہیں۔ یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم کو ساری دنیا کی دولت مل جائے اور روح میں گھاٹا پڑ جائے تو پھر یہ کیسا سودا ہے؟ انسان ضرورت سے زیادہ فکر کیوں کرتا ہے؟ یہ اس وقت شروع ہوتی ہے جب انسان خود کو خدا سمجھنے لگ جائے۔ وہ سمجھے کہ اب ہر شے کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے۔ انسان خدا کا بوجھ بھی اپنے کندھے پر اٹھانا چاہتا ہے اور وہ کبھی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اس فکر مندی کے وجود میں آنے کی وجہ ایک چھوٹا سا لفظ "اگر" ہوتی ہے۔ اگر یہ ہو گیا اگر وہ ہو گیا۔ اگر میں مر گیا، اگر وہ آ گیا، اگر اس نے یہ کہہ دیا، اگر لوگوں نے باتیں بنانا شروع کر دیں۔

بڑے صاحب پوسٹ ماسٹر تھے جو ان اندیشوں اور فکر مندیوں کی ڈائری لکھتے رہتے تھے جن سے وہ خوف زدہ رہتے تھے۔ سال بھر بعد جب ڈائری دیکھتے تو ان ہزارہا فکروں اور اندیشوں میں سے ایک آدھ ہی صورت پذیر ہوا کرتے تھے۔ تائی پیدو نے کہا: "میں جوانی میں بیوہ ہو گئی۔ چار بچوں کا بوجھ کام نہ کاج..... میں نے دو روپے کے کاغذ پر اللہ سے شراکت نامہ کر لیا کہ کام میں کرتی جاؤں گی فکر میری جگہ تو کرتا رہیو۔ وہ رضامند ہو گیا۔ جب سے ہمارا شراکت کا کاروبار بڑی کامیابی سے چل رہا ہے"۔ رات کو سونے سے پہلے میں ضرور یہ دعا کرتا ہوں: یا اللہ دن میں نے پورا زور لگا کر تیری مرضی کے مطابق گزار دیا، اب میں سونے لگا ہوں، رات کی شفٹ تو سنبھال، بڑی مہربانی۔ جب ہم ایسا کچھ کرتے ہیں کہ ہمارا اندر بتاتا

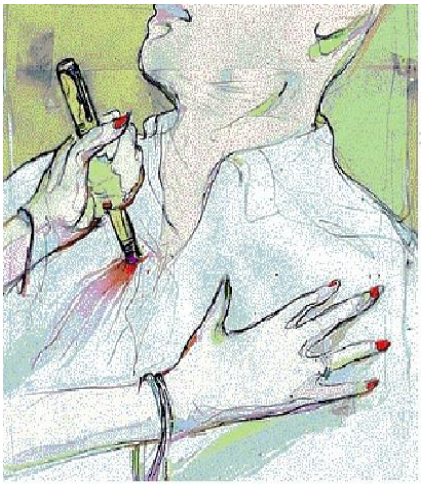

ہے کہ یہ گناہ ہے تو ہم اپنی عزتِ نفس سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ۔ پھر اپنے ساتھ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر ہم ندامت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ ضمیر ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے ۔اب ہم یا تو اس کو بھول جائیں یا اسے دماغ سے نکال دیں۔ لیکن یہ دونوں کام ہی مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک فعل ندامت پشیمانی اور توبہ ہے۔ جب ہم اپنے اللہ کے سامنے توبہ کرتے ہیں تو نہ صرف توبہ قبول ہو جاتی ہے اگر اخلاص بھی ہو تو ہم بھی قبول ہو جاتے ہیں پھر زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

دوستی کیا ہے ؟ اگر میں تمہارا دوست ہوں اور تم میرے دوست ہو تو یہ ہمارے لیے بڑا اعزاز ہے کہ ہم نے دنیا کے بڑے بڑے مشہور لائق فائق اعلی درجے کے لوگوں کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو پسند کیا۔ کیا پاکیزہ رشتہ باندھا واہ واہ..... دوستی کا رشتہ عمر بھر چلتا ہے۔ جوان ہوئے تو شادی ہو گئی۔ بہن بھائی گھر محلہ شہر چھوٹ گیا۔ بوڑھے ہوئے تو اولاد چھوڑ گئی، لیکن دوستی میں یہ تبدیلی نہیں آتی، دوستی کا رشتہ بے لوث ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ یہ روحانی ہوتا ہے۔ دیگر رشتوں میں تو کچھ جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنا پڑتا ہے مگر دوستی میں صرف روح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا تقاضا ہوتا ہے۔ روحیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آغوش ہو جاتی ہیں اور جسمانی تقاضا ایک بھی نہیں ہوتا۔ والدین بچپن میں ملتے اور پھر ساتھ رہتے ہیں پھر وہ ہمیں یا ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ بیوی یا شوہر جوانی کی عمر میں ملتے ہیں، بچے شادی کے بعد کی عمر میں نصیب ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہن بھائی بھی ہوتے ہیں۔ لیکن دوستی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ آپ آٹھ کے ہوں یا اسی کے، نو کے ہوں یا نوے کے، سولہ کے ہوں یا ساٹھ کے..... آپ میں اگر اخلاص ہے اور آپ اگر دوستی کا مطلب جان گئے ہیں تو پھر آپ کسی بھی عمر میں دوستی کر سکتے ہیں، دوست بن سکتے ہیں۔

لیکن یہ کیسی دوستی ہے کہ آپ اپنے پڑوسی کے گھر کا پانی بند کر دیں، اس کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کر کے بھائیوں کو ایک دوسرے کے قتل پر نہ صرف آمادہ کریں بلکہ ہر طرح کی مدد بھی کریں اور جب گھر والے ان تمام مکاریوں سے آگاہ ہو جائیں تو پھر دوستی کا جال پھینک کر خود کو بڑا بھائی کہہ کر میدان مار لیں! ذرا غور کیجئے کیا آجکل ایسی ہی دوستی کا موسم تو نہیں چل رہا؟ آپ سمجھ دار ہیں تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے عدلیہ کا تفصیلی فیصلہ آ گیا لیکن ہمارے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی ستر افراد کا قافلہ لیکر برطانیہ پہنچ گئے جہاں وزارتِ خارجہ کا ایک معمولی نمائندہ استقبال کیلئے موجود تھا جبکہ حکومت برطانیہ نے صرف چھ افراد کی مہمان نوازی کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ کیا ہماری دوستی اسی لائق ہے؟ جمہوریت کی ماں برطانیہ میں ایک جمہوری وزیر اعظم کا دعویٰ کرنے والا مگر ملکی عدالتِ عالیہ سے سزا یافتہ وزیر اعظم بھاری بھرکم وفد کی مہمان نوازی کیلئے برطانیہ میں پورے ایک ہفتے ملکی خزانے پر دوستی کا حق ادا کریں گے۔

کوئی مباحثہ یا مکالمہ نہیں۔ یہ ایک فیصلہ ہے مباحثہ نہیں ہے۔ یہ ایک کمٹمنٹ ہے کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ایمان کیا ہے؟ ایک اختیار ہی تو ہے۔ یہ ہمارے دل کے خزانوں کو بھرتا ہے اور ہماری ذات کو مالا مال کرتا رہتا ہے۔ بالکل ایک پر خلوص دوست کی طرح۔ یار زندہ صحبت باقی۔ ملتے رہیں گے جب تک سانس کی ڈور بندھی ہوئی ہے۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا۔

بدن کے شور میں گم تھی سماعت

نہ سمجھی روح کی فریاد ہم نے
تلاشِ شادمانی میں شب و روز
رکھا خود کو بہت ناشاد ہم نے

بروز جمعۃ المبارک ۱۹ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۱ مئی ۲۰۱۲ء

قومی خودداری اور غیرت؟

دو مئی کو اسامہ کو ہلاک کرنے کی پہلی برسی پر امریکی صدر اوبامہ نے اچانک کابل میں پہنچ کر حامد کرزئی کے ساتھ اسٹرٹیجک معاہدے پر دستخط کرکے دراصل القاعدہ کو مشتعل کرنے کا جہاں ایک واضح پیغام بھیجا ہے وہی اس معاہدے پر نہ صرف افغانستان ہیں بلکہ اس کے تمام ہمسایہ ممالک میں نہ صرف تشویش بلکہ ایک اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ایران نے تو سب سے پہلے کھل کر اس کی مخالفت کی ہے۔افغان قوم کی تشویش تو اس لئے بجا ہے کہ اس معاہدے کے بعد افغانستان سے امریکی افواج کے انخلاء کیلئے کی جانے والی کوششوں کو نہ صرف دھچکا لگا ہے بلکہ افغانستان میں جنگ طویل ہونے کا خدشہ بڑھ گیا ہے۔دراصل امریکی صدر نے اس معاہدے کے ذریعے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ایک طرف وہ نومبر میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ افغان جنگ کے حامی ایک ایک کرکے انتخابات ہار رہے ہیں اور حال ہی میں فرانس کے صدارتی انتخابات کے نتائج نے اوبامہ کو مزید تشویش میں مبتلا کر دیا ہے جہاں افغان جنگ کے کٹر حامی نکولس سرکوزی بری طرح ہار گئے ہیں اور دوسری طرف القاعدہ کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ امریکا اب بھی افغانستان میں القاعدہ کے خلاف جنگ کیلئے پر عزم ہے۔

امریکی صدر نے اس معاہدے کیلئے جان بوجھ کر اسامہ کی برسی کے دن انتخاب کرکے امریکیوں،اپنے اتحادیوں اور دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی حکومت نے القاعدہ کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی امریکا کو یہ توقع ہے کہ اشتعال میں آکر تمام جہادی ایک مرتبہ پھر افغانستان کا رخ کریں گے اور امریکا اپنے اتحادیوں کے ساتھ القاعدہ پر ایک بھرپور وار کرسکے گا تاہم گزشتہ تین چار ماہ کے دوران مختلف جائزوں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ القاعدہ نے افغانستان میں اپنی جنگی حکمت عملی کو یکسر تبدیل کر دیا ہے اور وہ جنگ میں عملی طور پر حصہ لینے کی بجائے مقامی جنگجوؤں کو تربیت فراہم کرنے اور انہیں جدید جنگی حکمت عملیوں سے آگاہ کر رہے ہیں جس سے ایک طرف القاعدہ کی قیادت نقصان سے بچ رہی ہے تو دوسری جانب مقامی طالبان جنگجوؤں کو جدید جنگی تربیت مل رہی ہے۔اس طرح فغانستان میں جنگ میں طوالت کے حوالے سے القاعدہ کو بہر حال فائدہ ہو رہا ہے اور امریکا کو شدید خسارے کا سامنا ہے۔

دوسری جانب افغان صدر حامد کرزئی نے طالبان سے مذاکرات کیلئے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ وہ القاعدہ سے لاتعلقی کا اعلان کرے لیکن ہر ذی شعور جانتا ہے کہ جس مشن کیلئے طالبان نے اپنی حکومت ختم کر دی،طالبان نے اپنے لیڈروں،نوجوانوں اور اپنے بچوں کی قربانیاں دیں وہ کس طرح القاعدہ سے یکدم لاتعلقی کا اعلان کر سکتے ہیں۔یہ لاتعلقی اسی وقت ممکن ہے جب امریکا افغانستان سے غیر مشروط پر چلا جائے تو پھر افغانستان میں غیر ملکیوں کا جواز بھی ختم ہو جائے گا لیکن اگر ایک طرف کرزئی امریکی فوج کو افغانستان میں رہنے کیلئے معاہدے کرے تو طالبان سے کیسے توقع کی جائے کہ وہ القاعدہ سے لاتعلقی کرے البتہ کرزئی امریکیوں سے لاتعلقی کا اعلان کریں تو تب طالبان سے ایسی توقع کی جاسکتی ہے۔

امریکا سے حال ہی ہونے والے معاہدے سے افغانستان میں مزید دس سال کیلئے ایک طویل جنگ کے سائے منڈلانے لگے ہیں اور اس سے حالات مزید گمبھیر ہونگے اور نہ ختم ہونے والا خون خرابہ شروع ہو جائے گا اور اب یہ امکان بھی بڑھ گیا ہے کہ ایران جو گزشتہ کئی سالوں سے مزاحمت کاروں کے مقابلے میں کرزئی حکومت کا حامی رہا ہے اب اپنی پوزیشن یقیناً بدل لے گا اسی لئے ایران نے کھل کر حالیہ امریکا افغان معاہدے کی مخالفت کرتے ہوئے افغان حکام کو آگاہ کیا ہے کہ اس معاہدے سے افغانستان میں امن نہیں بلکہ شدید بدامنی کا خدشہ ہے جس کی ذمہ دار افغان حکومت پر ہو گی۔یہی وجہ ہے کہ افغان پارلیمان نے ایرانی سفیر ابوالفضل کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ کیا ہے تاہم کرزئی نے اس مطالبے

کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

ایران کے ساتھ ساتھ پاکستان بھی اس معاہدے کے خلاف ہے اور پاکستانی فوج کے اعلیٰ عہدیدار کور کمانڈر پشاور خالد ربانی نے ایک غیر ملکی خبر ایجنسی کو منگل کو ایک انٹرویو میں پہلی مرتبہ کہا ہے کہ امریکا اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے پاکستان پر انگلیاں اٹھا رہا ہے اور ہمارے پاس اس جنگ میں مزید لڑنے کیلئے وسائل نہیں، یہ پاکستان کی جانب سے گزشتہ گیارہ سال کے دوران میں ایک بھرپور اور براہِ راست جواب ہے۔ اس معاہدے کے خطے کے تمام ممالک پر برے اثرات پڑیں گے، ایران اور پاکستان کی تشویش بھی اپنی جگہ برقرار ہے لیکن اس معاہدے سے بھارت کو بہت خوشی ہوئی ہے اور کابل میں بھارتی حکام نے افغان حکام کو اس معاہدے پر باقاعدہ مبارکباد دی ہے ادھر افغان طالبان نے اپنے کمانڈروں کو ایک طویل جنگ کیلئے تیار رہنے کی فوری ہدائت جاری کر دی ہے اور آئندہ چند ہفتوں میں اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ قطر میں طالبان کے دفتر کو بند کر دیا جائے اور طالبان مذاکرات ختم کرنے کا باضابطہ اعلان کر دیں اور اس سے اپنے تمام کمانڈروں کو بھی آگاہ کر دیں تاکہ آئندہ دس سال کیلئے جنگ کی تیاری جاری رہے۔

بعض اطلاعات کے مطابق امریکی صدر اوبامہ نے شکاگو کانفرنس سے قبل اس معاہدے پر جلدی میں دستخط صرف اپنی انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کیلئے کئے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے پہلے انتخابی جلسے میں کہا تھا کہ انہوں نے عراق سے فوج واپس بلائی ہے اور افغان جنگ بھی ختم کر رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ایسا لگ رہا ہے کہ جس طرح امریکی اور نیٹو فوج نے کرزئی کے ساتھ رات کی تاریکی میں آپریشن معاہدے کو پاؤں تلے روند کر اپنی من مانی کی ہے اسی طرح امریکی انتخابات کے بعد امریکا اس معاہدے کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال کر بھاگ جائے گا کیونکہ اس معاہدے سے امریکا کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوگا کیونکہ نیٹو سپلائی لائن ہمیشہ کیلئے امریکا کیلئے ایک مسئلہ رہے گی اور امریکی فوج کو افغانستان میں ترسیل کا مسئلہ کبھی بھی حل نہیں ہوگا کیونکہ القاعدہ امریکا کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور امریکا افغانستان کے ہمسایہ ممالک کے حدود کی خلاف ورزی کرے گا جس سے تعلقات خراب ہوتے رہیں گے۔

بعض ذرائع یہ بھی مشورہ دے رہے ہیں کہ یہ بہترین وقت ہے کہ ان حالات میں پاکستان آئندہ دنوں میں اس جنگ سے نکلنے کا اعلان کر دے جو پاکستان کے مفاد میں ہے تاہم اس معاہدے کے اثرات ایک طویل عرصے تک خطے پر پڑے رہنے کا امکان ہے۔ طالبان کی جانب سے مذاکرات ختم کرنے اور اور قطر دفتر بند کرنے کا اعلان ہونے کی صورت میں طالبان اور امریکا کے درمیان شدید جنگ کا امکان ہے۔ ایک طرف طالبان نے تیاری شروع کر دی ہے تو دوسری جانب امریکی فوج کے پاس ایندھن ختم ہو رہا ہے اور طالبان اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے تاکہ امریکا کو اتنا نقصان پہنچایا جا سکے کہ وہ ویت نام کی طرح یہاں سے بھی بھاگ جانے میں اپنی عافیت جانیں تاہم اگر صدر اوبامہ امریکی انتخابات میں کامیابی کے بعد افغان جنگ کے مکمل خاتمے کا اعلان کرتے ہیں تو پھر افغانستان میں جنگ ختم ہونے کے امکان ہو سکتے ہیں لیکن اگر امریکا افغانستان میں قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو ایران اس جنگ میں ضرور شریک ہوگا جو ابھی تک فی الحال اس جنگ میں باقاعدہ شریک

نہیں ہے کیونکہ امریکا کی جانب سے ایران کے خلاف جاسوسی کے نئے نظام کی منظوری سے ایران یہ محسوس کر رہا ہے کہ افغانستان سے ہی ایران کی جاسوسی کی جائے گی جو ایران کو کسی صورت بھی منظور نہیں۔

افغان جنگ کی طوالت سے سب سے زیادہ نقصان پاکستان کا ہوگا۔ مبصرین کے مطابق پاکستان پہلے ہی اس جنگ میں بری طرح نقصان اٹھا چکا ہے ۔یقیناً اس معاہدے کے اثرات تو ہونگے کیونکہ معاہدے صرف کاغذ کے ٹکڑے نہیں ہوتے۔ایران کی مخالفت بہت اہم ہے کیونکہ ایران نے امریکا کے افغانستان پر حملے کے وقت غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا تھا تاہم کرزئی حکومت کو ایران نے گزشتہ دس سال میں بہت مدد دی ہے۔اب ایران کی جانب سے اس طرح کی مخالفت سے ایک طرف افغان حکام پریشان ہیں تو دوسری جانب افغانستان کے اندر مزید مسائل پیدا ہونگے جس میں امریکا اور ایران کے درمیان سرد جنگ بھی شامل ہے اور اس کا مرکز بھی افغانستان ہوگا جو خطے کیلئے تباہ کن ہے۔

ادھر دوسری جانب ہمیشہ کی طرح پاکستان کی موجودہ حکومت ڈرامائی انداز میں اپنے آقا کے ہاں سرنگوں ہوگئی ہے جس طرح مشرف نے اپنے آقاؤں کے سامنے اپنی جبینِ نیاز جھکائی تھی۔ پارلیمنٹ کو سپریم ادارہ کہنے والے سزایافتہ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے برطانیہ کے دورے سے واپسی پر دورانِ سفر جہاز میں پارلیمنٹ کو اعتماد میں لئے بغیر میڈیا کو نیٹو کی سپلائی بحال کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے کہا پاکستان نیٹو سپلائی کی بندش سے دنیا کے ۴۳ ممالک سے اپنے تعلقات خراب نہیں کر سکتا۔این آر او کے خالق برطانیہ کے دورے کے فوری بعد ایوان صدر میں فوجی، سول قیادت کا باہمی اجلاس طلب کیا گیا جس میں وزیر دفاع، وزیر داخلہ، وزیر خزانہ، آرمی چیف، ڈی جی آئی ایس آئی کے علاوہ دیگر شخصیات نے شرکت کر کے نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے دباؤ اور امریکا کی طرف سے عائد کی جانے والی چھ شرائط پر غور کرتے ہوئے سلالہ کے واقعے پر معافی کے مطالبے سے دستبردار ہونے کا واضح عندیہ دے دیا اور بہانہ یہ بنایا گیا ہے کہ پاکستان نیٹو سپلائی کی بندش سے دنیا کے ۴۳ ممالک سے اپنے تعلقات خراب نہیں کر سکتا۔ کیا نیٹو سپلائی کی بندش سے پہلے یہ خیال کسی کو نہیں آیا؟ پارلیمنٹ کو سپریم ادارہ اور پاکستان کو خود مختار اور آزاد ملک کہنے والے کھل کر کیوں نہیں بتاتے کہ اقتدار حاصل کرنے کیلئے قومی خودداری اور غیرت کو اسی طرح برسرِ میدان فروخت کیا جاتا ہے اور امریکی وائسرائے کے سامنے کسی کو بھی سر اٹھانے کی اجازت نہیں۔

آل پاکستان آئل ٹینکرز اونرز ایسوسی ایشن کے سربراہ یوسف شاہوانی نے منگل کو کراچی پریس کلب میں نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وزیرِ داخلہ رحمان ملک نے اسلام آباد میں ایک اجلاس میں یقین دہانی کرادی ہے کہ افغانستان میں نیٹو افواج کے لیے سپلائی ایک ہفتے میں بحال ہونے کی امید ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنی تیاری مکمل رکھیں۔ یوسف شاہوانی نے بتایا کہ تیل کی ترسیل بحال ہونے کے بعد امید ہے کہ روزانہ چار سو سے ساڑھے چار سو آئل ٹینکرز کراچی سے تیل لیکر نکلیں گے جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ آج میر صادق اور میر جعفر کی ارواح اپنی اولاد کے اس فعل پر کس قدر نازاں اور فخر محسوس کر رہی ہوگی!

اپنی شہ رگ تک آنے والا ہوں

ایک رگ روز کاٹتا ہوں میں

بروز جمعرات ۲۵ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۷ مئی ۲۰۱۲ء

امریکی انتخابات۔ایک اور امریکی چال

بظاہر اسامہ بن لادن کا قصہ تمام کئے ہوئے ایک سال ہو گیا لیکن القاعدہ کی دہشت سے اب بھی ڈرایا جارہا ہے۔امریکا کی ایک معروف ریسرچ آرگنائزیشن رینڈ کارپوریشن نے "القاعدہ،اسامہ بن لادن کے بعد،امریکی حکمت عملی پر پڑنے والے اثرات" کے عنوان سے مرتب کردہ اپنی ایک تحقیقی رپورٹ میں القاعدہ کے پس منظر اور اس کے مستقبل کے عزائم پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔واضح رہے کہ یہ رپورٹ امریکی ایوان نمائندگان کی کمیٹی برائے مسلح افواج کی ممکنہ خطرات اور صلاحیتوں سے متعلق ذیلی کمیٹی کے سامنے بھی پیش کی گئی ہے۔اس رپورٹ کے مطابق القاعدہ کی طرف سے ممکنہ خطرات کے بارے میں تجزیہ نگاروں میں بہت کم اتفاق پایا جاتا ہے۔کچھ کے خیال میں اسامہ بن لادن کی موت کے بعد القاعدہ دم توڑ چکی ہے اور روبہ تنزل ہے جب کہ بعض کہتے ہیں کہ القاعدہ پہلے کی طرح سرگرم عمل ہے خصوصاً جزیرہ نما عرب میں اس کے نظریات کا پھیلاؤ اور انٹرنیٹ پر اس کی تشہیر،مہلک ہتھیاروں کے حصول کی کوشیش اور افغانستان و پاکستان کے مشکل حالات جیسی باتوں سے اس کی فعالیت کا پتا چلتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق القاعدہ اپنے پانچویں مرحلے یعنی "پوسٹ بن لادن فیز" سے گزر رہی ہے۔اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ۲۰۰۷ء سے القاعدہ کی پسپائی کا آغاز ہوا یعنی اس دور میں القاعدہ عراق اور افغانستان سے باہر بڑی کارروائیاں کروانے میں ناکام رہی۔القاعدہ کے چوتھے مرحلے کا اختتام اسامہ بن لادن کی موت کی صورت میں ہوا۔مذکورہ رپورٹ میں اسامہ بن لادن کے بعد کی القاعدہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ گزشتہ دس سالوں کے دوران القاعدہ کے خلاف خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔القاعدہ کے کام کرنے کی صلاحیتوں میں کافی کمی واقع ہوئی ہے۔اس کی قیادت سمٹ چکی ہے اور فوجی تنظیم منتشر ہے۔۲۰۰۵ء کے بعد اس نے مغرب میں دہشت گردی کی کوئی بڑی کاروائی نہیں کی لیکن اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لیے اس کی قوت ارادی اور ہمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اس رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ القاعدہ انفرادی جہاد اور اپنی مدد آپ کے تحت دہشت گرد واقعات کی حامی ہے۔ان کے رابطہ کار تنظیم کے وجود کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور انفرادی جہاد کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔وہ مختلف قسم کی مزاحمتوں سے بچنا چاہتے ہیں۔القاعدہ کی یہ نئی حکمت عملی اس کے سابقہ مرکزی کردار اور خیالات کے منافی اور موجودہ حقائق کی ترجمانی کرتی ہے۔دس سالہ دہشت گردی اور بغاوت کے خلاف لڑنے سے ہمیں تاریخی پس منظر کی حامل وہ معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے ہمیں بحیثیت ایک قوم خطرات لاحق ہیں۔القاعدہ چونکہ بہت آگے جاچکی ہے اس لیے ہم امریکیوں کو بھی اسی رفتار سے آگے بڑھتے ہوئے اس کا حل ڈھونڈنا ہوگا۔ہمیں کسی بے سروپا پالیسی نہیں بلکہ باقاعدہ اصولوں کی بنیاد پر وضع کی گئی پالیسی پر بات کرنی چاہیے۔

اگرچہ جہادی تنظیمیں کمزور ہو چکی ہیں لیکن وہ اب بھی مسلسل خطرے کی علامت ہیں اور القاعدہ کے تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خود کو موقع محل کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس کا مقصد صرف امریکا کو کمزور کرنا اور موقع پاکر دوسرے مقامات سے اپنے مشن کو جاری رکھنا ہے۔ان کو جڑ سے ختم کرنا انصاف کا تقاضا ہے تاکہ یہ نشان عبرت بنے اور اسے آئندہ کبھی بھی امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف حملہ کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔القاعدہ امریکیوں کے حواس پر کتنی سوار ہے اس کا اندازہ اس رپورٹ میں موجود تفاوت سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایمن الظواہری کے القاعدہ کے رہنما کی حیثیت سے منظر عام پر آنے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اسامہ بن لادن کے

موت کے بعد بھی امریکا پر القاعدہ کے حملے جاری رہیں گے جب کہ دوسری جانب اس رپورٹ میں اسامہ کی ہلاکت کا کریڈٹ لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسامہ کے موت کے بعد القاعدہ کافی حد تک غیر مستحکم اور منتشر ہو چکی ہے اور اس کے خطرات کافی کم ہو چکے ہیں۔ کوئی جانشین اسامہ کی جگہ نہیں لے سکتا اور القاعدہ اب ہر جگہ خود مختار کمانڈروں کے زیر اثر رہ کر صرف عقیدے کے لحاظ سے یکجا ہے۔ آج کی القاعدہ میں نائن الیون کی طرز اور کیفیت کے حملے کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تاہم اس سے احتیاط ضروری ہے۔ تیونس اور مصر میں انقلابات اور عرب بادشاہتوں کی کمزوریوں سے القاعدہ کو فائدہ ملتا ہے اور اگر ان انقلابات کو نابود کیا جائے تو بھی القاعدہ کو دوبارہ ان ممالک میں جگہ بنانے کا موقع مل سکتا ہے۔ یہاں ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان انقلابات سے وہ منظم اسلامی جماعتیں فائدہ اٹھا سکتی ہیں جن کے خیالات القاعدہ کی طرح خطرناک ہیں۔ یہ القاعدہ اور امریکا دونوں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔

اس رپورٹ میں پائے جانے والے اس تضاد سے یہ رائے سو فیصد درست معلوم ہوتی ہے کہ القاعدہ اور اسامہ کا ہوا امریکا نے اپنے بعض مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کھڑا کیا تھا اور اب جب عراق اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا چکی ہے اور اس خطے میں امریکا اپنے مفادات حاصل کر چکا ہے تو امریکی حکمران اسامہ کی شہادت کو اگر ایک طرف اپنی فتح سے تعبیر کر کے اس کا کریڈٹ آئندہ انتخابات میں کامیابی کی صورت میں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف القاعدہ کو امریکی مفادات کے لیے خطرہ قرار دیکر اسے مستقبل میں بھی ایک سیاسی آلے کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ امریکی دانشور ایک طرف تو عرب دنیا میں رونما ہونے والے انقلابات کو جمہوریت کی فتح اور عرب ڈکٹیٹر رہنماؤں کے اقتدار سے ہٹنے کا خیر مقدم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں پھر ایک ہی سانس میں عرب ممالک میں اسلام پسندوں کی انتخابی کامیابیوں اور بڑھتے ہوئے اثرات کو القاعدہ کے نظریات کے تناظر میں دیکھتے ہوئے ان تبدیلیوں کو امریکی مفادات کے لیے سنگین خطرات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امریکیوں کے خبث باطن کا واضح اندازہ رپورٹ کے اس ایک جملے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عرب ممالک میں جمہوریت پر یقین رکھنے والے اسلام پسندوں کی جمہوری فتح القاعدہ اور امریکا دونوں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ امریکی دانشور جو جمہوریت کے نام نہاد چیمپئن ہیں اور جو عرصہ دراز سے عرب ڈکٹیٹروں اور بادشاہوں کے خلاف جمہوری جدوجہد کی تھیوری کی حد تک حمایت کرتے رہے ہیں لیکن اب جب مصر، تیونس اور مراکش میں اسلام پسند جمہوری قوتیں تمام تر ریاستی دباؤ، منفی ہتھکنڈوں اور نصف صدی سے ان تنظیموں پر ڈھائے جانے والے ریاستی ظلم و تشدد کے باوجود برسر اقتدار آگئی ہیں تو امریکا کے نام نہاد آزاد خیال جمہوریت پسند دانشور اسلام پسندوں کی کامیابی کو القاعدہ سے تشبیہ دے کر ان کی کامیابی کو مغربی مفادات کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں۔ اسلام پسندوں کی پرامن جمہوری جدوجہد اور اس کے نتیجے میں ان کے برسر اقتدار آنے سے چونکہ القاعدہ جیسی تشدد اور طاقت کے زریعے اقتدار میں آنے پر یقین رکھنے والی تنظیموں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور ان کامیابیوں سے چونکہ عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب کا امریکی پروپیگنڈے کے برعکس آیا ہے۔ اس لیے امریکی کے لیے تمام تر زمینی حقائق کے باوجود اسلام پسندوں کی فتح کے اس کڑوے گھونٹ کو اپنے حلق سے اتارنے میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ اس امریکی پریشانی اور تشویش کا عکس زیر نظر رپورٹ

میں ہر کوئی باآسانی دیکھ اور محسوس کر سکتا ہے۔

ادھر دوسری طرف امریکا آئندہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے ایک نئے انداز سے ایران کا ہوّا کھڑا کر کے امریکی قوم کی ہمدردیاں سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ حالیہ بھارتی دورۂ بھارت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا کہ بھارت ایران سے تیل کی خریداری بند کرے۔ انہوں نے اس بات کی تعریف بھی کی کہ "بھارت یقینی طور پر ایران سے تیل کی خریداری میں کمی کرنے کے اقدامات کر رہا ہے۔ اس نے اب تک جو بھی اقدامات کیے ہیں ہم اسے سراہتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ وہ مزید بھی کچھ کریں گے۔" ایک سوال کے جواب میں محترمہ ہلری کلنٹن نے کہا کہ تیل وافر مقدار میں دستیاب ہے اور سعودی عرب جیسے ممالک سپلائی کے لیے بھی تیار ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکا نے ایران پر دباؤ بڑھانے کے لیے چین، بھارت، جاپان اور یوروپی ممالک سے ایران سے تیل کی سپلائی کم کرنے کو کہا ہے۔ اپنے بھارتی دورے میں امریکی وزیر خارجہ نے بھارت کی دلجوئی کیلئے جہاں حافظ سعید کے گرفتاری کیلئے سارا بوجھ بھارت کے پلڑے میں ڈالا وہی نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے پاکستان پر دباؤ بڑھانے کیلئے ایمن الظواہری کی پاکستان میں موجودگی کا شوشہ بھی چھوڑا ہے لیکن پتہ چلا ہے کہ بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے امریکی تجاویز پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ اب دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

بروز ہفتہ ۲۷ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۱۹ مئی ۲۰۱۲ء

مجھے تو مار گئے چارہ گر کے اندیشے

وہ بہت پیارے لوگ ہیں، خوبصورت انسان۔ ایسے نایاب ہیرے جواب بہت کمیاب ہیں۔ انہیں دیکھ کر خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوتی ہے، آخر کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں وہ! ان کی زندگی لمحۂ موجود ہے۔ وہ بہت دور تک نہیں دیکھتے، وہ دیر تک نہیں سوچتے۔ بہت شانتی ہے ان میں، محبت ہے اور پیار، وہ فکر مند نہیں ہیں۔ ان کی زندگی دورِ جدید کی ایجادات کی قید میں نہیں ہے، آزاد ہیں وہ۔ بجلی ہے نہ پانی..... بس توکل ہے اور ایک دوسرے کے لیے ایثار۔ ایک روٹی کو بھی وہ مل بانٹ کے کھاتے اور خوش رہتے ہیں۔ انہیں کل کی فکر نہیں ہے۔ وہ ڈپریشن کو نہیں جانتے۔ وہ ٹیلی ویژن کے اسیر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی پروپیگنڈے کو سمجھتے ہیں۔ وہ سادہ ہیں اور محبت ان میں رچی بسی ہے۔ نایاب ہیں ہم، ان کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ جینا جانتے ہیں، اپنی مزدوری میں مگن ہیں اور ہر وقت اپنے پالن ہار پر بھروسہ کئے زندگی کا بوجھ اٹھائے بغیر کسی شکوہ و شکائت کے گزار رہے ہیں۔

جب بھی پاکستان جاتا ہوں اور وہاں جب مجھے زندگی کے شب و روز جکڑ لیتے ہیں، تارکول کی سڑکیں اونچے نیچے فلائی اوورز اور انڈر پاسز گھیر لیتے ہیں، اونچی اونچی بے حس عمارات کا یہ لاہور شہر جب مجھے قید کر لیتا ہے اور میں پوری کوشش کے باوجود بھی اس کے چنگل سے نہیں نکل پاتا تو وہ میری درخواست پر مجھ پر رحم کرتے ہوئے کبھی کبھار میرے گھر آجاتے ہیں۔ بس ہمیں آپ کو دیکھنا تھا۔ پھر وہ مجھے دیکھتے اور میں انہیں دیکھتا ہوں۔ کشمیر کے معصوم باسی، کشمیر کی طرح کشادہ دل رکھنے والے بے غرض انسان..... میرے گھر پہنچ کر وہ راحت محسوس کرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہنستے گاتے ہیں، بالکل اپنے گھر کی طرح، بچوں سے گپ شپ کرتے ہیں اور معصوم بچوں کی طرح حیران ہوتے ہیں۔ جدید ایجادات کو دیکھ کر کچھ دیر سوچتے ہیں، سوالات کرتے ہیں اور پھر وہی کشمیری بن جاتے ہیں۔ وہ چیزوں سے متاثر نہیں ہیں۔ اشیا کی قید میں نہیں ہیں۔

بھائی! بہت مشکل میں ہیں یہاں کے لوگ، بہت کٹھن ہے آپ لوگوں کی زندگی، ہمیں آپ پر بہت ترس آتا ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے آپ کے لیے..... بس ایک کام کر سکتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ کشمیر میں رہیں۔ پھر خود کلامی کرتے ہوئے کہتے ہیں آپ تو کشمیر چلے بھی جائیں، یہ بچے کیسے رہیں گے وہاں! انہیں تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ بجلی نہ پانی نہ ایسے بستر نہ کمرے، کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، کار، کچھ بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔ لیکن بھائی! ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں، پھر آپ دیکھیں آپ کو کچھ بھی تو نہیں کرنا پڑے گا، سب کچھ ہم خود کریں گے۔ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ سچ پوچھئے تو دل میرا بھی یہی چاہتا ہے لیکن میرے پاؤں میں اتنی ساری زنجیریں بندھی ہوئی ہیں کہ انہیں توڑنا اب آسان نہیں رہا۔ اپنے لیے نہیں، ان کے لیے تو جینا ہی پڑتا ہے جو ہمارے بِنا نہیں جی پائیں گے۔

بہت سے سانپوں کے سر کچلنا پڑتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہونا پڑتا ہے، لکھنے لکھانے کے عمل میں ایک سال میں ایک آدھ مرتبہ بدزبانی بھی کرنا پڑتی ہے۔ کبھی کبھی اٹھا ہوا ہاتھ روکنا پڑتا ہے، سامنے آکر کھڑا ہونا پڑتا ہے، گھورنا پڑتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی۔ ذرا سی ڈھیل دی تو پھن پھیلائے آگے جو بڑھنے لگتے ہیں۔ مجبوری ہے جینا، جینا پڑتا ہے لیکن اب کچھ دنوں سے ان سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہو تو اٹھانے سے ڈر لگتا ہے کہ اس پار کہیں ان کی آواز نہ آجائے اور مجھ سے "امن کی آشا" کے پلیٹ فارم سے دوستی کے نئے بندھن کے بارے پوچھ لیا کہ ہمیں کس جرم کی سزا میں بالکل بھول گئے تو کیا جواب دوں گا؟

مجھے وہ دن یاد ہیں جب وہ وہ تین دن سے میرے گھر مقیم تھے۔ جب میں رات کو گھر پہنچتا تھا تو نعرہ لگاتے تھے کہ اب آئے گا ناں مزا۔ سب مل کر

کھانا کھاتے تھے تو میری اہلیہ کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ واہ بھابھی کیا مزیدار کھانا ہے کیسے بنایا؟ آپ زبردستی نہ کریں، ہمارا اپنا گھر ہے ہم خود مانگ کر لے لیں گے۔ ایک رات کو ہم ٹی وی دیکھ رہے تھے، ایک مغربی چینل پر کشمیر میں ہونے والے مظالم کی دستاویزی فلم دکھائی جارہی تھی اور ہم بس دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا، بھائی! کیا ہو رہا ہے یہ؟ یہ تو ہمارے علاقے کے لوگ ہیں۔ میں نے تفصیل بتائی تو ان کا رنگ فق ہو گیا۔

اوہ بھائی یہ تو بڑا ظلم ہے آپ کیوں نہیں روکتے؟ آپ اخبار میں لکھیں، معصوم بچے اور بچیاں قتل ہو رہے ہیں۔ ان ظالموں کو روکو، یہ دنیا تباہ کر دیں گے۔ وہ بہت دیر تک دیکھتے رہے اور روتے رہے۔ پھر یکدم کھڑے ہو گئے اور مجھ سے کہا: بھائی بند کرو یہ نہیں دیکھنا ہمیں۔ میں نے پوچھا کیوں نہیں دیکھنا؟ بھائی اس لیے نہیں دیکھنا کہ یہ ظلم ہے۔ اب ہمیں معلوم بھی ہو گیا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں، ہمیں اس ظلم کو روکنا چاہیے اب ہمارے سوہنے رب نے پوچھ لیا کہ تم نے یہ ظلم دیکھا تھا پھر روکا کیوں نہیں تو ہمارے پاس کیا جواب ہو گا؟ اچھا تھا کہ ہم یہ سب کچھ نہ دیکھتے پھر سوال بھی نہ ہوتا۔ ہم ایسے ہی اچھے ہیں ہمیں ٹی وی نہیں چاہیے۔ ہمیں ظلم نہیں دیکھنا۔ بھائی یہ شہر کے لوگوں کو مبارک ہو۔ بہت ظلم ہے۔ ظلم کا انت ہے، قیامت آنے والی ہے۔ وہ رات گئے تک مجھ سے یہی باتیں کرتے رہے۔ دنیا کی بے حسی اور بے ثباتی کی باتیں۔

اذان فجر سے بھی پہلے بیدار ہو جاتے تھے وہ۔ میری اہلیہ نے کہا آئیں ناشتہ کر لیں۔ بھابھی! آج بھوک نہیں ہے بس فقط چائے۔ میں نے انہیں زبردستی روک لیا ورنہ وہ واپس گھر جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان کا سارا سکون وچین کل کی دستاویزی فلم نے چھین لیا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے "امن کی آشا" کا ڈرامہ بغور دیکھ رہا تھا، ان تمام پاکستانی سیاسی رہنما جو اقتدار میں ہیں یا پھر اقتدار کی خواہش میں لائن میں لگے ہوئے ہیں کے خطابات کو بھی سن رہا تھا، کسی نے اس دوستی کے پلیٹ فارم پر ان سوا لاکھ مظلوم کشمیریوں، گجرات میں بھارتی مسلمانوں کے کھلے عام قتل عام اور دوستی کے نام پر چلائی جانے والی ٹرین "سمجھوتہ ایکسپریس" میں زندہ جلائے جانے والے پاکستانی مسلمانوں کا کسی نے ذکر تک کرنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر کسی قلمکار کو بھی توفیق نہیں ہوئی کہ ان عقل کے اندھوں کو آگاہ کر سکے کہ دوستی کے راستے میں آنے والے ان وزنی پتھروں کی بارش سے کیسے بچ سکو گے؟ قوم کے ضمیر کو کیا ہوا کہ کسی نے اس پر احتجاج کا بھی نہیں سوچا؟ لیکن ساری قوم کو مہنگائی، بجلی کی لوڈشیڈنگ اور بیروزگاری کے عذاب میں مبتلا کر کے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ اس طرف دھیان دیں سکیں لیکن کیا قوم ان اقتدار پرست ٹولے کے اس جرم کو یاد رکھے گی جب یہ دوبارہ ان سے ووٹ کی بھیک مانگنے آئیں گے؟

عجیب اذیت میں مبتلا ہوں۔ وقت کیا کیا مناظر دکھا رہا ہے۔ میں انہیں دیکھتا ہوں اور پھر خود کو، ہلِ دانش و بینش کو، اقوام متحدہ کو، سیکورٹی کونسل کو، او آئی سی کو، حقوق انسانی کے پرچارکوں کو، ریلیوں کو، مظاہروں کو، انسانوں پر گولہ بارود اور کیمیائی بموں کی بارش کو، معصوم بچوں کے لہولہان چہروں کو، اداسی کو، دکھ کو، تکلیف کو، تنہائی کو، بے آسرا پن کو، خدشات کو..... بس میں دیکھتا رہتا ہوں، دیکھتا رہتا ہوں۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا۔

چلے چلو کہ یہ جوشِ خرام نعمت ہے ٹھہر گئے تو بڑھیں گے سفر کے اندیشے

یہ سارے زخم مرے کب کے بھر گئے ہوتے　　مجھے تو مار گئے چارہ گر کے اندیشے

بروز اتوار ۲۸ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ ۲۰ مئی ۲۰۱۲ء

شکاگو کانفرنس کامیاب یا ناکام؟

امریکی شہر شکاگو میں منعقدہ نیٹو کانفرس میں شریک تمام ممالک نے افغانستان میں ۲۰۱۳ء تک سکیورٹی کی ذمہ داریاں افغان سکیورٹی فورسز کے حوالے کرنے کے فیصلے کی توثیق کردی ہے۔ نیٹو اجلاس کے اختتام پر جاری ہونے والے اعلامئے کے مطابق ۲۰۱۴ء میں افغانستان سے نیٹو کے جنگی فوجی دستے نکل جائیں گے تاہم تربیت فراہم کرنے والے فوجی یونٹ موجود رہیں گے۔ اعلامئے میں اس بات پر زور دیا گیا کہ افغانستان میں کنٹرول کی منتقلی کا عمل ناقابل واپسی ہے البتہ ۲۰۱۴ء میں منصوبے کے مطابق افغانستان سے ایک لاکھ تیس ہزار اتحادی فوجیوں کی واپسی کے بعد وہاں پر غیر جنگی مشن موجود رہے گا۔ نیٹو کے سربراہ اجلاس، جس میں پچاس ملکوں کے سربراہان مملکت اور نمائندے شامل تھے چند دیگر عالمی امور پر مذاکرات کے علاوہ افغانستان سے نیٹو فوج کے انخلا کو حتمی شکل دینے اور افغانستان کی سکیورٹی فورسز کے لیے سالانہ چار ارب ڈالر کی رقم کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے بلایا گیا تھا۔

افغانستان کے مستقبل کے حوالے سے منعقدہ اس اجلاس میں افغانستان سے بین الاقوامی افواج کے انخلا کا مسئلہ حاوی رہا۔ نیٹو ممالک کے رہنماؤں کے دو روزہ اجلاس کے دوران امریکا کے صدر باراک اوباما نے خبردار کیا کہ آنے والے دن کٹھن ہوں گے اور اب بھی مستقبل میں کئی چیلنجز درپیش رہیں گے۔ انہوں نے عالمی رہنماں کو وسائل مجتمع کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح ہم نے اپنے باہمی تحفظ کیلئے مل کر قربانیاں دیں، ہمیں اپنے مشن کی تکمیل کے عزم میں بھی متحد رہنا ہوگا۔ بعض نیٹو ارکان نے طالبان سے نمٹنے کے لیے افغان فورسز کی امداد کا وعدہ بھی کیا ہے۔ بی بی سی کے دفاعی امور کے نامہ نگار کیرولائن ویٹ کا کہنا ہے کہ اس اجلاس کے ذریعے دو مختلف پیغامات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک تو نیٹو ممالک کے عوام کو بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں ان کی جنگ اب ختم ہو چکی ہے جبکہ افغانیوں کو یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ اتحاد ۲۰۱۴ء کے بعد مکمل طور پر ان سے دستبردار نہیں ہوگا۔ افغان سکیورٹی فورسز کو نیٹو افواج کی واپسی کے بعد سالانہ چار ارب ڈالر کی امداد مہیا کرنے کا سوال بھی اس کانفرنس میں شریک پچاس ملکوں کے سربراہان کے لیے اہم رہا۔ نیٹو افواج کے انخلاء کے علاوہ نیٹو سربراہوں کو ۲۰۱۴ء کے بعد افغان سکیورٹی فورسز کے لیے چار ارب ڈالر کی سالانہ امداد کو یقینی بنانے کا مسئلہ بھی درپیش رہا۔ امریکا نے اس سلسلے میں ڈھائی ارب ڈالر کی سالانہ امداد دینے کا وعدہ کیا جبکہ باقی رقم یورپ کے اقتصادی بحران سے نمٹنے میں مصروف ممالک، فرانس، جرمنی اور برطانیہ مہیا کریں گے۔

اجلاس میں نیٹو کے سیکریٹری جنرل راسموسن نے کہا ہے کہ انہیں یقین ہے کہ بین الاقوامی برادری افغانستان سے نیٹو افواج کے انخلا کے بعد افغان سکیورٹی فورسز کی مالی معاونت جاری رکھے گی۔ نیٹو اس بات کو یقینی بنائے گی کہ افغانستان میں نیٹو افواج کا مشن کامیابی سے اختتام پذیر ہو اور عجلت میں فوج کا انخلاء نہ کیا جائے۔ یاد رہے کہ فرانس کے نو منتخب صدر فرانسوا اولاند یہ اعلان کر چکے ہیں کہ اس سال کے آخر تک افغانستان سے تمام فرانسیسی فوجیوں کو واپس بلا لیا جائے گا جبکہ نیٹو ملکوں کے دوسرے رہنماں پر بھی اپنے ملکوں میں افغانستان سے فوجیں جلد از جلد واپس بلانے کے لیے دباؤ بڑھ رہا ہے۔

پاکستان کے صدر آصف علی زرداری اس کانفرنس میں شرکت کے لیے شکاگو تو پہنچے لیکن اس اجلاس میں پاکستان کے زمینی راستے سے افغانستان میں موجود ایک لاکھ سے زیادہ نیٹو کے فوجیوں کو رسد کی فراہمی کے بارے میں کسی اہم فیصلے کی جو توقع تھی وہ بہر حال پوری نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر اوباما اور پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کے درمیان ملاقات نہ ہو سکی لیکن امریکی ایوان صدر وائٹ ہاس کے ذرائع کا کہنا ہے کہ

پاکستان اور امریکا کے درمیان نیٹو کی رسد کے راستوں کی بحالی کا معاہدے ہو جائے گا لیکن اس کی توقع نیٹو کے سربراہ اجلاس کے دوران نہیں کی جا سکتی تھی۔ امریکی حکام کئی بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کو کہہ چکے ہیں کہ اب صرف تنازع کرائے راہداری طے کرنے پر ہے۔

کانفرنس کے دوسرے روز نیٹو رسد کی بحالی کے علاوہ پاکستان اور امریکا کے درمیان دیگر حل طلب معاملات کانفرنس کے دوسرے موضوعات پر حاوی رہنے کی توقع تھی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ افغانستان سے نیٹو فوج کی واپسی کے معاملہ کی اہمیت کی وجہ سے کانفرنس کے دیگر موضوعات پس منظر میں چلے گئے۔ فرانس کے صدر فرانسوا اولاند کی طرف سے اس سال کے آخر تک فرانس کے فوجی افغانستان سے واپس بلا لینے کا اعلان بھی نیٹو سربراہان کے لیے ایک مشکل بن گیا ہے۔ فرانس کے صدر اولاند نے فرانسیسی خبر رساں ادارے کو ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ اس اعلان پر بات نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ فرانس کی حاکمیت کا معاملہ ہے۔ نیٹو ممالک کے سربراہان کو اپنے ملکوں میں افغانستان سے جلد از جلد فوجیوں واپس بلا لینے کے لیے عوامی دباؤ کا سامنا ہے۔ نیٹو سربراہ اجلاس میں ۲۰۱۳ء تک افغان فورسز کو سکیورٹی کی تمام ذمہ داریاں سونپ دیئے جانے کے منصوبہ کو بظاہر حتمی شکل دیئے جانے کا امکان تھا لیکن اس کے واضح خدوخال ابھی تک سامنے نہیں آئے۔

شکاگو کانفرنس سے قبل بیشتر مغربی ممالک کے رہنماؤں نے کیمپ ڈیوڈ میں جی ایٹ ملکوں کے سربراہی اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس کے بعد امریکی صدر بارک اوبامانے کہا کہ جی ۸ کے ملکوں نے پوری سنجیدگی سے یورپ کو درپیش اقتصادی بحران سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے پاکستان پر دباؤ بڑھانے کیلئے نیٹو کانفرنس کے اجلاس سے ایک روز قبل نیٹو کے سیکریٹری جنرل نے کہا تھا کہ وہ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری سے ملاقات کے دوران پاکستان کے قبائلی علاقوں میں شدت پسندوں کی مبینہ پناہ گاہوں کے

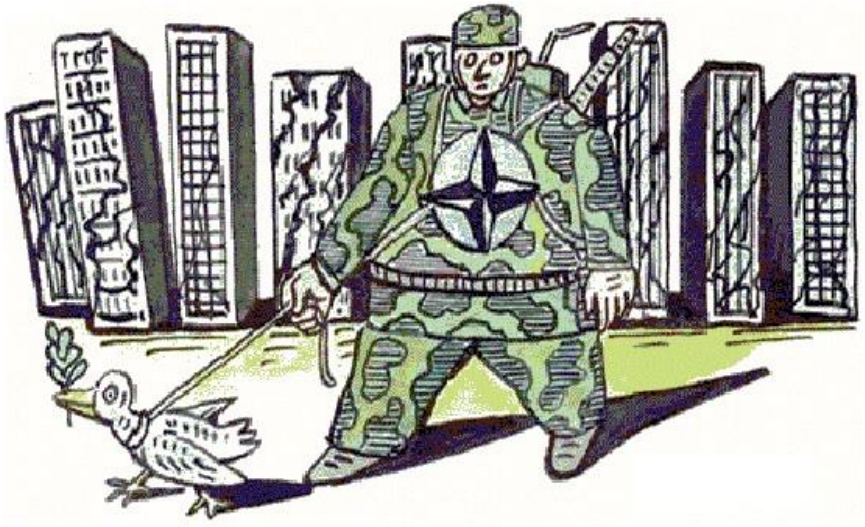

معاملے پر بات کریں گے۔ نیٹو کے سیکریٹری جنرل کا اصرار تھا کہ یہ کانفرنس انخلاء کے منصوبے کا حصہ ہے۔ انھوں نے عالمی میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ نیٹو افغانستان میں سکیورٹی کی ذمہ داریاں بتدریج افغان حکام کو منتقل کر رہے ہیں اور یہ عمل ۲۰۱۴ء تک مکمل کر لیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ان کی حکمت عملی کا حصہ ہے اس سے انحراف یا کوئی تضاد نہیں ہے۔

اعلامیئے کے مطابق افغانستان میں استحکام کے بعد افغان سکیورٹی فورسز کی تعداد میں کمی کا فیصلہ بین الاقوامی مشاورت سے افغان حکومت خود کرے گی اور افغان فورس کی اس وقت کی طے کردہ تعداد دو لاکھ اٹھائیس ہزار پانچ سو ہے اور اس کا سالانہ بجٹ چار ارب ایک کروڑ ڈالر ہو گا اور سکیورٹی کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے بجٹ کا جائزہ معمول کے مطابق لیا جاتا رہے گا۔ اس سے پہلے صدر اوبامانے کانفرس میں اپنے خطاب میں افغانستان کو ۲۰۱۴ء میں نیٹو افواج کے انخلا کے بعد بھی امریکی تعاون جاری رکھنے کا یقین بھی دلایا۔ صدر اوبامانے اجلاس سے خطاب میں کہا کہ امریکا افغانستان کو ۲۰۱۴ء میں نیٹو فوج کے انخلا کے بعد بھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ افغانستان اور امریکا کے درمیان چند ماہ قبل ہونے والے دفاعی معاہدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امریکی صدر اوبامانے کہا کہ اس معاہدے کہ بعد کہا جا سکتا ہے کہ افغانستان اور امریکا میں طویل المعیاد بنیادوں پر تعاون کا معاہدہ ہو سکتا ہے۔ صدر اوبامانے افغانستان کے بارے میں امریکی پالیسی کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ اس کی سمت درست ہے۔ صدر اوبامانے مزید

کہا کہ امریکا ہمیشہ افغان عوام کا ساتھ دیتا رہے گا۔

سب جانتے ہیں کہ امریکا بہادر اپنے استعماری حواریوں کے ساتھ افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ جارحانہ جنگ کی ہلاکت خیزیاں تاریخ عالم پر سیاہ دھبے کے طور پر ہمیشہ رقم رہیں گی۔ امن کیلئے جنگ میں امریکا نے ماسوائے ہزیمت اور ذلت کے سوا کچھ نہیں پایا اور اب جب دس سال کے بعد پسپائی کیلئے "آبرومندانہ" راہ تلاش کر رہا ہے تو ماسوائے خرابیٔ بسیار کے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ "آبرو" اور "وقار" کے ساتھ واپسی کیلئے بالآخر مذاکرات کا سہارا لینا پڑا۔ مذاکرات کیا ہیں؟ کیا انہیں مذاکرات کہنا درست بھی ہے؟ ان سوالات کے جوابات اب چنداں اہم نہیں رہے لیکن امریکا اور اس کے حواری اب بھی کوشش کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس شکست اور ہزیمت کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال کر اپنی عوام کے سامنے سرخروئی حاصل کی جاسکے۔ اسی لئے شکاگو کانفرنس کا ڈول ڈالا گیا لیکن افغانستان کے مسئلے کے سب سے بڑے فریق طالبان اور پاکستان کو باہر رکھ کر کسی بھی فیصلہ پر عملدرآمد ممکن نہیں۔ افغانستان پر امریکی حملے کو دس برس سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود طالبان کو ختم نہیں کیا جاسکا۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق صرف گزشتہ سال افغانستان میں ہلاکتوں کی تعداد تین ہزار تین سو اکتیس تک پہنچ گئی ہے۔

ڈرا دھمکا کے تم ہم سے وفا کرنے کو کہتے ہو
کہیں تلوار سے بھی پاؤں کا کانٹا نکلتا ہے
فضا میں گھول دی ہیں نفرتیں اہل سیاست نے
مگر پانی کنوئیں سے آج تک میٹھا نکلتا ہے

بروز جمعرات ۲ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۴ مئی ۲۰۱۲ء

ریاست اور نان اسٹیٹ ایکٹرز

روس کے ٹکڑے ہو جانے کے بعد پینٹا گون کو کسی ایک ایسے دشمن کی ضرورت تھی جس کے وجود سے امریکا کی اسلحہ ساز کمپنیاں اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں اور امریکی ورلڈ آرڈر کے مطابق ساری دنیا پر امریکی حکومت کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنا اگلا ہدف قرار دیتے ہوئے مسلمانوں اور دہشت گردی کو یکجا کر کے اپنی کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ جب سے نائن الیون کا فساد شروع ہوا ہے تب سے اس خطے کو ساری دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ پینٹا گون کے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے قصرِ سفید نے ایک انتہائی غلط اطلاع پر عراق پر فوج کشی کر دی اور صدیوں کی تاریخ کے امین ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور ایک غیر سرکاری اطلاع کے مطابق (۱۴۵۵۹۰) بے گناہ عراقیوں کو شہید، (۴۸۰۱) امریکیوں اور (۳۰۱۱) اتحادی فوجیوں کو مروانے کے ساتھ ساتھ نو کھرب ڈالر کے نقصان کے بعد غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا اور اب پچھلے گیارہ سالوں سے لاکھوں افغانیوں کا تورا بورا بنانے اور چھ کھرب ڈالر سے زائد اس جنگ میں جھونک دیئے جانے کے باوجود وہاں بھی خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

امریکی جارحیت کے مقابلے میں وہاں کے لوگوں نے جب مزاحمت شروع کی تو امریکا نے فوری طور پر ان ممالک کے ہمسایہ ممالک پر بھی دباؤ بڑھانا شروع کر دیا جس کیلئے پاکستان کے کمانڈو پرویز مشرف کو اپنی ناجائز حکومت کو بچانے کیلئے امریکا کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا لیکن ان تمام کاروائیوں کے باوجود امریکا کے خلاف مزاحمت کا ایسا سلسلہ چل نکلا جس نے نہ صرف امریکا بلکہ اس کے اتحادیوں کو ایسے معاشی خسارے میں مبتلا کر دیا کہ اب امریکا سمیت تمام اتحادی اس کمبل سے جان چھڑانے کیلئے بیتاب نظر آ رہے ہیں۔ انہی دنوں پاکستان پر دباؤ بڑھانے کیلئے ایک نئی اصطلاح "نان اسٹیٹ ایکٹر" متعارف ہوئی اور امریکا نے ان تمام جماعتوں اور گروہوں کو اس میں شامل کر دیا جو امریکا کی اس ظالمانہ جارحیت میں نہ صرف اس کا ساتھ دینے سے گریزاں ہیں بلکہ کھلا کھلا امریکا اور اس کے اتحادیوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنا اپنا ملی اور قومی فریضہ سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر باوجود شدید سیاسی مخالفت کے جنرل پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو اس امر پر یک زباں تھے کہ پاکستان میں نان اسٹیٹ ایکٹرز کا رول بڑھتا جا رہا ہے اور نان اسٹیٹ ایکٹرز خطرہ بنتے جا رہے ہیں۔ دونوں ہی انہیں اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے اور ملک کیلئے خطرہ قرار دیتے تھے۔ نقطہ نظر میں فرق ہو سکتا ہے، سمجھ کا ہیر پھیر ہو سکتا ہے لیکن دونوں میں اتفاق رائے پر کوئی اختلاف نہیں تھا اور موجودہ حکومت بھی اسی فارمولے کو تھامے چل رہی ہے۔ اس مؤقف پر میں نے اپنے ایک کالم میں تحریر کیا تھا کہ اس ملک میں سماجی بہبود کا کام جو حکومت کی ذمہ داری ہے نان اسٹیٹ ایکٹرز نے بڑے احسن طریقے سے سنبھالا ہوا ہے، تعلیم علاج معالجہ غربت کا خاتمہ سیلاب زلزلہ وغیرہ کی صورت میں نان اسٹیٹ ایکٹرز ہی سب سے آگے ہیں حتیٰ کہ جہاد جیسا سرفروشی کا معاملہ بھی نان اسٹیٹ ایکٹرز کر رہے ہیں تو پھر حکومت بھی نان اسٹیٹ ایکٹرز ہی کو دے دی جائے کہ ان کا ٹریک ریکارڈ ہر معاملے میں قابل رشک ہے۔

اب امریکا نے پاکستان پر مزید دباؤ بڑھانے کیلئے اپنے مفادات کی خاطر بھارت کو خوش کرنے کیلئے پاکستان کے ایک بہت بڑے نان اسٹیٹ ایکٹر حافظ محمد سعید کی گرفتاری پر ایک غیر معمولی انعام مقرر کر کے اپنے اگلے پروگرام کی تکمیل کیلئے ایک واضح پیغام جاری کر دیا ہے اور اب ایک مرتبہ پھر پینٹا گون قصر سفید سے ایک اور فاش غلطی کروانے کا مرتکب ہوا ہے کہ شکاگو کانفرنس سے قبل بڑی عجلت میں اوبامہ نے افغانستان پہنچ کر ایک ایسے معاہدے پر دستخط کئے ہیں جسے شکاگو کانفرنس کے موقع پر ہونا تھا۔ نیٹو سپلائی کی بندش نے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو فی الحال ایک ایسی

الجھن میں مبتلا کر دیا ہے کہ جس کو سلجھانے کیلئے پینٹا گون سے مسلسل غلطیوں کا صدور ہو رہا ہے۔امریکا کی نظر میں طالبان جو اس خطے کے سب سے بڑے نان اسٹیٹ ایکٹر ہیں اور بڑی تگ و دو اور محنت کے بعد ان سے مذاکرات شروع ہونے کی امید بنی تھی لیکن اس حالیہ معاہدے نے کئی سال کی محنت کو نہ صرف غارت کر دیا ہے بلکہ طالبان نے بہت جلد قطر میں اپنا دفتر بند کرنے کا عندیہ دے دیا ہے اور اسی طرح پاکستان کو بھی اس معاملے سے بزور شمشیر اپنا ہمنوا بنانے کی غلطی دہرائی جا رہی ہے کہ پاکستان پر شدید ترین مالی دباؤ بڑھا کر اپنی مرضی کے فیصلے پر مہر ثبت کروالی جائے جس کیلئے امریکا نے اب پاکستان میں اپنی حمائت بڑھانے اور پاکستانی قوم کو انجانے خوف میں مبتلا کرنے کیلئے پاکستانی میڈیا میں ایک خصوصی گروہ کو خریدنے کیلئے اپنے خزانے کے منہ کھول دیئے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ پاکستان کے ایک چینل نے گویا امریکا سے معاہدہ کر لیا ہے کہ جو کام پاکستان کی کوئی حکومت نہیں کر سکی اب میڈیا کے توسط سے وہ کر کے دکھائیں گے اور امریکی خزانے سے مستفیذ ہونے کیلئے میاں بیوی تو ایک ہی چینل سے اب دن رات میڈیا میں جمہوریت کے تحفظ کے نام پر نان اسٹیٹ ایکٹرز اور ملکی انٹیلی جنس کو برا بھلا کہتے ہوئے امریکا بہادر کا کام سر انجام دے رہے ہیں اور جبکہ امریکا میں پینٹا گون بھی تو وہی کردار ادا کر رہا ہے لیکن میڈیا کے انہی جغادریوں کو ان کے بارے میں کبھی بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی ۔

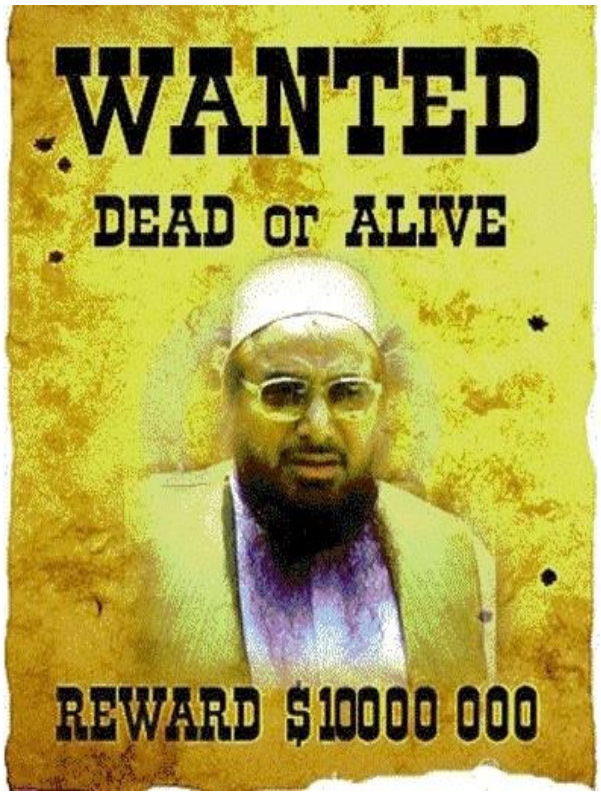

لیکن گزشتہ دنوں پاکستان کے ایک بہت بڑے نان اسٹیٹ ایکٹر حافظ محمد سعید سے درجنوں صحافیوں نے ملاقات کی جہاں موضوع یہ تھا کہ ہم سب مل کر پاکستان کا دفاع کیسے کریں؟ حافظ سعید کا صحافیوں سے سوال تھا کہ بتائیں دفاع پاکستان کیلئے کیا کیا کر سکتے ہیں؟ مختلف مشورے سامنے آئے لیکن ایک سوال تین مرتبہ اٹھا،اس کا تسلی بخش بلکہ جواب کی سطح کا جواب نہیں مل سکا۔شاید حاضرین بھی اس حوالے سے لاجواب تھے اور سوال تھا کہ ملکی سرحدوں کی جو ہولناک صورتحال حافظ سعید پیش کر رہے تھے،بھارتی فوجی تیاریوں کی جو کیفیت بیان کر رہے تھے،پاکستانی حکمرانوں کی بے حسی اور امریکی عمل دخل کا جو حوالہ دے رہے تھے،اس کی روشنی میں سوال تھا کہ کیا ملکی دفاع کے ذمہ داران اس صورتحال سے واقف نہیں؟

لوٹ پھیر کر پھر یہی سوال سامنے آیا کہ کیا ملکی دفاع کے ذمہ داران اس صورتحال سے واقف ہونے کے باوجود آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں اور جب اس کا بھی جواب نہیں آیا تو یہ سوال بھی آگیا کہ کیا قومی دفاع کے ذمہ داران ناکام ہو گئے ہیں؟ لیکن ان سب حوالوں سے سوال کا جواب نہیں مل سکا ۔حافظ سعید بھی کھل کر یہ نہیں کہہ سکے کہ دفاع پاکستان کے ذمہ داران ناکام ہیں،نااہل ہیں یا لاعلم ہیں لیکن اس بات پر ان کا اصرار تھا کہ ہم تو اپنا کردار ادا کریں گے۔ان کا کہنا تھا اور اس امر پر حاضرین کی بڑی تعداد متفق تھی کہ موجودہ حکمران ملک کو بھارت کا بھی غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ایٹمی پروگرام اور ملک کے وسائل خطرے میں ہیں۔پانی بھارت کے قبضے میں،پاکستانی مصنوعات بھارت کی وجہ سے خطرے میں ہیں اور اب بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دینے والی بھی موجودہ حکومت ہی ہے تو اس کا راستہ روکنے کیلئے ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔

حافظ سعید کا یہ خیال بھی سب کے خیالات سے مطابقت رکھتا تھا کہ بھارت کو صرف چین کے سامنے کھڑا کرنے کیلئے نہیں بلکہ پاکستان کا ناطقہ بند کرنے کیلئے بھی آگے لایا جا رہا ہے اور اس سب کے پیچھے امریکا ہے لہذا افغانستان کی صورتحال،کشمیر کی صورتحال اور پاک ایران کشیدگی سب کے

پیچھے امریکا ہے، اس کی پیش قدمی روکنی ہوگی۔ اسی لیے دفاع پاکستان کونسل نے ملک بھر میں عوامی بیداری پیدا کر دی ہے۔ حافظ سعید کی درد مندی سے کسی کو انکار نہیں تقریباً ہر پاکستانی کسی نہ کسی حوالے سے فکر مند ہے کہ پاکستان کا کیا ہوگا؟ اس ملک میں غیر ملکی عمل دخل اس حد تک بڑھ گیا ہے کے باہر سے آکر آدمی ہمارے لوگوں کو اسلحہ کے ذریعہ قتل کرتا ہے اور وی آئی پی طریقے سے ملک سے نکل جاتا ہے۔ ایبٹ آباد میں غیر ملکی طیارے ہیلی کاپٹرز وغیرہ کارروائی کرتے ہیں اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ مہران بیس پر حملہ ہوتا ہے اور نشانہ صرف بحری قوت کا وہ حصہ بنتا ہے جو بھارت کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔

لیکن اس سوال کا بھی جواب لوگ تلاش کر رہے تھے کہ پاکستان میں غیر ملکی عمل دخل کے اہم سبب جنرل پرویز کے قریبی ساتھی دفاع پاکستان کونسل میں کیا کر رہے ہیں۔ جنرل ضیاء کے صاحبزادے اعجاز الحق اور جنرل پرویز کے نفس ناطقہ شیخ رشید احمد بھی دفاع پاکستان کونسل میں ہیں اور نیٹو سپلائی کی اجازت دیتے وقت بھی وہ حکمرانوں کے ساتھ تھے، اب نیٹو سپلائی روکنے کے حق میں ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہی لوگ اس صف میں بھی ہیں جن کی وجہ سے دفاع پاکستان کونسل کی ضرورت پڑ گئی؟ ایک سوال اور بھی ہے کہ کہیں دفاع پاکستان کونسل صرف پیپلز پارٹی کی حکومت گرانے تک کام کرے گی یا اس سے آگے بھی کوئی ایجنڈا ہے؟ کیا مستقبل میں دفاع کونسل کو کسی سیاسی جماعت میں تبدیل کرنے کے امکان موجود ہیں؟ بہر حال اس بات پر بھی شرکاء متفق تھے کہ حافظ سعید اور ان کے ساتھ موجود اسلامی جماعتیں اسلام آباد پہنچیں، جب تک وہ اسلام آباد نہیں پہنچیں گی ملک پر اسی طرح کے لوگ حکمران رہیں گے۔ لہذا اگر یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا تو یہاں اسلام ہی نافذ ہونا چاہیے اور یہ بات تو طے ہے کہ ملک میں اسلامی نظام بھی نان اسٹیٹ ایکٹرز ہی نافذ کریں گے جس سے نہ صرف امریکی ڈالروں پر پلنے والے بلکہ امریکا کے ساتھ ساتھ بھارت بھی خوفزدہ ہے کہ اگر افغانستان میں امن قائم ہو گیا تو یہ جہادی اپنے کشمیری بھائیوں کو بھارتی ظلم و استبداد سے نجات دلوانے کیلئے کشمیر کا رخ کریں گے اور یہ امن کی آشا کا ڈرامہ بیچ بازار غرق ہو جائے گا۔

بروز ہفتہ ۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۶ مئی ۲۰۱۲ء

یقینِ کامل

یقین کی دولت ہو جس کے پاس اس سے بڑا خوش نصیب اور کوئی نہیں۔ صرف یقین نہیں، یقین محکم.....اس طرح کا یقین کہ چاہے کچھ ہو جائے، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے سورج نکلے گا اور نکلے گا بھی مشرق سے۔ اندھیرا پسپا ہو گا اور سحر نمودار ہو گی اور پھر اندھیرا اسے دھکیل دے گا... یہی ہے اسرار کائنات اور اس پر فکر کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ بس یقین کامل ہو تو نیا کنارے لگ ہی جاتی ہے چاہے چاروں طرف سمندری طوفانوں میں گھری ہوئی ہو۔ ہم اپنی زندگی میں بھی اس کے مظاہر دیکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں ناں کہ فلاں جان تو دیدے گا، میرا اعتماد نہیں توڑے گا، مجھے اس پر پکا یقین ہے۔ لیکن اکثر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ کبھی ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ انسانوں کی بستی ہے، ہر طرح کے لوگ ہیں یہاں۔ بدلتے موسم کی طرح بدلتے لوگ، منہ پر مکر جانے والے۔ لاکھ کہیں آپ نے یہی کہا تھا..... کہیں گے: نہیں نہیں آپ سمجھے نہیں، میں نے یہ نہیں کہا۔ آپ سوچتے رہ جاتے ہیں۔ تحریری معاہدے یہ کہہ کر توڑ دینا کہ یہ کون سے قرآن و حدیث ہیں۔ حلف اٹھانا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے یہاں..... آپ میں اخلاص بھرا ہوا ہو تو پھر قسمیں کھانے کی کیا پڑی ہے!

بالکل صحیح کہتے تھے ہمارے بابا کہ دیکھو اپنی نیت خالص رکھو، کوئی توقع نہیں کوئی لینا دینا نہیں، ہر شے سے بے نیاز اخلاص نیت۔ اگر تم نے اخلاص نیت سے کوئی کام کیا اور وہ بگڑ گیا تو اندر سے آواز آتی ہے، میں نے تو بہت اخلاص سے کیا تھا، اب اللہ کی مرضی۔ کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے بری نیت سے کوئی اچھا کام کیا اور وہ بار آور بھی ہو گیا، پھل پھول دینے لگا، واہ واہ بھی ہونے لگی، لیکن اندر سے آواز پیچھا نہیں چھوڑتی: کام تو ٹھیک ہو گیا، لیکن نیت تو ٹھیک نہیں تھی ناں، باہر کی واہ واہ سے کیا لینا، اندر سے سرشار ہونا چاہیے، باہر سے بنجر ہوں لیکن اندر سے شاداب تو بس یہ ہے اصل ،اور کچھ نہیں۔

ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، لوگوں نے گائے بھینسیں پالی ہوئی تھیں اور شہر میں آکر وہ دودھ بیچا کرتے تھے۔ شہر اور گاؤں کے درمیان ندی تھی۔ سب گوالوں کے پاس اپنی کشتیاں تھیں اور وہ صبح سویرے اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر شہر آکر دودھ بیچا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ایسا بھی تھا جس کے پاس اپنی کشتی نہیں تھی اور وہ دوسروں کے رحم و کرم پر تھا، موڈ ٹھیک ہوا تو اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے لیکن اکثر وہ دھتکار دیا جاتا تھا، بہت پریشان تھا وہ۔ ایک دن اسے کسی نے ایک راہ دکھائی، وہ ایک بابا جی کے پاس پہنچا اور بپتا سنائی۔ بابا جی نے مذاق میں کہہ دیا: تجھے اللہ پر یقین ہے ناں؟ تو وہ بولا: جی بالکل پکا یقین۔ تو بابا جی نے کہا: جب ندی آئے تو آنکھیں بند کر لینا اور اللہ کو یاد کرنا وہ تجھے رستہ دے دے گی۔ دوسرے دن وہ ندی پر پہنچا، آنکھیں بند کیں اور ندی نے اسے راستہ دیا اور وہ پار اتر گیا۔ بہت خوش ہوا وہ۔ اب تو اس کا معمول تھا کہ ندی پر آتا، آنکھیں بند کرتا اور پار چلا جاتا۔ رب نے برکت دی اور اس کا کام چل نکلا۔ ایک دن اسے خیال آیا کہ میں بھی کتنا خود غرض ہوں، جس نے مجھے یہ راہ دکھائی اسے ہی بھول گیا۔ یہ خیال آتے ہی وہ بابا جی کے پاس پہنچا۔ بابا جی اپنے چیلوں کے ساتھ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ اس نے سلام کیا، اور شکریہ ادا کیا، پھر اس نے انہیں اپنے گھر کھانے کی دعوت دی، جو قبول کر لی گئی۔

بابا جی اپنے مریدوں کے ساتھ اس کے گھر جانے کے لیے جب ندی پر پہنچے تو وہ وہاں ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ بہت خوش ہوا وہ، اور بابا جی سے کہا: چلئے آیئے، تو بابا جی بولے: میاں کشتی کہاں ہے؟ تب وہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: آنکھیں بند کر لیجیے اور اللہ کا نام لے کر آیئے، ندی آپ کو راستہ دے گی اور پھر اس نے آنکھیں بند کیں رب کو پکارا اور ندی کے پار جا اترا۔ لیکن بابا جی اپنے مریدوں کے ساتھ وہیں کھڑے تھے، اس نے

بہت آوازیں دیں کہ آیئے، لیکن باباجی یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئے: تو ہمیں ندی میں غرق کرنے بلا رہا ہے، تیرا یقین تجھے مبارک۔

میں اپنے ارد گرد عجیب سے حالات دیکھ رہا ہوں، عجیب عجیب سے لیکچر سن رہا ہوں، لیکن ان سے ہو کچھ بھی نہیں رہا..... بس شور بڑھ رہا ہے اور سماعت اس سے متاثر ہو رہی ہے اور کچھ بھی نہیں..... اس لیے کہ سچائی کے لیے زبانِ صادق کا ہونا ضروری ہے۔ مجھے لگتا ہے ہمیں بے یقین رہبروں نے گھیر لیا ہے۔ چاروں طرف جعلی پن..... یہ بے یقین رہبر ایسی باتیں کر رہے ہیں جن پر انہیں خود بھی یقین نہیں ہے۔ یہی مسئلہ ہے ہمارا۔ میرا رب ہمیں وہ رہبر دے جسے اپنے کہے پر یقینِ کامل ہو، یہ طوفانِ بلاخیز ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، بس ضرورت ہے یقینِ کامل کی۔ اور ہم سب اتنا تو جانتے ہیں ناں کہ کل کا سورج ضرور طلوع ہوگا اور ہوگا بھی مشرق سے۔ آپ یقین رکھیے، یہ جو چاروں طرف اندھیرا ہے ناں، گھپ اندھیرا..... یہ تو ایک جگنو جتنی روشنی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ ضرور طلوع ہوگا سورج اور پسپا ہوگا اندھیرا۔

نیٹو سپلائی کی ممکنہ بحالی کے خلاف دفاع پاکستان کونسل کی جانب سے لانگ مارچ کے اعلان نے وفاقی حکومت کو تذبذب کی کیفیت سے اس قدر دوچار کر دیا ہے کہ رحمان ملک منصورہ میں جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن کی قدم بوسی کیلئے حاضری لگوانے پہنچ گئے۔ ایک طرف تو امریکا بہادر ہے جو اس دفاع کونسل سے اس قدر برہم ہے کہ اس نے بغیر کسی تحقیق کے حافظ سعید کی گرفتاری پر بھاری انعام رکھ دیا اور دوسری طرف موجودہ حکومت دفاع پاکستان کونسل کے ملکی تاریخ کے اس قدر طویل لانگ مارچ کے اعلان سے جو ملک کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے رائے عامہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اس قدر پریشان کر دیا کہ زرداری صاحب باوجود اپنے آقاؤں سے وعدے وعید کے حالیہ شکاگو کانفرنس میں نیٹو سپلائی کی بحالی کا اعلان نہ کر پائے اور ادھر دفاع پاکستان کونسل نے فی الحال لانگ مارچ کو مؤخر کر دیا ہے لیکن حکومت کے سر پر لٹکتی تلوار کا سایہ ابھی برقرار رکھا ہے اور اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ آئندہ انتخابات امریکی حمائت اور اس کی مخالفت کی بنیاد پر ہوں گے۔ اس کیلئے صف بندیوں کا عمل بھی جاری ہو گیا ہے۔ امریکا کے حامی اور مخالف اب واضح ایجنڈے کے ساتھ میدان میں اتریں گے۔ میں نے اپنے پچھلے کالم میں ایک سوال چھوڑا تھا کہ "دفاع پاکستان کونسل صرف پیپلز پارٹی کی حکومت گرانے تک کام کرے گی یا اس سے آگے بھی کوئی ایجنڈا ہے؟ کیا مستقبل میں دفاع کونسل کو کسی سیاسی جماعت میں تبدیل کرنے کے امکان موجود ہیں؟" انتہائی مصدقہ ذرائع کے مطابق یہ غیر سیاسی پلیٹ فارم بہت جلد ایک سیاسی اتحاد میں تبدیل ہونے والا ہے اور اس کا واضح ایجنڈا بھی بہت واضح ہے کہ اب دفاع پاکستان کونسل صرف نیٹو سپلائی کے مسئلے تک محدود نہیں رہے گی بلکہ قومی سلامتی پر اثر انداز ہونے والے دیگر معاملات پر بھی بھرپور آواز اٹھائے گی۔

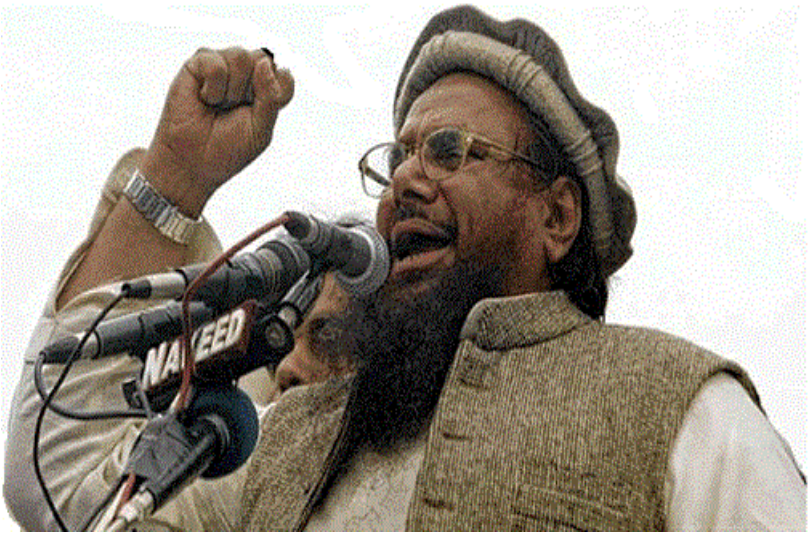

دفاع پاکستان کونسل کے اہم رکن کے توسط سے پتہ چلا ہے کہ "اب نیٹو سپلائی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہم نے دہشت گردی کی اس نام نہاد جنگ سے بھی نکلنا ہے جس نے پاکستان کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ جنگ نہ کل ہماری تھی نہ آج ہماری ہے، جب تک ہم اس جنگ کا حصہ رہیں گے ہم نام نہاد عالمی برادری کے ہاتھوں بازیچۂ اطفال بنے رہیں گے۔ دفاع پاکستان کونسل کو امن کی آشا کے تحت بھارت کے ساتھ بڑھائی جانے والی دوستی اور بھائی چارے کی پینگوں پر بھی سخت تشویش ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کو حل کئے بغیر بھارت سے دوستی اور تجارت کشمیر سے دستبرداری کے

مترادف ہے۔اس لئے دفاع پاکستان کونسل کسی کو بھی کسی صورت میں کشمیر کا سودا کرنے کی اجازت نہیں دے گی"۔

میرا رب آپ کو خوشیاں دے، آپ کا نگہبان رہے، میرا رب ہمیں یقین کی دولت سے نواز دے۔آپ سب بہت خوش رہیں، اپنی مرادیں پائیں ۔ سدا مسکرائیں۔چار دن کی چاندنی ہے اور پھر اندھیری رات۔کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا کہ جس کے نام سے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا ہے۔

دیکھتی ہے جوں ہی پسپائی پہ آمادہ مجھے
روح کہتی ہے بدن سے، بے ہنر میں بھی تو ہوں
دشتِ حیرت کے سفر میں کب تجھے تنہا کیا
اے جنوں میں بھی تو ہوں، اے ہم سفر میں بھی تو ہوں

آج کے دن کے حوالے سے خصوصی نوٹ!

سارا سال مجھے ٹیلیفون پر ویلنٹائن ڈے، مدر ڈے، فادر ڈے اور اسی طرح کی ایک لمبی فضول فہرست پر مبنی پیغامات موصول ہوتے رہتے ہیں لیکن ۲۸ مئی جو کہ میرے مادرِ وطن اور میری زندگی کا سب سے اہم دن یعنی "یومِ تکبیر" ہے، مجھے ایک بھی پیغام موصول نہیں ہوا کیونکہ مغرب میں کوئی بھی اس دن کو نہیں مناتا۔میں اپنے رب کریم کا شکر گزار ہوں اور اس کے بعد دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان تمام افراد کو سلام پیش کرتا ہوں جن کی شب و روز کی محنت سے ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی۔ثم الحمد اللہ

بروز سوموار ۶ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۲۸ مئی ۲۰۱۲ء

اسی کی تیغ سے ڈوبا ہوا لہو میں ہوں

لفظ چاہے کتنے ہی خوب صورت ہوں، سماعتوں کو کتنے ہی بھلے لگیں، انہیں چاہے کتنا ہی خوب صورت کر کے لکھ لو.... دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوں، وہ اخلاص میں گندھے ہوئے محبت میں رچے ہوئے.... وہ آٹا تو نہیں ہوتے ناں جس سے روٹی بنائی جا سکے۔ لفظ تو بس لفظ ہوتے ہیں۔ آپ کا عمل انہیں تعبیر دیتا، انہیں مجسم کرتا ہے، جیسے پتھر ہوتا ہے۔ کوئی ہاتھ اسے خوب صورت مورت میں ڈھال دیتا ہے۔ تصویر پتھر میں نہیں اس دل میں ہوتی ہے جس کے ہاتھ اسے تراشتے ہیں اور لوگ اس صنم کو خوب صورت لفظ دیتے ہیں اور اسے بھول جاتے ہیں جس کی نیند اڑ گئی تھی، جس نے اپنا چین کھو دیا تھا اسے ستائش کے قابل بنانے میں۔ ایسا ہی ہے یا کم از کم میرا تجربہ یہی ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کا مختلف ہو۔ ہاں جب پیٹ بھرا ہوا ہو اور بہت روپیہ پیسہ بینک میں اور زر و جواہر لاکرز میں محفوظ ہوں، اندرون و بیرون ملک میں بہت ساری جائداد ہو پھر لفظ بہت بھلے لگتے ہیں۔ بہت واہ واہ ہوتی ہے۔

میں نے خود دیکھا ہے ایسے لوگ بہت سوشل ہونے لگتے ہیں۔ بڑے بڑے کلب ان کی بیٹھک بن جاتے ہیں جن کی ممبر شپ فیس لاکھوں میں ہوتی ہے اور وہاں لفظوں کا انبار ہوتا ہے اور لذتِ کام و دہن اور پھر الفاظ کی بازی گری۔ نزاکت کے ساتھ افسوس کا اظہار اور بناؤ سنگھار کے ساتھ محفلیں ، ہلا گلا بس الفاظ کی بازی گری.... یہی انہیں درکار ہوتی ہے۔ خود مختاریٔ نسواں، جمہوریت کی آڑ میں دوسرے اداروں کو لتاڑنا اچھا خواب ہے، اور چولہا جلتا رہے اس سے بھی اچھا۔ میرا مالک ہر ایک کا چولہا جلائے رکھے، میرے رب نے تو مخلوق کے لیے وافر رزق اتارا ہے، ہم ہی بہت سوں کے رزق پر قابض ہو گئے ہیں۔ کروڑوں لوگوں کے چولہے بجھا کر اپنے خزانوں کو رونق افروز کر کے غریبوں کیلئے آہیں بھرنا انہی لوگوں کا ایک مرغوب مشغلہ بن گیا ہے اور اس مکاری کو اپنی کامیاب سیاست قرار دے رہے ہیں۔

حکومت کا ایک اشتہار نظروں سے گزرا، بہت ہی خوب صورت لفظوں اور سہانے خوابوں سے سجا ہوا ہے۔ ۳۵ لاکھ سے زائد خاندانوں میں بے نظیر سکیم کے تحت ہر ماہ ایک ہزار روپیہ دینے کا فراخ دلانہ اعلان۔ جی جناب ایک ہزار روپے انہیں ملیں گے اور وہ بھی گھر کی دہلیز پر جن کی آمدنی چھ ہزار سے کم ہو۔ وہ ۸۰ گز سے بڑے مکان یا فلیٹ میں نہ رہتے ہوں، فیملی کا کوئی فرد کسی سرکاری نیم سرکاری خود مختار ادارے یا افواج پاکستان سے تنخواہ وصول نہ کرتا ہو۔ بیوہ یا طلاق یافتہ خواتین یا جسمانی ذہنی معذور افراد یا ایسے افراد جو کسی سنگین بیماری میں مبتلا ہوں لیکن رقم وصول کرنے کی حق دار صرف خاتونِ خانہ ہو گی۔ خوب صورت بے نظیر خواب کی تعبیر کا وقت آ گیا ہے۔ رکن قومی اسمبلی اور سینیٹرز سے فارمز لیے جا سکتے ہیں اور پھر ایک ہزار روپے ماہانہ کی خطیر رقم سے آپ اپنا چولہا جلا سکتے ہیں، کیسے؟ یہ سوال آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ مجھے تو بس آپ کو ایک کہانی سنانی تھی۔ یہ بات تو ویسے ہی درمیان میں آ گئی۔

ایک کتا نزع کے عالم میں تھا۔ اور اس کا آقا پاس بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ فرطِ رنج و غم سے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی، روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے! مجھ پر تو آسمان ٹوٹ پڑا، میں مارا گیا، میں کیا کروں، کدھر جاؤں، کون سے جتن کروں کہ میرے عزیز از جان کتے کی جان بچ جائے۔ اس کے مرنے کے بعد میں کیوں کر جیوں گا؟ غرض اسی طرح اونچی آواز میں روتا اور بین کرتا رہا۔ ایک مردِ فقیر ادھر سے گزرا، کتے کے مالک کو یوں بے حال دیکھا تو پوچھا کہ بھائی خیر تو ہے، یوں گلا پھاڑ کر کیوں رو رہا ہے؟ کتے کے مالک نے جواب دیا: ہائے کیا کہوں کون میری فریاد سننے والا ہے۔ یہ کتا جو تم رستے میں پڑا دیکھ رہے ہو میرا ہے اور اس وقت نزع کا عالم طاری ہے۔ ایسا کتا چراغ لے کر بھی ڈھونڈوں تو نہ ملے گا۔ دن کو شکار کر کے لاتا اور رات بھر

میرے مکان کی نگہبانی کرتا۔ کیا مجال کہ پرندہ بھی پر مار جائے۔ کتا کیا شیر کہو شیر، بڑی بڑی روشن آنکھوں والا۔ یہ ہیبت ناک جبڑا اونچا قد دوڑنے میں ہرن کو مات کرے، اسے دیکھ کر چور اچکوں کی روح فنا ہو۔ شکار کے تعاقب میں کمان سے نکلے تیر کی طرح جاتا تھا، ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بلا کا قانع بے غرض اور وفادار۔

مردِ فقیر نے بے حد متاثر ہو کر پوچھا: تیرے کتے کو کیا بیماری لاحق ہے؟ آقا نے جواب دیا: بھوک سے اس کا دم لبوں پر ہے اور کوئی بیماری نہیں۔ کئی دن ہو گئے اسے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ فقیر نے کہا: اب صبر کر اس کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے! خدا کے ہاں کس چیز کی کمی ہے، وہ تجھے اپنے فضل و کرم سے کوئی اور کتا دے دے گا۔ اتنے میں فقیر کی نظر کتے کے مالک کی پیٹھ پر پڑی جہاں کپڑے میں کوئی چیز بندھی ہوئی لٹک رہی تھی۔ فقیر نے پوچھا: میاں اس کپڑے میں کیا لپٹا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: روٹیاں اور سالن ہے۔ یہ میں اپنے جسم و جاں کی قوت برقرار رکھنے کے لیے ساتھ لے کر چلتا ہوں کہ جہاں بھوک لگے کھا سکوں۔ یہ سن کر مردِ فقیر کو سخت تعجب ہوا کہنے لگا: اے بندۂ خدا! تف ہے تجھ پر تیرا اپنا اتنا پیارا کتا بھوک سے مر رہا ہے لیکن تو اسے کھانے کو نہیں دیتا؟ مالک نے کہا: بے شک کتا مجھے بے حد عزیز ہے لیکن اتنا عزیز بھی نہیں کہ اپنی روٹیاں اسے کھلا دوں، روٹیاں حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ میرے پاس آنسو بے کار ہیں اس لیے کتے کے غم میں بہا دیتا ہوں۔ مردِ فقیر بولا: لعنت ہو تیری عقل اور محبت پر۔ تیری مثال اس مشک کی سی ہے جس میں ہوا بھری ہوتی ہے۔ تیرے نزدیک روٹی کا ایک ٹکڑا آنسو سے زیادہ قیمتی ہے، ارے نامراد! آنسو تو وہ خون ہے جسے غم نے پانی بنا دیا ہے۔ او احمق! یہ خون خاک کے برابر بھی نہیں رہا حالانکہ آنسو کی قیمت کائنات میں کہیں بھی نہیں۔

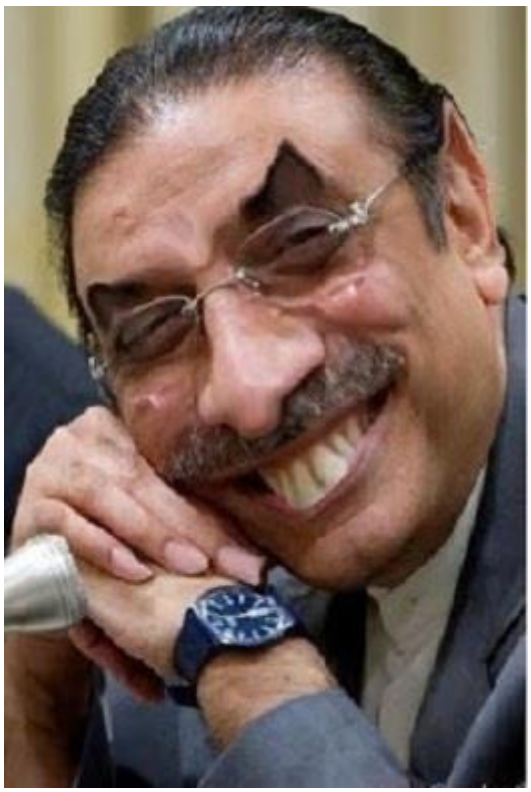

مجھے لاہور کا جیالا بی بی بے نظیر کا سیکورٹی گارڈ شفیق عرف بھولا یاد آ رہا ہے جو اپنی وفا کا نذرانہ اپنی لیڈر کو پیش کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ شفیق کی چار جوان بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا ہے وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک بہت چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ بی بی کی چوتھی برسی بھی گزر گئی مگر ابھی تک انہیں کھانے پینے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ انتہائی کسمپرسی کی زندگی جی رہے ہیں۔ شفیق تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے چلا گیا اور باقی خاندان کو بے بسی کی تصویر بنا گیا۔ جب شفیق کی بیوہ پارٹی کے قائدین سے اپنے حالات کا تذکرہ کر کے مدد کی اپیل کرتی ہے تو اسے جواب میں سننا پڑتا ہے: شفیق عرف بھولا کسی حادثے کا شکار بھی تو ہو سکتا تھا پھر آپ کیا کرتیں؟ سب کو چھوڑ دیجئے جناب! بس اتنا کر دیجئے کہ وہ جو آپ کی پارٹی کے ورکر اپنی جان نچھاور کر گئے وہ جو معذور ہو گئے ان کے خاندان کی کفالت اور ان کے بچوں کی تعلیم کا عزت دارانہ انتظام کر دیجئے۔ میں آپ کا مشکور رہوں گا۔ آپ کے حق میں نغمہ سرائی کروں گا آپ کی ستائش کروں گا..... بس ان ناداروں کے چولہے جلانے میں ان کی مدد کیجئے۔ یاد رکھئے، غور سے سن لیجئے یہی ہیں آپ کا اثاثہ، یہی نہ رہے تو پھر سارا دن دھوپ میں جیوے جیوے، آوے آوے کے نعرے کون لگائے گا؟ آپ کی لینڈ کروزر کے ساتھ ساتھ کون بھاگے گا؟ آپ کو ایسے جیالے بے دام غلام کہاں سے ملیں گے؟ آپ کی نگہبانی کون کرے گا؟ اپنے سینے پر گولی کون کھائے گا؟ وہ جو آپ نے اتنا کچھ جمع کر رکھا ہے اس میں سے ان کے چولہے جلا دیجئے، بیکار کے آنسو مت بہائیے۔ سب کو چلے جانا ہے کوئی بھی یہاں نہیں رہے گا۔ بس نام رہے گا اللہ کا۔

تو مجھ کو بھول گیا ہے مگر میرے مطرب
میں درد بن کے ترے نغمہ گلو میں ہوں
وہ جس کے طرزِ مسیحائی پر ہے شہر نثار
اسی کی تیغ سے ڈوبا ہوا لہو میں ہوں

بروز جمعرات ۹ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۳۱ مئی ۲۰۱۲ء

مدہوش گدھ

گدھ ہیں یہ سب۔ گدھوں کا راج ہے یہاں۔ مردار خور گدھ..... چلتی پھرتی لاشوں کو نوچنے والے گدھ۔ گدھ تو پھر لاشوں کو نوچتا ہے، یہ ایسے سفاک ہیں جو زندہ انسانوں کو پہلے چلتی پھرتی لاشوں میں بدلتے ہیں پھر انہیں نوچنے لگتے ہیں۔ یہ ہے سماج؟ کیا سماج ہے یہ! ہر بونے کا استحقاق مجروح ہو جاتا ہے یہاں۔ اور عوام.....! وہ کب ہیں انسان.....جی رہے ہیں کب.....! بس سانس آ جا رہی ہے۔ اس ظالم اور مدقوق نظام ہی نے جیتے جاگتے انسانوں کو مدقوق کر دیا ہے۔ خون تھوک رہے ہیں وہ۔ چلتے پھرتے انسانوں کا قبرستان۔ آئین، آئین کا راگ، تاراج ،تاراج کا کھیل.....اور اس پر رقص کرتے ہوئے مدہوش گدھ۔ ملکی خزانے کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کیا جا رہا ہے اور بھوک سے نڈھال غریب عوام کے ڈھانچے فریاد بنے آسمان کو تک رہے ہیں۔

بس یہی سنتا ہوں اللہ خیر کرے کوئی خیر کی خبر نہیں ہے۔ اور خدا بھی تو کہتا ہے تم اپنی مدد کرنے پر تُل جاؤ تب میں تمہاری مدد کو آؤں گا۔ تم کچھ کر دکھاؤ پھر فرشتے میں اتار دوں گا مدد کو، نصرت کو۔ تم سر سے کفن باندھو، موت کو للکارو، تمہیں زندگی میں دوں گا، ایسی زندگی کہ پھر تمہیں کوئی مردہ نہیں کہے گا۔ ارے ایسی زندگی جو موت کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دے گی۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ پھر میں تمہارا حامی و ناصر بنوں گا۔ پہلے تم آ ؤ اپنی مدد پر، پھر دیکھو میں تمہارے چاروں طرف اپنے فرشتے کھڑے کر کے تمہیں محفوظ کروں گا۔ تم پہلے آگ میں کود و، ارے اس کو گلزار تو میں بناؤں گا۔ کر کے تو دیکھو، اٹھ کر تو دیکھو... لیکن پہلے تم کچھ کر دکھاؤ۔

اور ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم ٹی وی دیکھتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں، بحث بحث کھیلتے ہیں، سیمینار سیمینار کرتے ہیں۔ سہارا بننے کے بجائے ٹانگیں کھینچتے ہیں ایک دوسرے کی۔ دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے مر جائیں بس ہم زندہ رہیں، بس ہم۔ "میں" کا منحوس چکر۔ کیا لوگ ہیں ہم بھی اسے سادگی نہیں عیاری کہتے ہیں۔ اپنے پالن ہار سے بھی دھوکا، منافقت، جھوٹ اور ریاکاری۔ ہم انتظار کرتے ہیں اپنے رب کا، وہ بھی نیم دلی سے۔ اس کی مدد کا، بے یقینی کے ساتھ۔ ہمیں اس پر بھروسا ہی نہیں ہے۔ اور میرا رب کہتا ہے پہلے تم اترو میدانِ کارزار میں، پھر دیکھو تماشا، اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو... پھر دنیا دیکھے گی کیسے اترتے ہیں فرشتے قطار اندر قطار۔ پھر سج جائے گا یہ میدان۔ لیکن پہلے تم۔

ہر جگہ آگ اور خون کی بارش، ہر جگہ معصوم انسانوں کا قتل عام۔ ذرا اس لہو کو دیکھئے.....ایک رنگ کا ہے ناں کسی کا بھی ہو۔ لہو کا رنگ ایک ہے۔ لہو کا رنگ یہ نہیں بتاتا کہ یہاں زردار ہوں یا نادار۔ قصر سفید کے فرعون کے ایک ہرکارے نے ڈرون حملوں کو عالمی قوانین کے عین مطابق بتایا ہے تبھی تو بڑی آزادی کے ساتھ جب اور جہاں چاہتے ہیں بارود کے گولے داغ دیئے جاتے ہیں جو معصوم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے بھی پرخچے اڑا دیتے ہیں۔

بارود کی منحوس بو سے اٹا ہوا ہمارا ہر شہر، ہر گائوں۔ خاک و خون میں نہائے ہوئے انسان۔ سسکتی ہوئی انسانیت اور پھر اس پر منرل واٹر سیل بند بوتلوں والے، ٹھنڈے یخ کمروں میں واٹر بیڈ کے مزے لوٹنے والے، بڑی بڑی جہازی گاڑیوں میں سیر سپاٹا کرنے والے اور پھر مزید بلٹ پروف گاڑیاں منگانے والے۔ انواع اقسام کے لذیذ کھانے اور اپنی بکواس کرنے کے ماہر ہمارے حکمران.....ان کا پیٹ جہنم کی آگ ہی بھر سکتی ہے۔ انسان کے روپ میں چلتے پھرتے خوب صورت درندے، عوام کی بوٹیاں تکہ کباب کی طرح اڑا رہے ہیں۔ خیر ہی خیر ہے۔ سب ٹھیک ہے۔

کیوں ہو رہا ہے یہ سب کچھ؟ ہمارے ٹیکسوں سے مزے اڑا رہے ہیں۔ یہ اتنے سارے لوگ کس مرض کی دوا ہیں! او یارو، ذرا سوچو، کیوں نہیں

سوچتے تم۔ چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ کیوں نہیں سوچتے !کان میں روئی ٹھونس کر بیٹھے رہو گے !شتر مرغ کی طرح گردن ریت میں کب تک دیئے رکھو گے ! سوچو.....خدا کے لیے..... سوچو، کچھ کرو۔

سوداگروں نے فروخت کر دیا، سب کچھ بیچ ڈالا ہے۔ ہماری کوئی وقعت نہیں ہے۔ ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مردار ہیں ہم اور مردوں کی کوئی نہیں سنتا۔ کیوں نہیں اس کے محرکات معلوم کرتے... کیوں اس پر نہیں سوچتے...اتنے سارے خودکش بمبار کہاں سے نازل ہو گئے.....

کیسے ؟بتایئے.....ان مبینہ خودکش بمباروں کا راستہ کیوں نہیں روکا جاتا؟اس لئے کہ جب یہ اپنے پیاروں کے وجود کے ٹکڑوں کو سمیٹتے ہیں تو اسی وقت یہ عزم کر لیتے ہیں کہ ہم خود بھی اسی طرح ٹکڑے ہو کر اس ساری دنیا کے پرخچے اڑا دیں گے !انہیں اس بات سے مطلب نہیں کہ وہ بھی جواب میں ویسا ہی گھناؤنا جرم کر رہے ہیں۔ یہ تو بہت ہی بزدلانہ حرکت ہے کہ میلوں بلندی سے اپنی ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے اپنی بہادری کا مظاہرہ کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا پر اپنا رعب جما کر دھاک بٹھا دیں گے کہ صرف انہیں اس زمین پر ان داتا سمجھا جائے اور جوان بزدلوں سے محض اس لے ڈر جاتے ہیں تو انہیں کیا آپ بہادر کہیں گے ؟

ان کی بہادری کے قصے مظلوموں کی سرزمین پر دیکھے جا سکتے ہیں کہ کس طرح دن رات ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں اور ان کی کوشش ہے کہ کسی طرح اب اپنی جانیں بچا کر اس ملک سے نکلا جائے اور سازشوں کا سہارا لیکر کوئی ایسا نظام ترتیب دیا جائے جس سے ان کی برتری قائم رہے۔ آخر ان غلاموں کی فوج ظفر موج کس دن کام آئے گی جن کی برسوں سے پرورش کی جا رہی ہے۔ امریکی وائسرائے برائے پاکستان و افغانستان مارک گراسمین نیٹو سپلائی کا مطالبہ لیکر پاکستان آیا تھا لیکن عسکری قیادت کے پرزور دلائل کی بناء پر وہ ایسا کرنے میں فی الحال کامیاب نہ ہو سکا۔ امریکی وائسرے کے پاکستان آنے کے واضح مقاصد تو یہ تھے کہ کسی نہ کسی طور پر نیٹو سپلائی کو بحال کروایا جائے اور سلالہ کے واقعے پر معافی نہ مانگنی پڑے، اس لئے کہ امریکی صدارتی انتخابات اس قدر قریب ہیں کہ اگر قصر سفید نے اس واقعے پر معافی مانگ لی تو اسے خطرہ ہے کہ اس کی قوم آئندہ انتخابات میں مسترد کر دے گی لہٰذا معافی کے آپشن کو یکسر مسترد کر دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ۲ مئی کو اوبامہ نے رات کے اندھیرے میں اچانک افغانستان پہنچ کر چغہ پوش مسخرے سے جو اسٹرٹیجک معاہدہ کیا ہے اسے حتمی اور مؤثر شکل دینے کیلئے پاکستان کوئی چوں چراں کئے بغیر ان کی مدد کرے لیکن کیا امریکا یہ نہیں جانتا کہ اس غیر فطری معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں جو انہوں نے ایک کٹھ پتلی اور مفلوج حامد کرزئی سے کیا ہے۔ آج نہیں تو کل انہیں افغانستان کی صحیح حقدار قیادت "طالبان" سے معاہدہ کرنا پڑے گا لیکن اس معاہدے کا ایک ایک حرف شکست وہزیمت پر مبنی ہو گا۔

دراصل اوبامہ اپنے ووٹروں کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم نے اسٹرٹیجک پارٹنر شپ کر لی ہے جسے بھارت جیسے بڑے ملک کی بھی حمائت حاصل ہے۔ اوبامہ نے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کا ڈھونگ رچانے کیلئے اسامہ کے قتل کے ڈرامہ کے بعد یہ تاثر دیا ہے کہ امریکا کو جو خطرات لاحق تھے وہ ختم ہو چکے ہیں حالانکہ افغانستان کی جو آج صورتحال ہے وہ بالکل مختلف اور وہ امریکا کے حق میں تو قطعاً نہیں کیونکہ طالبان نے ریڈ زون میں داخل ہو کر جو بڑی کاروائیاں کی ہیں اس نے نیٹو اور اس کے اتحادیوں کے ہوش اڑا دیئے ہیں۔ یہ کاروائیاں کابل، قندھار اور ہرات جیسے علاقوں میں کی ہیں جہاں امریکیوں کے بڑے اڈے ہیں جو اس نے اربوں ڈالر سے تعمیر کئے ہیں۔ طالبان نے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو یہ پیغام

دیا ہے کہ وہ غیر ملکیوں کے تمام حصار کو توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور امریکا اور اس کے اتحادی کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ امریکا سمجھ چکا ہے کہ کہ وہ اب افغانستان میں اپنی علامتی فوج بھی نہیں رکھ سکتا، اگر اس نے اپنی علامتی اور مختصر فوج بھی رکھنے کی کوشش کی تو وہ بری طرح مار کھائے گا۔ یہ بہت اہم پیغام ہے جو طالبان نے براہِ راست امریکا کو دیا ہے اور اس صورتحال کو دیکھ کر امریکا اور اس کے اتحادی بدحواس ہو چکے ہیں ۔ ایک طرف الیکشن ہے تو دوسری طرف افغانستان میں پے در پے شکست کا سامنا ہے۔

دوسری طرف بھارت کو بڑی بے چینی ہے اور وہ دوبارہ انہیں مدوبڑے اخباری اداروں کے توسط سے اپنا جال بڑی خوبصورتی اور مکاری سے پھیلا رہا ہے حالانکہ دبئی میں چند سال پہلے بھارت اور پاکستان کے انہیں دو بڑے اخباری اداروں کی کانفرنس میں ایک پاکستانی ریٹائرڈ فوجی سپہ سالار نے بھارت کو کہا تھا کہ "پرویز مشرف نے تمہیں اتنا اچھا موقع دیا تھا جو تم نے گنوا دیا۔ پاکستان ہر بار یہی کہتا رہا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کئے بغیر اس خطے میں امن ممکن نہیں اور اب جس دن افغانستان سے قابض فوجیں نکلیں گی تو یہ تمام جہادی کشمیر کا رخ کریں گے"۔ دنیا کی سپر طاقت کا دعویٰ کرنے والی طاقت اپنے اتحادیوں سمیت ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی تو بھارت تنہا کیا مقابلہ کرے گا۔ بھارت میں تو پہلے ہی دو درجن سے زائد علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہمارے وزیر دفاع کی بزدلی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی وفاداری کے اظہار کیلئے میڈیا میں بیان دے رہے ہیں کہ قصر سفید کے فرعون کو نیٹو سپلائی کی اجازت نہ دی گئی تو عالمی قوانین کی خلاف ورزی کی بناء پر پاکستان پر پابندیاں لگ سکتی ہیں۔

ان نادانوں کو یہ سمجھ نہیں کہ پاکستان کا کردار اسی وقت اہم ہو سکتا ہے جب ہمارے تعلقات فاتح افغانیوں کے ساتھ ہوں بصورت دیگر ہماری کوئی اہمیت نہیں، کوئی کردار نہیں ہوگا اور امریکا ہمیں اسی طرح دھتکارتا رہے گا۔ جب تک طالبان امریکا کے ساتھ مذاکرات نہیں کرتے اور ان مذاکرات میں ہمارا کوئی صحیح کردار نہ ہو تو ہماری اہمیت نہ ہوگی اور ہمیں اپنی اس اہمیت کو حاصل کرنے کیلئے طالبان کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا تاکہ ہم افغانستان سے قابض افواج کے نکلنے کا سبب بن سکیں اور ان کو افغانستان سے نکلنے کا راستہ ہم اپنی شرائط پر دکھائیں لیکن پاکستان کے اسی اہم اخباری اور الیکٹرانک ادارے پر امریکی غلام دانشور یہ خوف پھیلانے میں مصروف ہیں کہ طالبان آجائیں گے تو سارا نظام تتر بتر ہو جائے گا جبکہ وقت اس بات کی گواہی دے گا بالآخر ان غلاموں کو اپنے آقاؤں کے ہاں بھی پناہ نہیں ملے گی۔

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل پہ ہے

بروز سوموار ۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۴ جون ۲۰۱۲ء

دہکتی اذیتیں

آپ کو کیسا لگتا ہے اس وقت جب آپ بہت چاہ سے، محبت سے، کسی کے گھر گئے، بہت خلوص سے ملے، دو باتیں کیں اور میزبان آپ کو سجے سنورے قیمتی نادر و نایاب سامان سے سجے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ٹی وی کا بٹن آن کر کے ریموٹ کنٹرول آپ کے ہاتھوں میں تھمادے یہ کہتے ہوئے کہ آپ ٹی وی دیکھئے، میں بس ابھی آیا۔ پھر بہت دیر گزر جاتی ہے آپ چینل بدل بدل کر اکتا جاتے ہیں اور پھر میزبان سوری کہہ کر آپ کے پاس آبیٹھتا ہے۔ پھر ایک ٹرالی آتی ہے جو لذتِ کام و دہن کے لوازمات سے لدی ہوتی ہے۔ نازک نازک سی پیالیاں، شوگر کیوب بسکٹ، ڈرائی فروٹس اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر آپ چائے پیتے ہوئے کچھ دیر باتیں کرتے ہیں اور پھر آپ سنتے ہیں مصروفیت کا راگ اور میزبان کے چہرے پر گہری بیزاری.....اور رخصت لیتے ہیں۔

راستے بھر آپ سوچتے رہتے ہیں کہ کیا میں چائے پینے اور ٹی وی دیکھنے گیا تھا وہاں! یہ تو مجھے اپنے گھر میں بھی دستیاب ہے۔ میں دل کی بات کرنے گیا تھا۔ انہیں دیکھ کر نہال ہونے گیا تھا۔ دکھوں کی برسات میں سکھوں کی پھوار سمجھتا تھا میں انہیں، اس لیے گیا تھا لیکن.....چلئے چھوڑیئے اس بات کو، ہم سب کا یہی حال ہے۔ جدید ایجادات نے ہماری زندگی آسان کر دی ہے۔ یہ ٹھیک ہے لیکن کس قیمت پر؟ یہ ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ہم نے کیا کچھ کھو دیا۔ خیر یہ بہت لمبی بحث ہے پھر سہی۔ اس سیل فون کو دیکھئے جو ہمارے ہاتھوں میں ناچتا رہتا ہے، گانے سناتا رہتا ہے۔ یہ بے جان سا آلہ ہمارا سجن بیلی بن گیا ہے۔ ہم اپنے اصلی سجن بیلیوں سے محروم ہو گئے ہیں اور کچھ نہ سہی تو اس میں وڈیو گیم ہی کھیلتے رہتے ہیں۔

اس سیل فون نے ہمیں جھوٹ بولنا بھی بہت سکھایا ہے۔ ایک دن میں بڑی مصروف سڑک براڈوے پر کھڑا ہوا تھا میرے برابر ایک صاحب کا سیل فون چیخا، شکل و صورت سے ایشیائی لگتے تھے۔ پھر جب اردو میں گفتگو شروع ہوئی تو جان گیا کہ ہمارے ہی کسی علاقے کے ہونگے۔: ہاں کیا حال ہے؟ خیریت جی جی مالک کا بہت کرم ہے۔ کیا؟ اوہو یہ تو بہت بری خبر ہے۔ صبر کرو۔ نہیں میں نہیں آسکوں گا۔ بہت معذرت دراصل میں لندن میں نہیں ہوں۔ ایک کام سے برمنگھم میں ہوں، کل رات تک مصروف ہوں۔ جی جی، بس جی کرنا پڑتا ہے، اچھا خدا حافظ۔ میں سمجھا یہ صاحب نیند میں ہیں یا شاید رستہ بھول گئے۔ جیسے ہی ایک قریب کھڑے ساتھی نے انہیں مخاطب کیا جناب یہ برمنگھم نہیں ہے۔ آپ بھول گئے یہ تو براڈوے ہے اور....ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے برا سا منہ بنا کر کہا:

مجھے معلوم ہے یہ براڈوے ہے۔ جایئے اپنا کام کیجیے۔ اب بتایئے کیا اس نے ان سے غلط بات کی تھی؟

یہ تو بس ویسے ہی یاد آگیا تو آپ سے کہہ دیا۔ آپ کسی کے گھر جانا چاہیں اگر ان کا موڈ ٹھیک ہے تو پھر تو بات بن جائے گی اور اگر نہیں تو آپ سنیں گے اوہو آپ ضرور تشریف لائیں لیکن اس وقت تو میں گھر پر نہیں ہوں۔ ہم اب تک یہ سمجھ ہی نہیں سکے کس کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ ہم ہر چیز کا علاج پیسے کو سمجھتے ہیں۔ جی جی بالکل ضروری ہے پیسہ بھی لیکن سب کچھ نہیں ہے یہ پیسہ۔ گزشتہ کسی کالم میں میں نے آپ کو بتایا تھا ناں اپنے ایک کلاس فیلو کا مسئلہ۔ مسئلہ کیا المیہ کہ اس نے سب کچھ دیا اپنے بچوں کو لیکن وہ اسے اپنا باپ ہی نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ بچوں کو پیسوں سہولتوں اور آسائشوں کے ساتھ ساتھ آپ کی بھی ضرورت تھی اور آپ دستیاب نہیں تھے۔

بہت پہلے میں نے سنا تھا یا شاید پڑھا تھا کہ ایک بچے نے اپنے ابو سے پوچھا؛ ابو آپ ایک دن کے کتنے پیسے کما لیتے ہیں؟ تب ابو نے دفتر جاتے ہوئے پوچھا کیوں بیٹا؟ بس ایسے ہی پوچھ رہا ہوں، بیٹے نے جواب دیا۔ ابو نے سوچتے ہوئے کہا یہی کوئی سو پاؤنڈ کے قریب۔ پھر بات آئی گئی ہو گئی۔ اور

ایک دن ایسا بھی آیا جب بیٹے نے ابو سے کہا مجھے آپ کا ایک دن چاہیے، کس دن فارغ ہیں آپ؟ بیٹا بہت نقصان ہو جائے گا، ابو نے کہا۔ تب بیٹے نے اپنے گلے میں سے پیسے گن کر سو پاؤنڈ اپنے ابو کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ابو یہ لیجیے ایک دن کا معاوضہ۔ آپ کا نقصان نہیں ہو گا۔ مجھے آپ کا ایک دن چاہیے۔

آپ تو اہلِ دل ہیں سمجھ گئے ناں اس مسئلے کو۔ آپ نے اس دکھ کو محسوس کیا..... دیکھئے جس چیز کی بچوں کو ضرورت ہے وہ تو ہم نے انہیں دی ہی نہیں اور جن چیزوں کے بغیر بھی وہ جی سکتے تھے ہم نے وہ ان پر لاد دی ہیں۔ بچوں کو پیار چاہیے، آپ کا لمس چاہیے، آپ کی موجودگی چاہئے۔ وہ چاہتے ہیں آپ ان کے ساتھ بچے بن جائیں۔ ان کے ساتھ ناچیں گائیں کھیلیں کودیں ان کو پیار کریں اور وہ آپ کو۔ وہ آپ سے دل کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھولنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں آپ ان کی پیشانی چومیں، وہ آپ کو اپنا سجن بیلی بنانا چاہتے ہیں اور ہم سب کے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم ان کے لیے بس پیسہ کماتے رہتے ہیں۔ انہیں نئے کھلونے نئے کپڑے لا کر دیتے رہتے ہیں، وہ پھر بھی اداس رہتے ہیں۔ کبھی وقت ملے تو سوچئے گا کہ کہیں آپ کی محنت رائیگاں تو نہیں جا رہی؟ آپ غلط فیصلہ تو نہیں کر گئے؟ بچوں کو وقت دیجئے، ان کے چہرے پر لکھا دکھ اور ان کی پیشانی پر لکھی محرومی کو پڑھئے۔ اب بھی وقت ہے اگر یہ بیت گیا تو آپ بھی کہیں گے یہ تو مجھے اپنا ابو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ مالک وہ وقت آپ پر کبھی نہ لائے۔

رخصت ہوتے ہوئے ایک اور بہت اہم بات یاد آ گئی جس کا تذکرہ کئی کالموں سے بھی بھاری ہے۔ پچھلے دنوں سرینگر کشمیر سے ایک تیرہ سالہ بچی زینب کا میری اہلیہ کی عیادت کیلئے فون موصول ہوا جس کے چند بے ساختہ جملوں نے میرے یقین کو اس قدر طاقت بخشی کہ میری رگوں میں دوڑنے والا خون اس کا مقروض ہو کر رہ گیا ہے:

"مجھے نہیں معلوم کہ میں آپ کو کس طرح یا کیا کہہ کر مخاطب کروں لیکن یقین کریں جب سے رہبر اور کشمیر عظمیٰ جیسے اخبارات میں آپ کی اہلیہ کی صحت یابی کیلئے دعا کی اپیل شائع ہوئی ہے ہم اپنی تمام عبادات میں سب سے پہلے ان کی صحت یابی کیلئے دعا کر رہے ہیں اور آپ یقین کریں کہ میری یہ دعائیں اس لئے ضرور قبول ہونگی کہ میں ایسے شہداء کی بیٹی ہوں جس کے ماں باپ کے گھر کو کسی کی غلط اطلاع پر آگ لگا کر محض اس لئے زندہ جلا کر شہید کر دیا گیا کہ ان کے ہاں کوئی غیر ملکی پناہ لئے ہوئے ہیں جبکہ میں اتفاق سے اس دن اپنے دادا کے گھر میں موجود تھی اور آج تک یہی ہوں اور دوسری وجہ قبولیت کی یہ ہے کہ میرے رب کا فرمان ہے کہ میرے اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ آپ ہزاروں میل دور بیٹھ کر ہم مظلوموں کے بارے میں تڑپتے ہیں اس لئے ہم بھی آپ کی اس مشکل گھڑی میں دعاؤں کے ذریعے آپ کے ساتھ ہیں"۔ ٹیلیفون پر زینب کے ان چند جملوں نے مجھے صبر کی وہ راہ دکھائی ہے جس نے میرے قلب و جگر کو مطمئن کر کے رکھ دیا ہے۔ نجانے مجھے آج کیوں وہ کربلا کی بی بی زینبؑ یاد آ گئیں جنہیں ام المصائب کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور جن کی فصاحت اور بلاغت سے دنیا آج بھی فیض حاصل کر رہی ہے۔

سدا رہیں آپ شاد و آباد اپنے بچوں کے ساتھ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ اپنے سجن بیلیوں کے ساتھ۔ چند روزہ زندگی ہے اسے اپنوں میں ہی تقسیم کر دیجیے، دوسروں کو دینا ذرا مشکل کام ہے۔ کچھ بھی نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

خوش ہو کے اب سمیٹ دہکتی اذیتیں
کس نے کہا تھا اس کی تمنا زیادہ کر
یوں دفن نہ کر سچ کو پسِ گردِ مصلحت
اس کی منافقت بھی کبھی بے لبادہ کر

بروز بدھ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۶ جون ۲۰۱۲ء

شاطر شکاری اور شکار

بہت ہی ذہین اور محنتی ہے وہ..... کتابوں کا کیڑا۔ موج بڑھے یا آندھی آئے اپنا دیا جلائے رکھتا ہے۔ لہو جما دینے والی سردی ہو برف باری ہو یا سانس دو بھر کر دینے والی گرمی، اس کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ جس کام کا بیڑا اٹھالے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ ہر میدان میں سب سے آگے۔ آج تک پہلی پوزیشن لیتا رہا ہے۔ تقریر ہو یا مباحثہ وہ سب سے آگے ہوتا ہے۔ شوق بھی عجب سے ہیں۔ پہاڑوں پر جیپ دوڑانا شکار کھیلنا اور ذرا سکون سے ہو تو مچھلی پکڑنا ہے اس کا شغل میلہ۔ چند برس پہلے میں جب اس کے گھر پہنچا تو وہ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد تھا۔ وہی کیا اس کے سب گھر والے..... بابا، ماما، پھول اور چاند۔ دوسرا دن تھا کہ وہ اپنا ساز و سامان لے کر جیپ میں بیٹھا اور پھر ہم دونوں ایک بہت ہی خوبصورت جگہ پہنچے۔ اس نے مچھلی پکڑنے کا سامان نکالا۔ میں تو مچھلی پکڑنے کے فن سے بالکل آشنا نہیں۔ میں اسے دیکھ رہا تھا، اس نے بہت پیار سے کھانے کی مختلف چیزیں نکالیں اور انہیں تیز سہ مونہے کانٹے میں پھنسانے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تب اس نے مجھے بتایا تھا یہ تم نہیں جان پاؤ گے۔ میں تو آج تک کچھ بھی نہیں جان پایا لیکن پھر بھی؟ یہ ہے مچھلی کا من بھاتا کھاجا، اسے دیکھ کر ہی تو وہ آگے بڑھتی ہے، اس کی خوشبو ہی اسے راغب کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مچھلی کیوں پھنسے، اور جب وہ منہ کھول کر اسے کھانے آتی ہے تو کانٹا اس کے حلق میں اٹک جاتا ہے اور ہمیں ڈور کی حرکت سے پتا چل جاتا ہے اور پھر ہم ڈور کو ایک جھٹکا دیتے ہیں اور سہ مونہا کانٹا مچھلی کے حلق میں پوری طرح پھنس جاتا ہے ہم اسے باہر نکال لیتے ہیں اور پھر یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا سالن بنائیں، فرائی کریں یا بیچ دیں۔ اچھا تو یہ ہے اصل بات..... میں نے کہا۔

ہمارے بابے نے بھی یہی کہا تھا: دیکھو دنیائے فانی میں شکاری گھوم پھر رہے ہیں، کسی کا پیشہ ہے شکار اور کسی کا شوق، کسی کا بس ویسے ہی، حاصل وصول کچھ نہیں۔ دنیائے ناپائیدار میں بھی اسی طرح تیز نوکیلے سہ مونہے کانٹے لگائے بیٹھے ہیں شاطر شکاری اور ان کانٹوں پر بھی انسان کو لبھانے رجھانے پھنسانے کا چارہ لگا ہوا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کتنی خوبصورتی ہے، رعنائی ہے، دل کشی ہے، دل داری ہے، خدمتِ انسانیت ہے، درد ہے خلوص ہے اور اِس جیسے نجانے کتنے سہانے من موہنے الفاظ اور نادان ان کی طرف لپکتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں۔ پھر شکاری انہیں کھینچ باہر لاتا ہے اور سہانا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے۔ حرص کا کانٹا مکر و فریب کا کانٹا جس پر شکاری بہت خوبصورت چارہ لگائے بیٹھے ہیں جیسے مچھلی سمجھتی ہے:

واہ واہ کتنا اچھا انسان ہے اتنی دور سے آیا ہے اور ہمارا من بھاتا کھاجا لایا ہے۔ اس جیسا ہمدرد تو کوئی نہیں غم خوار کوئی نہیں..... اور منہ مار بیٹھتی ہے اور پھر اپنا انجام دیکھتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی نادان انسان..... دنیاوی کانٹوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور پھر انجام۔۔۔۔۔۔!

بڑی جان جوکھوں اور قربانیوں کے بعد پاکستان میں عدلیہ کو وہ مقام ملا جس کا خواب دیکھنا بھی محال تھا لیکن جنہیں یہ آزادی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی وہ بھی مسلسل اس کی آزادی کو سلب کرنے کیلئے اپنی کوششوں میں مصروف تھے اور بالآخر پہلا کاری وار سامنے آگیا کہ جناب چیف جسٹس کے بیٹے پر بدعنوانی کا الزام لگا کر عدلیہ کو مشکوک اور ایسی آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے کہ عوام بھی بوکھلا اٹھے کہ اب وہ نصاف کیلئے کس کے در پر جائیں۔ یقیناً پاکستانی میڈیا نے کسی کے اشارے پر یہ کام کیا ہو گا لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس کا فوری ایسا فیصلہ سامنے آجائے تاکہ عدلیہ پر عوام کا بھرپور اعتماد ایک دفعہ پھر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔ قابل صد مبارک ہیں چیف جسٹس صاحب جنہوں نے پاکستانی ذرائع ابلاغ پر نشر ہونے والی ان خبروں کا از خود نوٹس لیا تھا جن میں ان کے بیٹے ارسلان افتخار پر کاروباری شخصیت ملک ریاض سے کروڑوں روپے کا فائدہ حاصل کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے۔ میڈیا میں اس واقعے کا فوری نوٹس لیتے ہوئے اپنے بیٹے ڈاکٹر ارسلان سمیت سب کو طلب کر لیا تاکہ دودھ اور

پانی کو الگ کر دیا جائے۔

ابھی یہ خبر سامنے آئی ہے کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے اپنے بیٹے پر بد عنوانی کے الزامات کے معاملے کی سماعت سے علیحدہ ہونے اور ایک خصوصی بینچ تشکیل دینے کا اعلان کیا ہے۔ جمعرات کو از خود نوٹس کی سماعت کے دوران اٹارنی جنرل نے ایک مرتبہ پھر چیف جسٹس کی معاملہ سننے والے بینچ میں شمولیت پر اعتراض کیا جس کے بعد چیف جسٹس نے مختصر فیصلے میں کہا کہ یہ اعتراض بجا ہے اور وہ اس کیس کی سماعت سے الگ ہو رہے ہیں۔ خیال رہے کہ چیف جسٹس کی جانب سے خود اس معاملے کی سماعت کرنے پر اعتراضات کیے جا رہے تھے اور گزشتہ روز اٹارنی جنرل نے کہا تھا کہ ججوں کے ضابطہ اخلاق کے آرٹیکل چار کے تحت انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اب اس معاملے کی سماعت ایک خصوصی بینچ کرے گا جو جمعرات کو ہی دوپہر دو بجے سے اس کی سماعت شروع کرے گا۔

اس معاملے کے اہم کردار ملک ریاض دوسرے دن بھی عدالت میں پیش نہیں ہوئے اور ان کے وکیل زاہد بخاری نے عدالت کو بتایا کہ وہ علیل ہیں اور ایک ہفتے کے بعد ہی پیش ہو سکتے ہیں۔ اس پر عدالت نے زاہد بخاری سے کہا کہ چونکہ اب یہ معاملہ عدالت میں ہے اس لیے اپنے موکل کو مطلع کر دیں کہ وہ اس دوران کسی بھی قسم کا انٹرویو دینے یا معاملے پر رائے زنی سے گریز کریں۔ سماعت کے دوران نجی ٹی وی کے صحافی اور ٹی وی میزبان کامران خان نے بھی اپنا بیان ریکارڈ کروایا جس میں انہوں نے انہیں دکھائی گئی دستاویزات کی تفصیل بیان کی۔

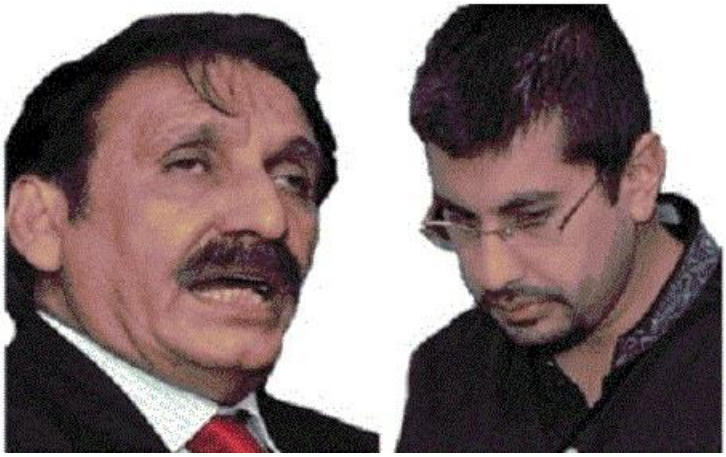

یاد رہے کہ زاہد بخاری وہی صاحب ہیں جو اس سے پہلے ریمنڈ ڈیوس جیسے امریکی جاسوس کے وکیل صفائی تھے اور اس کے بعد ملکی فوج کے خلاف ایک گھناؤنی سازش میمو گیٹ سکینڈل میں حسین حقانی کے وکیل صفائی مقرر ہوئے اور اب ملک ریاض کے وکیل صفائی مقرر ہوئے ہیں جبکہ ملک ریاض کے ادارے نے عدالت کے روبرو اس معاملے سے قطعی لاتعلقی اور لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ واقعی عدالتِ عالیہ کے خلاف سازش کی گئی ہے تو اس کے تانے بانے کہاں جا کر ملتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عدالت کے حالیہ فیصلوں کے بعد یہ سارا ڈرامہ تیار کیا گیا ہے۔

ادھر از خود نوٹس کے بارے میں منگل کو رات گئے سپریم کورٹ کے رجسٹرار فقیر حسین کی جانب سے ایک پریس ریلیز جاری کی گئی تھی جس میں کہا گیا کہ کئی ٹی وی ٹاک شوز میں عدالتی عمل پر اثرانداز ہونے کے لیے کاروباری شخصیت ملک ریاض اور جسٹس افتخار محمد چوہدری کے بیٹے ڈاکٹر ارسلان افتخار کے درمیان کسی بزنس ڈیل کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ پریس ریلیز کے مطابق ٹاک شوز میں کہا گیا کہ ملک ریاض نے ڈاکٹر ارسلان کو تیس سے چالیس کروڑ روپے دیے اور ان کے غیر ملکی دوروں کو بھی سپانسر کیا۔ پریس ریلیز میں یہ بھی کہا گیا ہے خبروں کے مطابق یہ عنایات ڈاکٹر ارسلان پر اس لیے کی گئیں تاکہ ان کے والد سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس افتخار چوہدری پر اثرانداز ہو کر ان کے دل میں ملک ریاض کے لیے نرم گوشہ پیدا کیا جا سکے۔ ایسا کرنے کا مقصد ملک ریاض کے خلاف سپریم کورٹ میں زیرِ التوا مقدمات میں حمایت حاصل کرنا تھا۔

ڈاکٹر ارسلان چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے سب سے بڑے بیٹے ہیں اور سرکاری ملازم تھے لیکن ۲۰۰۹ء میں اپنے والد کی چیف جسٹس کے عہدے پر بحالی کے بعد اطلاعات کے مطابق انہوں نے نوکری سے استعفیٰ دیدیا تھا۔

بس دعا یہی کرنی چاہیے کہ مالک ہم پر نگاہ رکھنا کبھی بد راہ نہ کرنا۔ دیکھ ہم تو نادان ہیں، نادار ہیں کمزور ہیں کچھ بھی تو نہیں جانتے ہم، بس تو ہی ہم پر اپنا فضل کرنا اور ہمیں راہِ ہدایت پر رکھنا۔ ہمارا من چاہے نہ چاہے ہماری لگام تھامے رکھنا۔ مالک چیزوں کی اصلیت کو کھول دے۔ ہم نابینا ہیں ہمیں بینا کر، ہم نادان ہیں دانا بنادے۔ رب کا فضل ہی بچا سکتا ہے اور تو کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ دیکھئے ناں کتنی زبردست بات ہے "مومن کی بصیرت سے ڈرو وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے"۔ اسی لیے تو جناب اقبال نے فرمایا ہے: ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ۔ کنول ہمیشہ کیچڑ میں کھلتا ہے بس یہ ہے اصل بات۔ مالک آپ پر اپنا فضل و کرم فرماتا رہے۔ راستہ دکھاتا رہے۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

رتیں وصال کی اب خواب ہونے والی ہیں

کہ اس کی بات کا لہجہ بدلتا جاتا ہے

وہ بات کہہ جسے دنیا بھی معتبر سمجھے

تجھے خبر ہے زمانہ بدلتا جاتا ہے

بروز جمعۃ المبارک ۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۸ جون ۲۰۱۲ء

میڈیا کا کردار

موجودہ ذرائع ابلاغ اور پروپیگنڈے کے سحر نے پاکستانی عوام کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں اس قدر جکڑ لیا ہے کہ بعض ملک دشمن اینکر ایک خاص غیر ملکی ایجنڈے کے تحت عوام الناس کی سوچوں کا رخ تبدیل کرنے میں دن رات مصروف ہیں۔ آج پروپیگنڈے کی بنیاد پر بڑی آسانی کے ساتھ عوام کو گمراہ بھی کیا جا سکتا ہے اور راہِ راست پر بھی لایا جا سکتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ اس قدر زوردار ہوتا ہے کہ بعض اوقات حق و باطل میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب عالمی طاقتیں میڈیا کو مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ یہ میڈیا ہی تھا جس نے عراق کے ان خوفناک ہتھیاروں کی جھوٹی خبروں سے دنیا کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ عراق میں خوفناک ہتھیاروں کا پروپیگنڈہ کر کے جہاں لاکھوں بے گناہ افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے وہاں صدیوں کی تاریخ کا امین ملک کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا جبکہ دنیا گواہ ہے کہ عراق میں آج تک کوئی خوفناک ہتھیار برآمد نہ ہو سکے اور حملہ آور اب بھی دنیا کے سامنے شرمندہ ہونے کا نام تک نہیں لیتے لیکن تاریخ ان کرداروں کو ہمیشہ ظالموں کی فہرست میں جلی حروفوں سے یاد رکھے گی اور آئندہ نسلیں ان کے اس قبیح فعل پر لعنت ملامت کرتی رہیں گی۔

پوری دنیا میں میڈیا کا ایک اہم رول ہے اور یہ ایک دودھاری تلوار کی مانند ہے۔ پوری دنیا کے مبصرین کا امریکی میڈیا کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ وہاں میڈیا کا کنٹرول حکومت کے ہاتھ میں نہیں بلکہ بڑے تجارتی صنعتوں سے وابستہ ہے۔ یہ تجارتی صنعتیں دراصل بین الاقوامی لین دین جس میں خاص کر جوہری آلات حرب و ضرب، تیل کی معدنیات اور دوسری اہم چیزیں شامل ہیں، انہی کے کنٹرول میں ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہم شعبے بھی انہی کی گرفت سے باہر نہیں۔ یہی میڈیا رائے عامہ ہموار کر کے پھر حکومتی پالیسیوں پر اس طرح اثرانداز ہوتا ہے کہ گویا ان کے بغیر حکومت ایک عضوِ معطل ہو۔ اس ضمن میں یہ ادارے اپنے مفادات کے حصول کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون بھی کرتے ہیں لیکن ساؤتھ ایشیا یا تیسری دنیا کی صورتحال اس کے برعکس ہے۔ یہاں کا تمام میڈیا حکومتوں کے تابع ہوتا ہے۔ حکومتوں کی پالیسیوں کو نافذالعمل بنانے کیلئے یہ ایک آلہ کار کے طور پر کام کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ یہاں کے میڈیا کی کوئی اپنی پالیسی ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ کسی گروپ کی خدمت کیلئے صرف اس کے نظریہ اور اس کی ترجیحات کے پروپیگنڈے ہی کیلئے وقف ہوتا ہے جس کا مطالعہ و مشاہدہ ہم آئے روز کرتے ہیں۔

یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ میڈیا بذاتِ خود ایک محدود دائرے کے اندر کام کر رہا ہوتا ہے یا پھر اپنی اقتصادی بدحالی کا شکار ہوتا ہے اور اس کی آمدن بھی دراصل حکومتی اشتہارات اور دوسرے مخصوص ذرائع سے ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا ٹی وی ریڈیو اور پرنٹ میڈیا اپنے محدود وسائل کی بنیاد پر حکومتوں ہی کا دستِ نگر ہوا کرتا ہے اور حکومتوں کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے انہیں اپنی جادو کی چھڑی سے گھما لیتے ہیں۔ برصغیر کی حد تک اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی گروپ اقتدار میں ہوتا ہے تو میڈیا اس کے گن گانے میں مصروف ہوتا ہے اور اس ضمن میں پاک بھارت کے تعلقات میں الیکٹرانک اور پریس میڈیا کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح سے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے ایک دوسرے سے سرگریبان ہوتے ہیں لیکن پچھلے چند سالوں سے ان حالات میں ایک ایسی ڈرامائی تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ اب ہزاروں میل دور بیٹھ کر قصرِ سفید اپنے مفادات کی خاطر تیسری دنیا کے میڈیا کو خریدنے کیلئے ڈالروں کی بارش برسا رہا ہے اور اپنے اس عمل کو چھپانے کی بجائے اس نے باقاعدہ تشہیر میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔

ادھر دوسری طرف بھارتی قیادت زبانی طور پر خواہ کچھ بھی خرچ کرتی رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے ۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک مختلف

طریقوں سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ کب کا حل کیا جاچکا ہے اور اب یہ ایک طے شدہ معاملہ ہے اور اگر کشمیر کے ضمن میں کوئی حل طلب بات ہے تو وہ اس خطے اور رقبہ سے متعلق ہے جو پاکستان کے زیرِ انتظام ہے یا جو دوسری زبان میں آزاد کشمیر کے نام سے جانا جاتا ہے ۔بھارت نے جب سے یہ رویہ اختیار کیا ہے تو اس کی خارجہ و داخلہ پالیسیوں کے جو بھی تشکیلی عناصر رہے ان میں مسئلہ کشمیر اور کشمیری عوام کے تئیں اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی کہ یہ کوئی متنازع معاملہ ہے بلکہ اس حقیقت کو چھپانے کیلئے "بھارت کے قومی پریس نے ان کی داخلہ پالیسی کا دفاع کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ کشمیر کا الحاق بھارت سے کیا جاچکا ہے اور اب تو یہاں انتخابات ہوتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کوئی متنازع خطہ نہیں ہے"۔

۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک بھارتی اخبارات کا جائزہ لیا جائے تو وہ اسے بھارت کی قومی پالیسی قرار دیتے ہوئے عوام میں اس کی باقاعدہ تشہیر کر رہے ہیں کہ کشمیر بھارت کا ایک اٹوٹ انگ ہے اور بھارت کا قومی پریس، ریڈیو اور الیکٹرانک میڈیا اس قومی پالیسی کے خلاف بات کرنا ملک و قوم کے ساتھ غداری کے مترادف سمجھتا ہے۔

اس سے عیاں ہوتا ہے کہ بھارت ایک منصوبے کے تحت ۱۹۴۷ء سے ہی اس پر گامزن ہے۔اس کا منشاء دراصل یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ تک ان کی یہی پالیسی رہے اور مسلسل اسی کو مطمعٔ نظر بنا کر تمام قوت کے ساتھ جمارہا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عالمی طاقتیں بھی اس کو بھول جائیں گی یا اسے ایک فرسودہ عمل سمجھ کر چشم پوشی کریں گی اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی۔جب کبھی مسئلہ کشمیر کے ضمن میں کوئی اضطراب پیدا ہوا تو اسے پاکستان کی شرارت یا عوام کے معاشی و معاشرتی مسائل سے پیدا شدہ ایک ناخوشگوار واقعہ قرار دیکر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کشمیریوں نے جب بھی اپنے حق خودارادیت کیلئے آواز بلند کی تو ہمیشہ بھارتی پریس نے اسے اقتصادی بدحالی یا بدانتظامی کہہ کر اس پر اپنی واضح صحافی بددیانتی کا ارتکاب کیا یا پھر دوسرے ملکوں کی شرارت کہہ کر ٹرخا دیا اور ان باتوں کو سچ ثابت کرنے کیلئے بھارتی میڈیا یک زبان ہو کر اپنے عوام کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

بھارت کا کوئی بھی اخبار پڑھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کو چھپانے میں انتہائی مہارت سے کام لیتے ہیں اور اس میں بھارت کا قومی پریس پیش پیش رہتا ہے جس میں ٹائمز آف انڈیا، ہندوستان ٹائمز، دی ہندو اور دوردرشن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اور یہ وہی ٹائمز آف انڈیا ہے جو پاکستان کے ایک نشریاتی ادارے کے ساتھ مل کر "امن کی آشا" کے دن رات گیت الاپ رہا ہے۔حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ یہ پاکستانی چینل کس کے اشارے پر "اس بدترین جمہوریت" کی تعریف کی آڑ میں دوسرے قومی اداروں کو مطعون کر کے بھارت کی خدمت پر مامور ہے؟ بھارتی میڈیا نے پاکستان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو ہمیشہ سے شہ سرخیوں میں جگہ دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی ریاست اور دہشتگردوں کی پناہ گاہ ہے اور کشمیر میں جو بھی ہو رہا ہے اس میں پاکستان کا ہاتھ ہے۔

بالخصوص نائن الیون کے بعد خود کو بھارتی میڈیا نے دنیا کے سامنے بھارت کو ایک معتدل اور جمہوری ملک اور پاکستان کو کمزور پوزیشن کے ساتھ ایک دہشتگرد اور دنیا کے نقشے پر لڑکھڑاتا ہوا ایک خطرناک ملک قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن پاکستان کے اس چینل پر بھارت اور امریکا

سے دوستی کا دن رات بھاشن دیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی عوام کو یہ کہہ کر ڈرایا اور دھمکایا جارہا ہے کہ اگر بھارت اور امریکا کی دوستی کا ہاتھ نہ تھاما تو خدانخواستہ پاکستان کے وجود کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ "بھارت کا پریس روزِ اوّل سے اس سرکاری پالیسی کے مطابق مسئلہ کشمیر کے وجود اور اس کے قانونی، انسانی اور اخلاقی جواز کو چھپاتے ہوئے اس پر سماجی اور معاشہ مسائل کی ملمع کاری میں مصروف ہے" اور اگر کوئی صحافی دیانت داری کے ساتھ کشمیر کے بارے میں کچھ لکھنے یا شائع کرنے کی کوشش کرے تو اسے یا تو ڈرا دھمکا کر خاموش کر دیا جاتا ہے یا پھر اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال الصفاء کے ایڈیٹر محمد شعبان وکیل کی شہادت اور بی بی سی وابستہ مشہور و معروف صحافی یوسف جمیل پر قاتلانہ حملے سے نظر آتی ہے لیکن پاکستانی چینل کے ان اندھوں کو بھارت اور امریکا کی دوستی نے خیرہ کر رکھا ہے۔

بروز سوموار ۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۱ جون ۲۰۱۲ء

امریکی تلملاہٹ

ملے اور بچھڑ گئے۔ ریلوے اسٹیشن ہو لاری اڈہ یا ایئر پورٹ..... یہ ایسی جگہیں ہیں جہاں لوگ ملتے ہیں بچھڑتے ہیں، ہنستے ہیں، روتے ہیں۔ کوئی گھنٹوں انتظار کرتا ہے کہ آنے والا آئے اور انتظار کرنے والا سکون و چین پائے اور کوئی اداس کھڑا ہوں ہاں کرتا رہتا ہے کہ ابھی جو سنگ کھڑا ہے وہ چلا جائے گا اور پھر مقدر نصیب کب ملاقات ہو..... ایسی ہے ناں یہ دنیا، یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔ لیکن یہ تماشا بھی ہے بھول بھلیاں، دھوکا گھر..... یہاں زندگی کا سرکس سجا ہے، ہر اک آتا ہے اپنا کرتب دکھا کر چلا جاتا ہے، رہے گا کوئی نہیں یہاں..... نادار بھی اور زردار بھی۔ فرشتۂ اجل وقتِ مقررہ پر آئے گا اور پھر یہ جا وہ جا۔ لوگ باتیں کرتے رہ جائیں گے: ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا، ٹی بی تھی، کینسر تھا.... یہ تھا..... وہ تھا..... اور نہ جانے کیا کچھ۔ بہت ہی کم سنا ہے کہ یار ووقت پورا ہوا اور چار کے کندھے پہ سوار ہو گیا۔ پھر بھی ہم نہیں سمجھتے..... یہی سمجھتے ہیں ابھی تو میں جوان ہوں..... ہم سا ہے تو سامنے آئے۔

موت کا ہرکارہ ہر دم تیار رہتا ہے۔ پاکستان میں ایک دن ایک رکشے کے پیچھے میں نے لکھا دیکھا تھا: "زندگی تو بے وفا ہے ایک دن ٹھکرائے گی، موت محبوبہ ہے اپنے ساتھ لے کر جائے گی" میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ ٹھیک ہے یہ کوئی معیاری شعر نہیں فلمی شاعری ہے لیکن ہے تو زبردست بات۔ موت نہیں چھوڑتی ساتھ لے کر جاتی ہے۔ میں کچھ نہ کچھ گنگناتا رہتا ہوں۔ ایک دن ہمارے بابے نے مجھ سے پوچھا: کیا گا رہا ہے؟ تو میں نے کہا سناؤں؟ کہنے لگے سنا۔ "گائے جا گیت ملن کے تو اپنی لگن کے سجن گھر جانا ہے..... پہلے تو خاموش رہے بہت انہماک تھا، جب میں سجن گھر جانا ہے پر پہنچا تو بس زور و شور سے برسنے لگے، نہ جانے کیا ہو گیا تھا انہیں..... اور پھر ان کا اصرار بڑھتا رہا کہ بس یہی سننا ہے سجن گھر جانا ہے۔ ایک دن میں نے پوچھا کیا ہو جاتا ہے آپ کو! تو کہنے لگے دیکھ کتنی چاہ ہے اس گیت میں کہ چاہے کچھ کر لو سجن گھر تو جانا ہے۔ وہ تھے ہی ایسے ہر وقت موت کو یاد رکھنے والے، اس کا ذکر کرنے والے۔

ایسے ہی ایک اور بابا جی ہر وقت میرے سنگ رہتے ہیں، اپنی قبر خود کھود کر اس میں اکثر لیٹنے والے اور یہ یاد رکھنے والے کہ بس اصل تو وہ ہے، یہ تو نقل ہے دھوکا ہے فریب ہے، یہ تو جاننے والے بھی ماننے والے بھی ہیں، ہم جانتے ہیں نہ مانتے ہیں بلکہ جانتے ہیں تب بھی نہیں مانتے۔ میرے ٹیلیفون کے تو وہ شدت سے منتظر رہتے ہیں۔ عالمی اخبارات کی مشہور خبریں اور تبصرے پڑھنے کیلئے ارسال کرتے رہتے ہیں اور کچھ خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے مشوروں سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔ میرے کالم غور سے پڑھتے ہیں لیکن بہت کم اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن دوسرے دوستوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ کس قدر تعریف اور توصیف سے انہیں یہ کالم پڑھنے کیلئے کہتے ہیں۔ ہاں البتہ چند مرتبہ یہ ضرور کہا کہ اپنا خون مت جلاؤ..... یہ دنیا نہیں سدھرے گا. لیکن تم صبر سے اپنا کام جاری رکھو۔

خود ساری عمر نظریاتی صحافت میں گزار دی، برسوں ایک نظریاتی جریدے کو خون دل سے پالتے رہے، کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی، ان کی صاف گوئی کی ایک دنیا معترف ہے لیکن اب حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ صحت اور وسائل نے مجبور کر دیا کہ اس کو بند کرنا پڑا لیکن زندگی بھر کی جدوجہد اور مشقت کہاں آرام کرنے دیتی ہے۔ اب ان کے مطالعے سے مجھ جیسے کئی مستفید ہوتے رہتے ہیں گویا چراغ سے چراغ جلانے کا عمل مسلسل جاری و ساری ہے۔

نیٹو سپلائی کی بندش اور امریکی جاسوس شکیل آفریدی کی مجوزہ سزا نے قصر سفید کے فرعون اور ان کے ساتھیوں کو شدید مشتعل کر دیا ہے۔ امریکا

کو پوری امید تھی کہ پاکستان شکاگو کانفرنس کے موقع پر نیٹو سپلائی کو کھولنے کا اعلان کر دے گا لیکن پاکستان کی طرف سے جاندار مؤقف اختیار کرتے ہوئے امریکی بلیک میلنگ مسترد کر دینے کے فیصلے نے امریکی حکومت کو شدید تلملاہٹ کا شکار کر دیا ہے۔ امریکیوں سے ڈیل کرنے والے پاکستانی ذمے داران کا کہنا ہے کہ غصے سے پاگل ہوئے جاتے امریکی اس وقت انتہائی اشتعال میں الٹی سیدھی باتوں کے ساتھ ساتھ ایسی حرکتیں بھی کرنے لگے ہیں جن کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل امریکی حکومت نہائت پر امید تھی کہ سعودی دباؤ اور ترک سفارتکاری کے زیر اثر پاکستان گھٹنے ٹیک دے گا اور نیٹو سپلائی نہ صرف امریکی شرائط پر ہی بحال کر دے گا بلکہ اس کی سیکورٹی کی ذمہ داری بھی قبول کر لے گا لیکن پاکستان کی جانب سے کئے گئے اقدامات اور نپے تلے انداز میں اپنا جائز مؤقف پیش کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ سعودی عرب نے دباؤ ڈالنے سے نہ صرف معذرت کر لی بلکہ ایک حد تک پاکستانی مؤقف کو حق بجانب بھی قرار دیا اور دوسری جانب ترک وزیر اعظم نے بھی دورۂ پاکستان کے اختتام پر یہ کہہ کر امریکیوں کا مزہ کرکرہ کر دیا کہ امریکا کو پاکستان سے معافی بہر حال مانگنی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ اب امریکا نے اپنا اصلی رنگ دکھانا شروع کر دیا ہے اور ساڑھے چار ماہ میں بیس اور شکاگو کانفرنس کے بعد دس حملوں سے پاکستان پر اپنی شدید ناراضگی اور ناجائز دباؤ کا واضح پیغام دینا شروع کر دیا ہے۔ پچھلے دنوں لیون پینیٹا نے دورۂ بھارت کے دوران اپنے پرانے الزامات دہراتے ہوئے پاکستان کو کھلی دھمکی اور واشگاف انداز میں کہا کہ امریکی صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ شمالی اور جنوبی وزیرستان میں پچھلے دو ہفتوں کے دوران ۸ ڈرون حملوں میں ۴۵/افراد کی ہلاکت اور حکومتی حامی گروپوں کو نشانہ بنانے سے بظاہر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امریکا اب پاکستان کو دباؤ میں لینے کیلئے آخری حد تک جانے کو تیار ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قصر سفید کے فرعون نے پاکستان پر ڈرون حملوں میں شدت پیدا کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

ڈرون حملوں میں تیزی اور ان حملوں میں حکومتی گروپوں کو نشانہ بنا کر امریکا فوری طور پر دو مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اوّل یہ کہ پاکستان پر دباؤ بڑھا کر نیٹو سپلائی کھولنے سمیت دیگر مطالبات منوائے جائیں اور دوسرا مقصد ان حملوں کے ذریعے حکومت حامی گروپوں میں پاکستانی فورسز کے خلاف اشتعال پیدا کیا جائے۔ پاکستان میں اپوزیشن سمیت اکثریتی سیاسی جماعتیں اور عوامی حلقے ڈرون حملوں کے شدید مخالف ہیں اور ان حملوں کی وجہ سے حکومت کو مذہبی حلقوں بالخصوص دفاع کونسل پاکستان کی جانب سے دباؤ کا بھی سامنا ہے اور امریکا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دوہرے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے اور پاکستانی حکومت کی انہی مجبوریوں کی بناء پر مسلسل بازو مروڑنے کی کوششیں جاری ہیں اسی لئے امریکی ذمہ داران نے پاکستان کے خلاف انتہائی نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے پاکستان کی جانب سے کنٹینروں پر ٹیکس کو بھتہ اور ٹھگی کا نام دیا ہے۔

امریکی سی آئی اے کی جانب سے سب سے زیادہ اس بات پر توجہ دی جا رہی ہے کہ وہ میڈیا اور پروپیگنڈہ کے ذریعے پاکستان کو عالمی سطح پر خوب بدنام کرے جس کیلئے پاکستان میں میڈیا، انسانی حقوق اور حکومتی ذمہ داران میں سے دو درجن سے زائد افراد سے رابطہ کیا گیا ہے اور انہیں امریکیوں نے تمام تر سہولیات فراہم کرتے ہوئے اپنے حق میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان میں بعض اہم کالم نگار

اور اینکرز پرسن بھی شامل ہیں جواب امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھائیں گے۔ کوئی اینکر تو اپنی چڑیا کے حوالے سے امریکی جاسوس شکیل آفریدی کی سزا کے حوالے سے متنازعہ ماحول پیدا کرنے سے کام کا آغاز کرے گا اور کوئی اینکر قوم کو یہ باور کرانے کی کوششوں میں اپنے جوہر دکھلائے گا کہ موجودہ حالات اور نیٹو سپلائی کی عدم بحالی امریکی نہیں بلکہ پاکستان کی شکست ہے اور پھر سب اینکرز یک زبان ہو کر ایک کورس کی شکل میں بہ تکرار کہیں گے کہ پاکستان امریکی جال میں پھنس گیا ہے۔

اپنے اس منصوبے میں سی آئی اے نے بھارتی دوستوں کو بھی شامل کرتے ہوئے دور جن سے زائد پاکستانی افراد سے رابطے بھی ایک بڑے نامور صحافی اور اینکر کے ذریعے ہی کئے ہیں۔ دباؤ میں اضافے کیلئے سندھ اور بلوچستان میں حالات کو مزید خراب کرنے کا منصوبہ بھی شامل ہے جس کیلئے خطرناک ہتھیاروں کی ایک بہت بڑی کھیپ ان علاقوں میں پہنچادی گئی ہے جس میں کندھے پر رکھ کر استعمال کئے جانے والے اینٹی کرافٹ میزائل بھی شامل ہیں۔ خصوصی قوانین نہ ہونے کے سبب دہشتگردوں کے خلاف کاروائی میں مشکلات پیدا ہونے لگی ہیں کیونکہ دہشگرد عناصر انسانی حقوق کے قوانین اور اداروں کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو دباؤ میں لینے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔

نیٹو سپلائی اور کوئٹہ میں بڑے قونصل خانے کی تعمیر سے انکار سمیت پاک امریکا تنازعات کے سبب امریکی اداروں نے پاکستان کے خلاف دباؤ اور دہشتگردی کی حکمت عملی اختیار کرنے کے فیصلے کو حتمی دباؤ کے طور پر استعمال کرنے کی جو پالیسی اختیار کی ہے اب اس کے سبب جنرل پرویز کیانی نے بھی امریکی اعلیٰ عہدیدار سے ملنے سے انکار کر دیا ہے جس کے سبب پاکستان میں موجود امریکی جو نیٹو سپلائی کی بحالی کیلئے مذاکرات کیلئے موجود تھے، واپس چلے گئے ہیں۔ ان تمام خدشات اور پروپیگنڈے کے باوجود سمجھنے والے جانتے ہیں کہ زمینی حقائق بالکل مختلف ہیں اور امریکی بھی جانتے ہیں کہ نیٹو سپلائی بحال نہ ہونے سے افغانستان میں رہنا تو کیا واپسی کا راستہ بھی ملنا ممکن نہیں۔

جہاں بھونچال بنیاد فصیل و در میں رہتے ہیں
ہمارا حوصلہ دیکھو کہ ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں

بروز جمعرات ۲۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۴ جون ۲۰۱۲ء

ملک ریاض گیٹ سکینڈل اور پاکستانی طالبان

اسلام سلامتی لے کر آیا ہے۔ فطرت کی تمام تر رعنائیاں، دل کشی، حسن محبت، ایثار قربانی، اخوت ہمدردی خلوص لے کر آیا ہے اسلام۔ اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی لے کر آیا ہے۔ اسلام اپنا پن ہے۔ زندگی کی ساری نعمتیں اور خوشیاں سمیٹے ہوئے ہے اسلام۔ امنگوں بھرے خواب کی تعبیر ہے اسلام۔ بے سہاروں کا آسرا ہے اسلام۔ بندوں پر رب کا انعام مخلوقِ خدا کو سینے سے لگا کر ان کی نگہداشت کرنا ہے اسلام۔ اسلام محبت ہی محبت ہے۔ اسلام ہی فلاحِ انسانیت ہے۔ انسان کو شرفِ انسانیت تک پہنچانے آیا ہے اسلام۔ حق و صداقت امن و آشتی کا نام ہے اسلام۔ سلامتی کا نام ہے اسلام۔ جبر کی ہر صورت کا انکار ہے اسلام۔ دین کے کاموں میں بھی جبر کا منکر ہے اسلام۔ پیار سے، محبت سے، بھائی چارے سے، خدمت سے، ایثار سے لبریز ہے اسلام۔ کوئی جبر نہیں قطعاً نہیں..... جبر کی ضد ہے اسلام۔ اسلام دینِ فطرت ہے محبت ہے۔ لیکن کون سا اسلام؟ یہ جس کی تشریح کر رہے ہیں سب؟ سب نے اپنا اپنا اسلام بنالیا ہے وہ؟ ہر ایک کا من چاہا اسلام؟ صرف وضع قطع اور الحمدللہ ماشااللہ والا اسلام؟ اسلام کے نام پر گل کھلانے والا دوغلے پن والا منافقت جھوٹ مکر و فریب کسی بھی معصوم کو اپنے دام فریب میں پھنسانے والا اسلام؟ محبت کے نام پر ہوس کاری والا؟ نہیں بالکل بھی نہیں، یہ اسلام نہیں ہے۔ کہتے کچھ اور کرتے کچھ والا اسلام؟ نہیں جناب یہ اسلام نہیں ہے..... تکریم انسانیت کا نام ہے اسلام، بلند نگاہی کا نام ہے اسلام، سخن دل نواز ہے اسلام، جان پر سوز ہے اسلام۔ اپنے عہدے و منصب کو بے جا استعمال کرنا اور اسے اپنا حق سمجھنا اسلام نہیں۔ رب کی نظر میں وہ بندہ مقامِ بلند پر فائز ہے جسے انسانیت کا درد ملا ہو۔ یہ ہے اسلام۔ اسلام جو رب نے بتایا ہے اور محسن انسانیت و میرے آقا و مولا باعثِ تخلیقِ کائنات دنیا میں انسانیت کے سب سے بڑے علم بردار جناب سرکار دو عالمؐ نے بتایا ہے..... صرف بتایا نہیں برت کے دکھایا ہے۔ اسلام بیان کرنے کو نہیں برت کر دکھانے کو کہتے ہیں۔

آپ طب کی کتب پڑھ کر طبیب نہیں بن سکتے، آپ علمِ ہندسہ کی کتابیں پڑھ کر ماہر ریاضی دان نہیں بن سکتے، آپ فنی کتب چاہے جتنی پڑھ لیں مہندس نہیں کہلا سکتے، آپ تیراکی کی کتاب پڑھ کر تیراک نہیں بن سکتے چاہے کچھ کر لیں۔ ہر علم کے لیے ایک مرشدِ کامل کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا مرشدِ کامل جو آپ کو اس کی جزئیات تک سمجھا سکے۔ آپ کو ایک مجتہد کی ضرورت ہے، مرشد کامل کے بغیر یہ سب ناممکن ہے۔ علم کچھ اور، عمل کچھ اور شے ہے۔ ہر ایک مفتی بنا گھوم رہا ہے۔ اپنی مرضی کو اسلام کا نام دے دیا گیا ہے۔ اسلام اس دور کا سب سے مظلوم دین ہے جس کے بخیے ادھیڑے جا رہے ہیں۔ یوں تو پورا ملک ہی جل رہا ہے لیکن حکمران اپنے محلات میں اگلے انتخابات کی کامیابی کیلئے سازشوں کی محفلیں سجا رہے ہیں۔ اس طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا کہ نیٹو سپلائی کی بندش پر آپ کے کھلے دشمن کیا سازشیں کر رہے ہیں؟ اپنے پروردہ پاکستانی طالبان کو دوبارہ متحرک کیا جا رہا ہے؟ پاکستانی طالبان نے اسلام کے نام پر ایک دفعہ پھر لنڈی کوتل میں مسافر بس میں خونخوار حملے کے ذریعے دو درجن سے زائد معصوم اور بے گناہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر اعلان جنگ کر دیا ہے۔ کیا آپ بھول گئے کہ چند سال پہلے سوات میں کیا ہوا تھا؟

نومبر ۲۰۰۷ء میں مولانا فضل اللہ کے حامی طالبان نے سوات کی تین تحصیلوں مٹہ خوازہ خیلہ اور کبل پر قبضہ کر لیا تھا۔ بزور بندوق نام نہاد اسلام کو نافذ کیا گیا۔ وہاں اسکولوں کو بند کر دیا گیا۔ خواتین پر زندگی حرام کر دی گئی۔ مینگورہ میں دو خواتین کو سرعام قتل کر دیا گیا اس لیے کہ وہ گانا گاتی تھیں۔ لوگوں کی سر بریدہ لاشوں کو درختوں سے لٹکایا جاتا تھا، ان کے گلے کاٹے جاتے تھے، داڑھیاں ناپی جا رہی تھیں۔ غیر سرکاری تنظیمیں اور رفاہی ادارے بند کر دیے گئے تھے۔ انہی دنوں تقریباً سات سو اہلکار اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیکر اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ سرکاری اسپتال عملہ نہ

ہونے کی وجہ سے بند ہو گئے تھے، خواتین ڈاکٹرز اور نرسوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ تقریباً دو سو اسکولوں کو بارود کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا تھا جن میں بچیاں پڑھتی تھیں، بچیوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ اپنی عدالتیں سجائی جاتی رہیں، سزائیں دی جاتی تھیں۔ آخر یہ کون سا اسلام تھا جناب؟

یہ مولانا فضل اللہ کا اسلام ہو گا، جناب محمدِ عربی ﷺ کا نہیں۔ یہ اسلام نہیں تھا بدترین سفاکی تھی، انسانوں کا بدترین استحصال ہوتا رہا۔ یہ اسلام نہیں تھا یہ اسلام کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش تھی۔ کوئی یہ نہیں بتاتا تھا کہ ڈیڑھ سال وہاں فوجی آپریشن ہوتا رہا، جیٹ طیارے گن شپ ہیلی کاپٹر ٹینک اور بھاری توپ خانہ استعمال کئے گئے لیکن پھر بھی کافی عرصہ نتائج سامنے نہ آسکے بالآخر سوات کی ان تین تحصیلوں کے باسیوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا تب جا کر اس مصیبت سے نجات ملی لیکن اب تک حکومتی سطح پر کوئی بھی کھل کر نہیں بتاتا کہ آخر یہ طالبان اپنی ضروریات کہاں سے پوری کرتے ہیں، ان کے پاس جدید ترین اسلحہ کہاں سے آتا ہے، جدید گاڑیاں کس نے فراہم کی ہیں، ان کی سپلائی لائن کیوں متحرک ہے؟ ان کے خونخوار ایف ایم ریڈیو کیسے چلتے ہیں؟ اب یہ دوبارہ کس کے اشارے پر سر اٹھا رہے ہیں؟ آخر یہ جن اب تک کیوں قابو میں نہیں آتا؟ عوام کی تو اعلیٰ عدلیہ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں لیکن اس ادارے کو کس کے اشارے پر تباہ کیا جا رہا ہے؟ عدلیہ نے تو چند دنوں میں سو مونوٹس کا فیصلہ سناتے ہوئے

اٹارنی جنرل کو ریاض گیٹ سکینڈل میں ملوث تینوں افراد کے خلاف سخت ترین کاروائی کا حکم دے دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ارسلان افتخار کو جب پیسے دیئے جا رہے تھے تو اس کی فلم کس کے حکم پر بنائی جا رہی تھی؟ کیا رشوت دینے والا بھی اپنا یہ جرم فلما رہا تھا؟ سوالات ہی سوالات ہیں اور جواب ندارد، اور جب جواب نہ ہوں تو پھر عوام کس در پر جائیں؟ یہ تو اچھا ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے پاکستانی چینل "دنیا" پر چلنے والے ملک ریاض گیٹ سکینڈل انٹرویو کی اصل حقیقت کو نشر کر کے ساری قوم کو بتا دیا کہ عدلیہ کو تباہ کرنے کی سازش کے پیچھے کون ہے؟

اپنی خواہشات کو ضرور عملی جامہ پہنایئے جو چاہے کیجئے لیکن اپنے اقتدار کیلئے ملکی اداروں کو اس طرح تباہ و برباد نہ کیجئے اور ان عناصر کو بھی یہ واضح پیغام دینے کا وقت آگیا ہے کہ اپنی ان کاروائیوں کو اسلام کا نام مت دیجئے۔ اسلام کو بدنام مت کیجئے اور سن لیجئے ہم مولانا فضل اللہ کے اسلام کو نہیں محمدِ عربی ﷺ کے اسلام کو مانتے ہیں۔ صرف جناب آقائے دوجہاں ﷺ کے برتے ہوئے اسلام کو۔ اسلام کے نام پر قتل وغارت گری بند کریں۔ ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہیے۔ ہمیں ہمارے آقا و مولا جناب سرکارِ دوعالم ﷺ کا اسلام چاہیے۔ بس وہی اور کچھ نہیں اور اسلام اس کے سوا کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔ اسلام سلامتی لے کر آیا ہے فطرت کی تمام تر رعنائیاں دل کشی حسن محبت ایثار قربانی اخوت ہمدردی خلوص کا نام ہے اسلام۔ اپنا پن ہے اسلام پیار و محبت ہے اسلام۔ انسان کو شرفِ انسانیت تک پہنچانے آیا ہے اسلام۔ انسانیت کو موت نہیں زندگی دینے آیا ہے اسلام۔ جبر کی ہر صورت کا انکار ہے اسلام۔ آپ سے رخصت ہوتے ہوئے حبیب جالب یاد آئے:

خطرہ ہے زرداروں کو..... لمبی لمبی کاروں کو..... امریکا کے یاروں کو..... خطرے میں اسلام نہیں

اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے جناب، رب ہے اس کا نگہبان۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو

ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے
نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

بروز ہفتہ ۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۶ جون ۲۰۱۲ء

مردے کب باتیں کرتے ہیں

تم فکر مت کرو ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم ہی تو کہتے ہو: اللہ ہے کارساز وہی ہے روزی رزق دینے والا۔ اس دن لندن سے ٹیلیفون پر تم نے اب تک سندھ میں سیلاب سے متاثرین کا ذکر کیا تھا تو میں نے تو پہلے بھی اتنے لاکھ روپے دیئے تھے ان متاثرین کے لیے اور اب ایک دفعہ پھر تاجر کمیونٹی کی توجہ اس طرف دلاؤں گا۔ تمہارا وہ دوست اور ہمارا ایک ساتھی تو اب بھی بہت سرگرم ہیں۔ امید ہے بہت عطیات جمع ہوں گے انشاءاللہ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ان کی بات سنتا رہا۔ اچھا! یہ تو بہت اچھا کام ہے نیکی ہے، یہ خدا ترسی ہے، بندہ پروری ہے، بہت سعادت ہے، توفیق ہے یہ زخموں پر مرہم رکھنا ہے، سائبان بننا ہے بہت مبارک ہیں آپ۔ لیکن.....ہاں بولو بولو رک کیوں گئے لیکن کیا؟

آپ تو اتنے بڑے گھر میں.....گھر کیا محل میں رہتے ہیں، تین سرونٹ کوارٹر ہیں آپ کے پاس، گھر کے اکثر کمرے تو خالی ہی رہتے ہیں۔ کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ آپ ایک چھوٹے پانچ چھ افراد پر مشتمل خاندان کو اپنے گھر میں رکھ لیں انہیں اپنی فیکٹری میں کام دلا دیں، انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں، جب وہ تھوڑے دن میں اس قابل ہو جائیں تو انہیں کرایہ کا مکان دلا دیجیے گا، زندگی پھر سے شروع ہو جائے گی، اس طرح ان کی عزتِ نفس بھی پامال نہیں ہو گی، ان کی تصویریں بھی نہیں چھپیں گی، وہ بوسیدہ خیمے کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ ایک اور کام بھی آپ کر سکتے ہیں اپنی بزنس کمیونٹی کے لوگوں کو بھی اس کام کے لیے راضی کر سکتے ہیں۔ پیسے مت دیں خود اپنے ہاتھوں سے ان پر خرچ کریں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم اتنے بڑے سانحے سے نمٹ سکتے ہیں بس آپ یہ کام کر لیں۔ پھر ایک طویل خاموشی پھر ہوں ہاں اچھا میں تم سے بات کروں گا کہہ کر فون کی لائن کاٹ دی۔

اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ وہ اس تجویز پر مجھ سے رابطہ نہیں کریں گے اس طرح کے فون میں نے بہت سے لوگوں کو کئے ہیں، کم و بیش سب کا یہی رویہ ہے۔ ہم سب آسان کام اپنے لیے پسند کرتے ہیں، کرنا بھی چاہئے لیکن کبھی کبھی مشکل کام بھی منتخب کرنا چاہئے۔ مر جانا تو بہت آسان ہے کہ زندگی کا آزار ختم ہو جاتا ہے، جینا مشکل ہے۔ پیسے دینا بھی مشکل کام ہے لیکن اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کسی خاک بسر بے آسرا کو اپنے ساتھ رکھنا، اسے اپنا سائبان فراہم کرنا، اس سے دکھ سکھ سننا، اس کا ہاتھ تھامنا، جب وہ روئے تو اسے سینے سے لگا کر دلاسہ دینا، اس کے لیے تھکنا، اسے امید دلانا اور زندگی کے دھارے میں دوبارہ سے لا کھڑا کرنا۔ بہت مشکل ہے یہ بہت زیادہ مشکل۔ ٹھیک ہے میری تجویز احمقانہ ہو گی ناقابلِ عمل ہو گی.....لیکن میں اسی طرح سوچتا ہوں اور آپ مجھے اس طرح سوچنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ سوال احمقانہ ہو سکتا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن پھر یہ بتایئے کہ کیا احمقانہ سوالات کو جواب سے محروم رہنا چاہئے؟

اتنے بڑے سرکاری محلات ہیں جنہیں ایوانِ صدر کہتے ہیں، ایوانِ وزیراعظم کہتے ہیں، گورنر ہاؤس کہتے ہیں.....اور نجانے ایسی سینکڑوں عمارات جن میں چند لوگ ہی رہتے ہیں، وہاں کیوں نہیں بسایا جاتا انہیں؟ اور پھر یہ عمارات کسی کے ابا حضور کی ملکیت نہیں ہیں۔ عوامی خزانے سے بنائی گئی ہیں۔ زلزلہ آیا تھا تو ہماری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑی ہو گئی تھی۔ ہم بے بس تھے قدرت کے سامنے، ہم زلزلہ نہیں روک سکتے تھے لیکن یہ جو قیامت آئی ہے یہ تو قدرتی نہیں ہے۔ یہ تو ہمارے اپنے ہاتھوں برپا ہوئی ہے۔ کیوں نہیں نکلے ہم اس ظلم کے خلاف۔ یہ آسان کام ہے کہ پیسے جمع کرو، راشن جمع کرو، تصویریں بنواؤ، دوسروں کی عزتِ نفس کو پامال کرو، غیرت مندوں کو جیتے جی مار ڈالو۔ بہت آسان ہے یہ کہنا کہ ہر خاندان کو خیمہ ملے گا۔ اپنے بھرے پرے گھروں کو چھوڑ کر آنے والے بے سروسامان غیرت مند مرد معصوم بچے اور وہ بچیاں اور عورتیں

جن کا کسی نے بال تک نہیں دیکھا تھا آج تک ننگے سر خیموں میں پڑی ہیں۔

لاکھوں خاک بسر لوگ، اہلِ دانش یہ بتائیں وہ جن نفسیاتی مسائل میں گھر گئے ہیں ان سے کس طرح نکلیں گے.....نہ پانی نہ بجلی نہ کھانا پینا..... ..چوک میں لا کر برہنہ کر دیا لاکھوں غیرت مندوں کو۔ اچھا ہے ہمیں اپنے گھروں کے لیے صحت مند ماسیاں مل گئیں، ہمارے کام کر رہی ہیں۔ ہماری گاڑیاں دھونے کیلئے ان کے بچے دستیاب ہو گئے ہیں اور ان کی جوان بچیاں.....رہنے دیں میرا منہ مت کھلوائیں۔ ہماری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے ہم سب منہ کی کلاشنکوف چلا رہے ہیں۔ کیا ماڈرن سیکولر اور کیا اہل جبہ و دستار سب کے سب.....بس چند دن کا ہے جینا پھر اندھیری رات ہے۔ عیش کرو مزے اڑاؤ، صرف خود کو بچاؤ، سب مرتے ہیں تو مرنے دو۔ لیکن کون بچا ہے فرشتہ اجل سے، بولو کون بچا ہے؟ کوئی بھی نہیں، کوئی نہیں بچ سکتا، نہ کوئی نادار، نہ ہی کوئی زردار۔ میڈیا کو تو اب ملک ریاض اور ارسلان افتخار کی کہانی مل گئی ہے، اسی کہانی کو دن رات دہرا کر خوب کمائی کر لیں گے لیکن ان مفلوک الحال لوگوں کا ان آئے دن رونما ہونے والے اسکینڈلز سے کیا لینا دینا؟ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

یوں زندہ ہیں.... کیوں زندہ ہیں

اپنی اپنی قبر میں ہم سب کب سے تنہا لیٹے ہیں

یکدم خواہش سی ہوتی ہے

ہمسائے کی قبر پہ عرشی دھیرے دھیرے دستک دوں

پوچھوں کون ہو تم.... کیسے ہو تم

شاید وہ دو باتیں کر لیں

باتیں کرنے سے پہلے شائد کھنکاری یہ بھی ممکن ہے

کہ کہہ دے شش شش چپ چپ، مردے کب باتیں کرتے ہیں

بروز منگل ۲۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ ۱۹ جون ۲۰۱۲ء

مفروضہ یا حقیقت؟

امریکی فوجی اکیڈیمی کی ویب سائٹ کے مطالعے سے انکشاف ہوتا ہے کہ دوران تربیت امریکی فوجیوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ اسلام امریکا کا دشمن مذہب ہے اور اسے مٹانا ہی امریکی فوج کا مشن ہے۔ مزید یہ امریکا ایک دن مکہ اور مدینہ پر ایٹم بم برسا کر دونوں شہروں کو ختم کر دے گا۔ امریکی فوجیوں کو پڑھانے جانے والے نصاب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام مسلمان امریکا کے دشمن ہیں اور انہیں ایک دشمن کی طرح ہی لیا جائے چاہے وہ عورتیں اور بچے ہوں یا بوڑھے ہوں۔ یہ انکشافات میڈیا میں آنے کے بعد فوج کے ایک سینیئر فوجی افسر نے کئے جو امریکی فوج کے اعلیٰ سکولوں میں اسلام کے بارے میں پڑھائے جانے والے نصاب کی مذمت کی ہے۔

امریکی سکولوں میں پڑھائے جانے والے کورس میں امریکی فوجیوں کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام میں اعتدال پسندی نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ان کے مذہب کو اپنا دشمن تصور کریں۔ انہوں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ امریکا دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہے اور یہ ممکن ہے کہ امریکا مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ کو جوہری حملوں کے ذریعے تباہ کر دے۔ دوسری جانب امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ان کی ویب سائٹ پر موجود نصاب کا مواد اصلی ہے۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل مارٹن ڈیمپسی نے امریکی فوجیوں کے لیے اس کورس کو قابل اعتراض قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کورس امریکا کی ان قدروں کے منافی ہے جو دوسرے مذاہب اور رسم و رواج کے احترام اور آزادی پر مبنی ہیں۔

واضح رہے کہ جنرل مارٹن ڈیمپسی نے اس نصاب کو پڑھنے والے ایک مسلمان امریکی فوجی کی شکایت سامنے آنے کے بعد امریکا کے دوسرے فوجی سکولوں میں کسی مذہب سے متعلق پڑھائے جانے والے ممکنہ کورس کے حوالے سے مکمل تحقیقات کا حکم دیا ہے۔ اس امریکی فوجی نے کہا تھا کہ اگر تمام مسلمان ہی امریکا کے دشمن ہیں اور امریکہ انہیں ختم کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے یا تو اسلام چھوڑنا ہو گا یا پھر امریکی فوج چھوڑ کر امریکا سے نکل جانا چاہئے۔ امریکا میں اس کورس کے حوالے سے تحقیقات کی جا رہی ہیں کہ اس کورس کو پڑھانے کی منظوری کیسی ملی اور کیسے یہ نصابی کتب کا حصہ بنا؟ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون کو امید ہے کہ اس حوالے سے مکمل رپورٹ ایک ماہ کے آخر تک سامنے آجائے گی لیکن ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر گیا لیکن رپورٹ کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تاہم تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ایسا غلطی سے نہیں ہوا بلکہ یہ پالیسی کا حصہ ہے جس کے تحت پورے امریکا کو تمام ہی مسلمانوں کو مشکوک اور مبینہ دشمن قرار دے کر ان کی خفیہ نگرانی کی جاتی ہے۔ اسی پالیسی کے تحت کئی مسلمانوں کو بغیر کسی مقدمے کے قید رکھا گیا ہے یا امریکا بدر کر دیا گیا ہے۔ یہ پالیسی دس سال قبل بنائی گئی تھی جس امریکا نے اسلام کے خلاف جنگ شروع کی تھی اور صدر بش نے اعلان کیا تھا کہ وہ صلیبی جنگ شروع کر رہے ہیں۔ اب دس سال بعد چونکہ حالات بدل چکے ہیں اور امریکا کو شکست کا سامنا ہے جب کہ دنیا بھر میں اس کی پالیسی کو مسترد کر دیا گیا ہے اس لئے معاملہ سامنے آنے پر امریکی فوج کی طرف سے کہا گیا ہے کہ ایسا کسی غلطی سے ہوا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ سرکاری طور پر پورا امریکا تیزی سے انتہا پسندی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ گو ملک میں ڈیموکریٹ باراک اوباما کی حکومت ہے لیکن ملک کی ریاستیں جس تیزی سے انتہائی دائیں بازو کی سوچ کی جانب بڑھ رہی ہیں اس سے ملک کے آزاد اور لبرل سوچ رکھنے والے لوگ مخمصے میں پڑ گئے ہیں۔ چند ماہ پہلے ریاست ٹیکساس کے سرکاری سکولوں کا نصاب ترتیب دینے والے سکولز بورڈ نے اعلان کیا ہے کہ اگلے دس برس کے نصاب میں طالب علموں کو یہ بھی پڑھانے کی سفارش کی جائے گی کہ غلامی کی کیا اچھائیاں تھیں اور غلاموں کے بیوپار کے امریکی

معاشرے پر کیا مثبت اثرات مرتب ہوئے تھے؟ نئے نصاب میں یہ بھی پڑھایا جائے گا کہ اقوام متحدہ امریکا کی آزادی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اور امریکا کے بانی شاید ریاست اور کلیسا کو مکمل طور پر ایک دوسرے الگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

انسانی حقوق کی ایک کارکن وینڈی جانسن کا کہنا ہے کہ اس طالب علموں کے اسباق میں اس طرح کی باتیں شامل کرنا قرون وسطیٰ کی یاد دلاتے ہیں۔ نقادوں کے مطابق یہ تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے مترادف ہے اور ان کے پس منظر میں وہ نظریات ہیں جن پر امریکا کے کچھ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ امریکا کے انتہائی دائیں بازو کے لوگوں نے چوری چھپے مذہب کو نصاب میں ڈالنے کی کوششیں ایک بار پھر شروع کر دی ہیں۔ بعض کنزرویٹو تو صدر باراک اوباما سے متعلق سبق میں یہ بھی ڈلوانا چاہتے تھے کہ ان کا پورا نام یعنی باراک حسین اوباما استعمال کیا جائے لیکن ڈیموکریٹس نے اس کی مخالفت کی کہ جب باقی صدور میں سے کسی کا درمیانی (مڈل) نام نہیں استعمال کیا جاتا تو باراک اوباما کا کیوں؟ آخر لمبی بحث کے بعد فیصلہ درمیانی نام استعمال نہ کرنے کے حق میں ہوا۔

امریکی ریاستوں میں عموماً سرکاری سکولوں کا نصاب ترتیب دینے والے بورڈ کا انتخاب بھی ایسے عام لوگ کرتے ہیں جن کے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ امریکا سیاسی لحاظ سے اس قدر منقسم ہو گیا ہے کہ اب اس بورڈ کے ارکان کا انتخاب بھی سیاسی بنیادوں پر ہوا ہے اور ٹیکساس میں بورڈ کے بیشتر ارکان ریپبلکن کے قدامت پسندانہ نظریات رکھتے ہیں۔ اس بورڈ میں ایک ایسا عیسائی بنیاد پرست بھی ہے جو کہتا ہے کہ وہ امریکا کی اخلاقی روح کے لیے جنگ لڑ رہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ بچوں کو پڑھایا جائے کہ عیسائیت کی وجہ سے امریکا وجود میں آیا اور سارے اختیارات خدا کے پاس ہیں اور حکومت صرف انسانوں کے ان حقوق کی حفاظت کے لیے ہے جو خدا نے انہیں دیئے ہیں۔

مثال کے طور پر اس سکول بورڈ کے ایک رکن ریورنڈ پیٹر مارشل کو ہی لے لیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امریکا کی ویتنام میں شکست اور سمندری طوفان کترینا کی وجہ ملک میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی پر خدا کی جانب سے سزا ہے۔ چند ہفتے قبل، ایریزونا ریاست کی خاتون گورنر نے غیر قانونی تارکین وطن کے بارے میں ایک نئے قانون کو نافذ کیا ہے جس کے تحت پولیس اگر کسی شخص یا گروپ کو شبہ کی بنیاد پر روکتی ہے تو ان سے ان کی امریکا میں موجودگی کی قانونی حیثیت کے بارے میں بھی تفتیش کرے گی۔

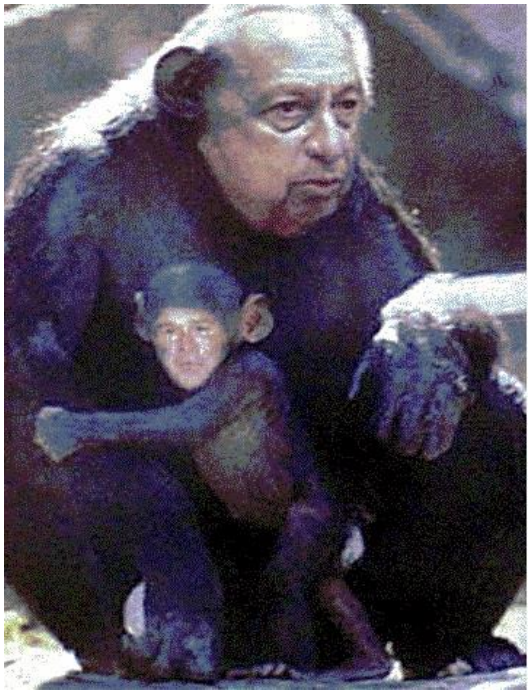

امریکا کی کسی بھی ریاست میں اپنی نوعیت کا یہ واحد قانون ہے اور صدر باراک اوباما نے اس پر تنقید کرتے ہوئے اسے غلط سمت کا قانون قرار دیا ہے لیکن اس قانون کے حامیوں نے ملک میں غیر قانونی تارکین وطن کی تعداد پر قابو پانے کے لیے اس نئے قانون کو انتہائی ضروری قرار بتایا ہے۔ ایریزونا ریاست کی خاصی لمبی سرحد میکسیکو سے ملتی ہے اور امریکا آنے والے بیشتر غیر قانونی تارکین وطن اسی سرحد کو استعمال کرتے ہیں۔ باراک اوباما کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اس قانون سے غیر قانونی تارکین وطن کی آمد تو شاید نہیں رکے گی لیکن اس سے پولیس اور لوگوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گی اور امکان ہے کہ جرائم میں بھی اضافہ ہو گا۔

26 مئی کو ایریزونا کے دارالحکومت فینکس سمیت ملک کے کئی شہروں کے پولیس سربراہوں نے امریکی اٹارنی جنرل ایرک ہولڈر سے ملاقات کی اور ایریزونا کے نئے قانون پر ان سے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ پولیس حکام کو خدشہ ہے کہ اس قانون سے امریکا کی ہسپانوی بولنے والی آبادی اور پولیس کے درمیان اس اعتماد کو نقصان پہنچے گا جسے ان کے بقول قائم کرنے میں پولیس کو برسوں

برسوں لگے ہیں۔

ادھر صدر اوباما نے اعلان کیا ہے کہ امریکا کے جنوب مشرقی سرحدوں کو محفوظ بنانے کے لیے پانچ سو ملین ڈالر کی مزید رقم کی منظوری کی کانگریس کو درخواست کی جائے گی۔ اوباما کا منصوبہ ہے کہ ان سرحدوں پر بارہ سو نیشنل گارڈ تعینات کیے جائیں تاکہ وہاں سے آنے والے غیر قانونی تارکین وطن کو روکا جاسکے۔ لیکن اس متنازعہ قانون کا معاملہ صرف ایریزونا تک ختم نہیں ہوتا بلکہ کوئی بیس کے قریب دیگر ریاستیں بھی اسی نوعیت کے قوانین منظور کرنے کے لیے سوچ بچار کر رہی ہیں۔ تقریباً یہ تمام ریاستیں وہ ہیں جو امریکا کے وسط میں واقع ہیں اور روایتی طور پر قدامت پسند ریپبلکن تصور کی جاتی ہیں۔

لیکن تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ قدامت پسند امریکی، امریکا کی آزادی، کھلی منڈی اور سفری آزادیوں کے نظریات کے سب سے زیادہ حامی رہے ہیں لیکن اب ان کی سوچ پر دائیں بازو کے کٹر اور تارکین وطن مخالف نظریات کا غلبہ ہوتا جارہا ہے۔ واشنگٹن کے ایک تھنک ٹینک کے لیے کام کرنے والے سٹیفن سٹون کا کہنا ہے کہ دنیا میں بڑھتی ہوئی اسلامی شدت پسندی اور امریکا مخالف سوچ کے رد عمل میں امریکی بھی شدت پسند نظریات کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ان کے بقول یہ رجحان انتہائی خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ یہی تو شدت پسند چاہتے ہیں کہ امریکا اور باقی دنیا بھی اسی طرح رد عمل کرے جس طرح شدت پسند ان سے چاہتے ہیں۔ امریکا میں اس قسم کے نظریات میں اضافے سے خدشہ ہے کہ مذاہب کے درمیان تصادم کا مفروضہ کہیں حقیقت نہ بن جائے جس کی بنیاد نائن الیون کے بعد جارج بش نے صلیبی جنگ کہہ کر رکھی تھی۔

بروز ہفتہ ۲ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۲۳ جون ۲۰۱۲ء

دکھ کی زبان.....!

بہت مشکل ہے، بہت ہی مشکل، کہنے دیجیے ناممکن ہے۔ نجانے کیسے باکمال لوگ ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے۔ کیسا دعویٰ ہے یہ، نہیں میں رقم نہیں کر سکتا۔ جی صفحۂ جاں پر رقم کرنے کی روشنائی الگ ہوتی ہے زبان الگ ہوتی ہے۔ ہر ایک کے بس کا نہیں ہے۔ روگ ہے یہ، سوگ ہے یہ، کیسے رقم کر دیں! کوئی افسانہ کہانی یا نظم تھوڑی ہے جو کاغذ پر تحریر کر دیں۔ دل پر گزری کیسے رقم کریں اور اس وقت تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب دل بھی اپنا نہ رہا ہو۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا اللہ کا میں اسی لیے تو پکارتا رہتا ہوں۔ الفاظ کی حرمت ہوتی ہے۔ ہم الفاظ کی بے توقیری کے مجرم ہیں۔ اسی لیے لفظ اثر کھو دیتا ہے جب تک انسان خود اس کے ساتھ اخلاص کے ساتھ نہ آئے.....

ادھورا نہیں پورا کا پورا سالم وثابت۔ دکھ کو رقم کریں کیسے؟

دکھ آنکھ میں پڑے ہوئے نوکیلے کنکر ہیں، دل میں پیوست تیر ہے، سینے میں دھنسی ہوئی انی ہے۔ دکھ نظر آتا ہے چہرے پہ لکھا ہوا، لیکن ہر ایک کو نہیں۔ جو دکھ کی زبان جانتا ہو اور دکھ کی زبان ہر ایک جانتا نہیں ہے، درد کو کون بیان کر سکتا ہے؟ آپ کر سکتے ہوں گے، میں نہیں، بالکل بھی نہیں۔ اداسی رقم کی جا سکتی ہے، پتا نہیں؟ رونا چیخنا ماتم کرنا دکھ کو بیان کرنا ہے کیا.....ہاں کچھ کچھ مکمل نہیں تو بس یہ جو محسوسات ہیں ان کی زبان الگ ہے۔ آپ کو آتی ہے تو تحریر کرنے کی کیا ضرورت؟ تحریر میں تو نہیں آتا دکھ۔ درد رقم نہیں کیا جا سکتا، اداسی احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی، غم بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کتنا بے بس ہے، اتنا کہ اپنی تکلیف کو بیان نہیں کر سکتا۔ جو بیان کرتا ہے وہ ادھورہ ہوتا ہے اور پھر کیا ضروری ہے کہ ہر بات بیان کی جائے، آئینہ دکھایا جائے! پھر آپ اس وقت کیا کریں گے جب آئینہ دیکھنے سے انکاری ہو جائے، نظر آتے ہوئے کہے کچھ نظر نہیں آرہا۔ یہ تو دل کے معاملات ہیں۔

ان کی زبان کچھ اور ہے تو بس مجھے معاف رکھئے۔ دیکھ لیا آپ نے آگ وخون کا رقص، وہ تو دیکھتے رہتے ہیں۔ بے گناہوں کے لاشے، لہو تازہ لہو آگ کے شعلے جدائی کا غم.....آپ اسے بیان کر سکتے ہیں تو میں نے کب منع کیا ہے، ضرور کیجیے۔ مجھے معاف رکھئے، آپ سے کچھ نہیں کہنا۔ خاموشی کی زبان سمجھتے ہیں آپ۔ نہیں سمجھتے تو اس میں میرا کیا دوش! میں آپ کیلئے دعا ہی تو کر سکتا ہوں۔

تنہائی ہے دکھ ہیں اداسی ہے اور چار سو پھیلے ہوئے غم ہیں بادلوں کی طرح چھائے ہوئے، بھیڑ ہے اژدھام ہے اور پھر بھی ہر ایک اکیلا ہے۔ آسرا کوئی چھپر نظر نہیں آتا کہ تھوڑی دیر ستالیں۔ ہر اک اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا، سڑک پر کھڑا بے روزگار نوجوان اور سامنے سے پولیس اسکواڈ کے ساتھ سائرن بجاتی ہوئی پراڈو میں بیٹھا ہوا لیڈر، بیان ہی بیان، تقریریں ہی تقریریں، بینرز ہی بینرز، مباحثہ اور ٹاک شو، دانش وری ہر جگہ دیگوں میں پک رہی ہے جس کی سڑاند سے جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ قیمتی لباس میں مسکراتے ہوئے تجزیہ کار، غریبوں کو بیچ کھانے والے دلال، انسانی منڈی جس میں ہر شے برائے فروخت ہے۔ ضمیر، جسم، قول اور فعل، بولو جی تم کیا کیا خریدو گے، آوازوں کا جنگل جس میں تنہا کھڑا بے دست وپا بندہ بشر۔ حکمرانی کی مے میں مدہوش زردار، یار و مجھے معاف کرو میں نشے میں ہوں یوں کر لو، نہیں جناب ایسا کرو، نہیں نہیں یہ کرو جو میں کہتا ہوں۔ توہین عدالت کا ایسا قانون سامنے لانے کی کوشش ہو رہی ہے کہ جس سے حکمرانوں کو تو استثنیٰ حاصل ہو جائے اور عوام جائے بھاڑ میں۔ کیا پہلی قومیں اس لئے تباہ وبرباد نہیں ہوئیں کہ وہاں ایک ہی معاشرہ ہیں امیروں اور غریبوں کیلئے الگ الگ قانون تھے۔

کہیں میلہ ہے زندگی کا اور کہیں برپا ہے ماتم، ہر جگہ بھوک ناچ رہی ہے جسے خودکشی آسودہ کرتی ہے اور کہیں بتائی جا رہی ہیں ترکیبیں انواع واقسام

کے کھانوں کی، کہیں بچیاں منہ اندھیرے اپنے خواب دفن کر کے کام پر جانے کیلئے اسٹاپ پر کھڑی ہیں جنہیں من چلے اپنی جاگیر سمجھ بیٹھے ہیں اور کہیں ہے کیٹ واک، کہیں بدن چھپانے کیلئے ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں اور کہیں جسم دکھانے کیلئے فیشن ڈیزائننگ۔ عجب گھڑی ہے، عجیب تماشا، میڈیا آزاد ہے اور ہر خبر پر نظر رکھے ہوئے اور خبر کیا ہے کوئی بتاتا نہیں ہے۔ ہم ایک سجدہ گراں سمجھ بیٹھے، اب ہر جگہ سر سجدہ جائز، ایک کو چھوڑا تو جہاں کے محتاج ہو گئے، ایک کی نہیں سنی تو اب سب کی سننی پڑ رہی ہے۔ ایک کی نہیں مانی، اب زمانے بھر کی ماننی پڑتی ہے۔ اسی ایک باب طلب سے نہیں مانگا تو عالمی ڈونر کانفرنسیں کرنی پڑیں، اس ایک کے شعائر کی توہین کی اب ہر جگہ مردود ہیں۔ یہ سب کچھ کیا دھرا ہمارا اپنا ہے، اب تو یہ فصل کاٹنی ہی پڑے گی۔ وہ ایک تو ہم پر ہمیشہ مہربان رہا تو قدر نہ کی اور یاری لگائی عیاروں سے، مکاروں سے۔ سات مہینے نیٹو سپلائی بند رکھی ۔ پارلیمنٹ نے نیٹو سپلائی کیلئے واضح پروگرام جاری کیا لیکن جمہوریت کی برکات کا دن رات واویلا کرنے والوں کو نیٹو سپلائی بحال کرتے ہوئے ایک منٹ کیلئے بھی پارلیمنٹ کی قرارداد یاد نہیں رہی۔ معاملے کو دبانے کیلئے عوام کو بس اتنا سننے کو ملا کہ امریکا نے سلالہ حملے پر معذرت کر لی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا: ناقدروں سے یاری لگانا نازک چوڑی کی طرح ٹوٹ جاتی ہے مگر نہ مانے ہم۔ اپنی تگڑم لڑائی، جی ہم تو فلاں یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ اب پتا چلا وہ تو جہالت کا پروانہ تھا جسے میں ڈگری سمجھ کر نہال ہو گیا تھا۔ بس ایک در ہے وہی تھا وہی رہے گا۔ فیصلہ تو ہمارا ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ یوں نہ چاہتے ہوئے بھی نجانے کیوں یاددہانی کیلئے یہ تحریر لکھنے کیلئے مجبور ہو گیا ہوں حالانکہ میرے ایک بہت ہی محبت کرنے والے سکندر بھائی نے پچھلے کئی دنوں سے مجھ سے کالم نہ لکھنے کی وجوہات تحریر کرنے کو کہا ہے۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میری اہلیہ ۱۹ مارچ ۲۰۱۲ء سے فالج کے سنگین حملے کی وجہ سے ابھی تک ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ پچھلے تین مہینوں میں آپ سب کی دعاؤں سے کافی افاقہ ہو گیا تھا اور مورخہ ۲۰ جون کو انہیں مزید کسی خطرے سے مکمل محفوظ قرار دیتے ہوئے ہسپتال سے ایک قریبی "خصوصی صحت کی بحالی" وارڈ میں منتقل کر دیا گیا تھا لیکن اگلی صبح آٹھ بجے چوتھی مرتبہ اچانک شدید فالج کے نئے حملے کا شکار ہو گئیں جس کی بناء پر انہیں دوبارہ اسی ہسپتال میں جانا پڑ گیا۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کی چھ گھنٹے کی سخت محنت اور کاوشوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نئی زندگی تو عطا فرما دی لیکن اس دفعہ جسم کا بایاں حصہ بری طرح متاثر ہو گیا اور پہلے سے دائیں حصے میں جو بہتری آئی تھی وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا (۲۸۶۔۲) میں رب کریم کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ جیسے گناہ گار کو اس آزمائش کیلئے منتخب کیا اور آج میری اہلیہ بھی میرے ساتھ رب رحیم کے اس فیصلے پر راضی برضا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب) آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں (۱۵۶۔۱۵۵۔۲)۔ یقیناً اب آپ میرے کالم نہ لکھنے کی وجہ جان گئے ہونگے کہ

اب میرے شب وروز اہلیہ کی تیمارداری کیلئے وقف ہو کر رہ گئے ہیں اور مجھ میں کسی اور کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔ میری آپ سب سے درخواست ہے کہ میری اہلیہ کی مکمل صحت یابی کیلئے دعا فرمائیں کہ الدعاء مخ العبادۃ "دعا تمام عبادات کا مغز ہے"۔

مالک آپ کو اپنی امان میں رکھے۔ آپ کے زخموں کو مرہم دے۔ آپ کے درد کا مداوا بن جائے۔ ہم سب کو اپنی کسی مخلوق کے سپرد نہ کرے۔ ہم سے درگزر کردے۔ ہم پر رحم کردے۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا بس نام رہے گا میرے رب کا۔

مرے بدن سے گریز کرتی ہوا سے کہنا

وجود کے ہر مسام میں جو غلاظتیں ہیں

یہ ذلتیں ہیں کئی برس کی ہوا سے کہنا

کہ نوحہ پڑھتی تمام صبحیں سلگتی شامیں مری کہانی سنا رہی ہیں

حیات کا اب جواز کیا ہے.....

کہ سر سے آکاش اڑ گیا ہے

قدم زمین پر لرز رہے ہیں تو کیوں نہ لکنت زباں میں آئے

اسیر سوچیں علیل ذہنوں میں سڑ رہی ہیں

یہ خالی برتن کھنک رہے ہیں

فصیل پر بھی لہو کے دھبے پڑے ہوئے ہیں

ہوا سے کہنا غلام گردش کے تن بدن سی گریز کرتی ہوا سے کہنا

بروز ہفتہ ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۷ جولائی ۲۰۱۲ء

نجات کی درخواست

پندرہ سو سال پہلے جب انسان جہالت اور گمراہی کی گہری دلدل میں پھنسے ہوئے تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تو اسے زندہ درگور کر دیا جاتا، وہ بے چاری چیختی چلاتی رہتی، بے راہ روی جھوٹ اور ظلم اپنی انتہا پر تھا۔ انسان انسان کا غلام تھا، جو طاقتور اور ظالم تھا وہ سیاہ و سفید کا مالک اور عام آدمی کی زندگی کسی جانور سے کم نہ تھی۔ ہر جانب تاریکی اور ظلم کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھی..

.....اس وقت رب کریم نے ظلم کی چکی میں پستی اور سسکتی انسانیت پہ اپنا خاص کرم کا معاملہ کرتے ہوئے نبی محترم ﷺ کو انسانیت کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ نے جہالت کی تاریک اور بند گلیوں میں پھنسے لوگوں کو ہدایت اور روشنی کا راستہ دکھایا.....وہ جو آپس میں ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے، جو چھوٹی سی بات پر وحشیانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنی انا اور تسکین کے لیے دوسروں پر ظلم ڈھاتے تھی.....آپ کی تعلیمات اور اخلاقی تربیت کی بدولت یہ لوگ دنیا کے معزز ترین انسان ٹھہرے۔

نبی محترم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل میں آیا جس میں اجڈ اور گنوار پورے معاشرے کے لیے امن سکون اور بھائی چارے کا اعلی نمونہ بن کے سامنے آئے۔ خود نبی محترم ﷺ اِنسانیت کے جس عظیم مرتبے پہ فائز تھے اس کی وجہ سے آپ کے جانی دشمن بھی آپ کی ذات گرامی کے امین ہونے کی تصدیق کرتے۔ آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے لوگ اپنے آباؤاجداد کا دین چھوڑ کے اسلام کی چھتری تلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ مکہ کی وہ بوڑھی عورت جو روزانہ آپ پر گندگی پھینکتی، ایک روز جب آپ اس راستے سے گزرے تو کسی نے گندگی نہ پھینکی، ساتھیوں سے پوچھا کہ خیر ہے آج وہ خاتون نظر نہیں آئیں؟ معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں یہ سننا تھا کہ آپ اس بڑھیا کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ کے اس حسن اخلاق اور دردمندی کو دیکھ کہ وہی بڑھیا جو کل تک آپ پر گندگی پھینکتی تھی آج اس بات کا اقرار کر رہی تھی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

یہی وہ طرز عمل تھا جس کو دیکھ کر لوگ محمد ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے دین محمدی میں جوق در جوق شامل ہو رہے تھے اور جن کے بارے میں کتاب خود کہہ رہی ہے وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی اور ان لوگوں کے لیے جنت کی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کی بشارت خود اللہ جی دے رہے ہیں ۔عفوودرگزر کا یہ عالم ہے کہ فتح مکہ کے بعد نبی محترم ﷺ نے کفار مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا اور بدلے کی تاریخی روایت جو اس وقت عرب معاشرے کی پہچان بن چکی تھی اس کے خاتمے کا آغاز اپنی ذات سے کیا اور ان سب لوگوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ کو پتھر مارے، آپ پر گندگی پھینکی، آپ کو اپنے ہی شہر سے نکال دیا اور کتنے عرصے تک مظالم روا رکھے۔

ایک روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر مکہ کے ایک شخص کے افریقی نژاد غلام (وحشی (جو قبول اسلام کے بعد حضرت وحشی کہلائے آپ کے سب سے عزیز اور محبت کرنے والے چچا حضرت حمزہ کو جنگ احد میں نیزہ مار کے شہید کر دیا تھا (یہ روایت صحیح نہیں کہ وحشی ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا غلام تھا) وحشی کا خیال تھا کہ اس کا کیا ہوا جرم اس قدر سنگین اور ہولناک ہے کہ اس کی معافی ممکن نہیں۔ اس نے مکہ سے بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ شہر سے باہر جاتے ہوئے اسے حضرت ابوذر غفاری مل گئے۔ انہوں نے حواس باختہ اور خوفزدہ وحشی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ نبی محترم ﷺ نے تو سب کو معاف کر دیا ہے تو تمہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں جواباً وحشی نے وہی دلیل دی جو اس کے دل میں تھی کہ مجھے کون معاف کر سکتا ہے؟ میں نے تو آپ کہ محبوب ترین دوست اور چچا کو شہید کیا تھا جن سے آپ شدید محبت کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری نے اسے

وہیں رکنے کا کہا اور خود نبی محترم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کہ کیا اس معافی کے دائرے میں وحشی بھی آتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کیوں نہیں۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی معافی در گزر اور احسان سے بھری پڑی ہے اور آپ ﷺ کی ذات گرامی تمام جہانوں کے لیے باعث رحمت ہے جس کی کتاب گواہی دیتی ہے کہ: ہم نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کے بھیجا لیکن افسوس صد افسوس! آج ہم نے مشفق اور مہربان نبی کے احکامات کو نظر انداز کر دیا اور پھر سے قتل و غارت گری ظلم و ناانصافی جبر و استیصال والے نظام کو پروموٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو معاف کرنے کو قطعاً تیار نہیں۔ گھات لگا کر بے گناہوں کو گولیوں سے بھون کر اپنے انتقام کی آگ بجھا کر فتوحات کے شادیانے بجاتے ہیں۔

پاکستان کے قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں رات گئے ایک مرتبہ پھر افغانستان کی جانب سے شدت پسندوں نے پاکستان کی حدود باجوڑ ایجنسی کے علاقے کٹ کوٹ میں داخل ہو کر لوئے ماموند کے علاقے میں حملہ کر دیا جنہیں سیکیورٹی فورسز نے گھیرے میں لے کر چھ کو ہلاک کر دیا ہے اور باقی کی تلاش جاری ہے۔ تحریکِ طالبان پاکستان نے صبح ساڑھے پانچ بجے اچھرہ کے علاقے رسول پارک لاہور میں جمعرات کی صبح فائرنگ اور گرینیڈ حملوں میں نوزیر تربیت پولیس اہلکاروں کو ہلاک اور دو کو زخمی کر کے فرار ہو گئے ہیں۔ پاکستانی طالبان کے ترجمان احسان نے اس ظلم کی وجہ یہ بتائی کہ خیبر پختونخوا جیل خانہ جات کے اہلکار مختلف جیلوں میں قید ہمارے ساتھیوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتے ہیں اور اسی کا بدلہ لیا گیا ہے اور صوبہ خیبر پختونخوا کے جنوبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان شہر سے بیس کلو میٹر دور واقع تھانہ دربن کلاں پر بدھ کی صبح پانچ بجے کے قریب ایک تھانے پر راکٹوں اور دستی بموں کے حملے میں تھانیدار ہلاک جبکہ ایس ایچ او سمیت چار اہلکار زخمی ہو گئے بعدازاں زخمیوں میں سے ایک اہلکار نے ہسپتال میں دم توڑ دیا۔ یہ تینوں واقعات آج صبح ان کے ہاتھوں رونما ہوئے ہیں جو فقط اسلام اور شریعت کو اپنی منزل سمجھتے ہیں۔

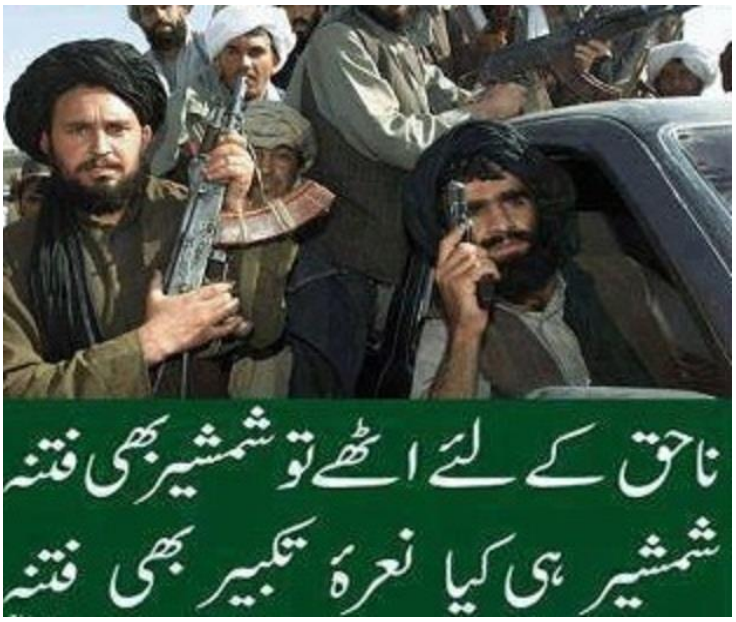

ہم نے نبی محترم ﷺ کی تعلیمات پہ عمل تو دور کی بات ان کے احکامات کا مذاق بنانا شروع کر دیا ہے۔ جہاں ایک طرف ہم نے نبی ﷺ کے اسوہ کو چھوڑ کے مغضوب اور ذلیل لوگوں کے طرزِ زندگی کو اپنے گلے سے لگا لیا ہے وہاں دوسرا گروہ انہیں کی آشیر باد سے یہ خونی کارنامے سرانجام دے رہا ہے جس کی وجہ سے آج ہم پھر ایک دفعہ اسی تاریک دور میں چلے گئے ہیں جہاں پندرہ سو سال پہلے تھے۔ ظلم تو یہ ہے کہ شعبان المعظم کا مہینہ جو رحمتوں، برکتوں اور مغفرت کے مہینے رمضان المبارک کی آمد کا اعلان کرنے آتا ہے، جہاں ہمیں آپ ﷺ کے اسوہ کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے وہاں ہمیں جہاں غلیظ گانوں پر تھرکتے جسم دوسروں کو نقصان پہنچاتے چیختے چلاتے غل غپاڑہ کرتے لوگ نظر آتے ہیں وہاں ہمیں بندوق کی نوک پر اسلام کے نام پر ایسے بھیانک ظلم کرنے والے بھی نظر آ رہے ہیں۔

کیا کبھی ہم نے غور کیا کہ ہمارے لیے اتنی مشکلات و تکالیف برداشت کرنے والے نبی ﷺ کے ساتھ ہمارا کیا رویہ ہے؟ کل جب روز محشر نبی سے ہمارا سامنا ہو گا تو ہم کس منہ سے اپنی نجات کی درخواست کریں گے۔ میرے پاس تو سوائے شرمندگی کے کچھ نہیں..... صرف اقبال کی اس دعا کے علاوہ اے اللہ میں تیرا منگتا ہوں تو دو عالم کو عطا کرنے والا ہے۔ روز محشر میری ایک درخواست قبول کر لے میرا حساب لینا ہی مقصود

ہو تو اسے میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم نا گزیر

از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

بروز ہفتہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۲ جولائی ۲۰۱۲ء

آئی ایس آئی نرغے میں؟

پاکستانی فضائیہ کے سابق سربراہ اصغر خان نے آئی ایس آئی کی طرف سے مہران بینک اور حبیب بینک کے ذریعے سیاست دانوں میں مبینہ طور پر رقوم کی تقسیم کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی تھی جس کی کچھ سماعتوں کے بعد اس درخواست کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا گیا تھا اور دس سال کے بعد اس درخواست کی سماعت دوبارہ شروع ہوئی۔ سپریم کورٹ نے خفیہ ادارے آئی ایس آئی یعنی انٹر سروسز انٹیلی جنس کی طرف سے ۹۰ء کی دہائی میں سیاست دانوں میں رقوم کی تقسیم سے متعلق ایئر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان کی درخواست کی حالیہ سماعت کے دوران موقف اختیار کیا کہ آئی ایس آئی چونکہ وزیر اعظم کے ماتحت ہے، اس لیے ان کے نوٹس میں بھی لائیں کہ اب اس ادارے میں کوئی بھی سیاسی سیل کام نہیں کر سکتا۔ عدالت کا کہنا تھا کہ ۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو سابق فوجی صدر پرویز مشرف کے ملک میں ایمرجنسی نافذ کرنے کے اقدامات کے خلاف ۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء کا فیصلہ بہت واضح ہے کہ اس خفیہ ادارے میں اگر کوئی سیاسی سیل ہے بھی تو وہ اب کام نہیں کر سکتا اور کسی کو قومی خزانے سے کسی کی بھی حکومت کو خراب کرنے یا اس کے خلاف سازش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عدالت کا کہنا تھا کہ اس اہم مقدمے میں ابھی تک وزارتِ دفاع کی جانب سے کوئی پیش نہیں ہوا۔ اس کی وضاحت دیتے ہوئے سیکرٹری دفاع نرگس سیٹھی کا کہنا تھا کہ آئی ایس آئی اور ایم آئی یعنی ملٹری انٹیلی جنس اپنا مؤقف خود عدالت میں پیش کرنا چاہتے ہیں جس کیلئے اس کی سماعت دو ہفتوں کیلئے ملتوی کر دی گئی۔

اس درخواست کی سماعت کرنے والے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے تین رکنی بینچ نے اٹارنی جنرل عرفان قادر کو حکم دیا کہ آئی ایس آئی میں سیاسی سیل سے متعلق اس وقت کے ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل اسد درانی نے جو سمری وزارتِ قانون کو بھیجی تھی اس کا جائزہ لیا جائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ سمری سربمہر کر کے عدالت میں پیش کی جائے۔ بینچ میں موجود جسٹس خلجی عارف حسین خلجی کا کہنا تھا کہ اس سیل سے متعلق کچھ دستاویزات اٹارنی جنرل کے آفس میں بھی بھیجی گئی تھیں، اس لیے انہیں وہاں پر بھی تلاش کیا جانا چاہیے۔ اس درخواست کی سماعت کے دوران اٹارنی جنرل عرفان قادر نے عدالت کو بتایا کہ وزارتِ قانون اور کیبنٹ ڈویژن سے بھی سارا ریکارڈ تلاش کیا گیا لیکن اس سیل کا نوٹیفکیشن نہیں مل رہا۔ چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ بری فوج کے سابق سربراہ جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ اور آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اسد درانی کی طرف سے عدالت میں جمع کروائے گئے بیانِ حلفی سے یہ بات طے ہو گئی ہے کہ سیاست دانوں میں رقوم تقسیم کی گئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کا پتہ نہیں چل رہا کہ رقوم کس نے تقسیم کیں اور کس کس سیاست دان کو کتنی رقم دی گئی۔

مقدمے کی سماعت کے دوران سابق آرمی چیف جنرل ریٹائرڈ اسلم بیگ نے کہا ہے کہ نہ تو انہوں نے سیاست دانوں میں رقوم تقسیم کیں اور نہ ہی انہوں نے ایسا کرنے پر سابق ڈی جی آئی ایس آئی پر کوئی دباؤ ڈالا۔ سیاست دانوں میں تقسیم کی گئی رقوم فوج کے نہیں بلکہ آئی ایس آئی کے اکاونٹ میں آئی اور انہوں نے اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مختلف بینکوں میں سیاست دانوں کے اکاونٹ کھلوائے اور ان میں رقوم منتقل کیں اور سیاست دانوں میں مبینہ طور پر رقوم کی تقسیم کی تمام تر ذمہ داری اس وقت کے آئی ایس آئی یعنی انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اسد درانی پر ڈال دی۔ اس سے پہلے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ اسد درانی بھی اپنا بیان حلفی عدالت میں جمع کروا چکے ہیں کہ اس وقت کے آرمی چیف مرزا اسلم بیگ کی ہدایت پر سیاست دانوں میں چودہ کروڑ روپے تقسیم کئے تھے۔ پاکستانی سیاست، انتخابات اور حکومتوں کی تشکیل میں پاکستانی فوج اور اس کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے مشکوک کردار کو چیلنج کئے جانے کے مقدمے کی سماعت کے دوران سابق

بینکار یونس حبیب نے عدالت کو بتایا کہ انہوں نے اعلیٰ سیاسی اور عسکری قیادت کے دباؤ پر ۱۹۹۰ء کے انتخابات سے قبل سیاستدانوں میں تقریباً ۳۵ کروڑ روپے تقسیم کئے تھے۔ سماعت کے دوران عدالت میں اپنا تحریری بیان جمع کرواتے ہوئے اس سکینڈل کا حصہ بننے پر معافی بھی مانگی کہ اس وقت ان پر شدید دباؤ تھا کہ ان کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔

دوسری طرف انہی حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے موجودہ حکومت نے آئی ایس آئی کو سول کنٹرول میں دینے کی امریکی پالیسی پر عمل درآمد کی کوششیں ایک بار پھر شروع کر دی ہیں اور اس حوالے سے بڑی خاموشی کے ساتھ سینیٹ میں حکومتی سینیٹر فرحت اللہ بابر کی طرف سے آئی ایس آئی کے اختیارات سے متعلق ایک بل پیش کیا گیا جسے بعد ازاں مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس بل میں تجویز کیا گیا ہے کہ کوئی واضح قانون نہ ہونے کے سبب یہ ادارہ کسی کو جوابدہ نہیں، اس لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ قانون سازی کر کے اس ادارے کا سربراہ گریڈ ۲۲ کا حاضر سروس یا ریٹائرڈ سول سرونٹ یا اس کے متبادل فوجی افسر مقرر کیا جائے اور یہ اختیار صدر مملکت کو حاصل ہونا چاہئے۔ پارلیمنٹ کی چار رکنی کمیٹی آئی ایس آئی کے معاملات کی مکمل نگرانی کرے، علاوہ ازیں صدر کی ذاتی صوابدید پر مقرر کردہ محتسب بھی آئی ایس آئی کا احتساب مستقل جاری رکھے۔ پارلیمانی ذرائع کے مطابق یہ بل اس لحاظ سے انتہائی منفرد ہے کہ جس کی منظوری کی صورت میں آئی ایس آئی دنیا کا واحد ادارہ ہو گا جس کی لگامیں بیک وقت وزیر اعظم، پارلیمانی کمیٹی اور محتسب کے ہاتھوں میں ہونگی۔ دنیا کے کسی اور ملک میں اس طرح کے اداروں کے سلسلے میں ایسی قانون سازی کی مثال قطعاً نہیں ملتی۔

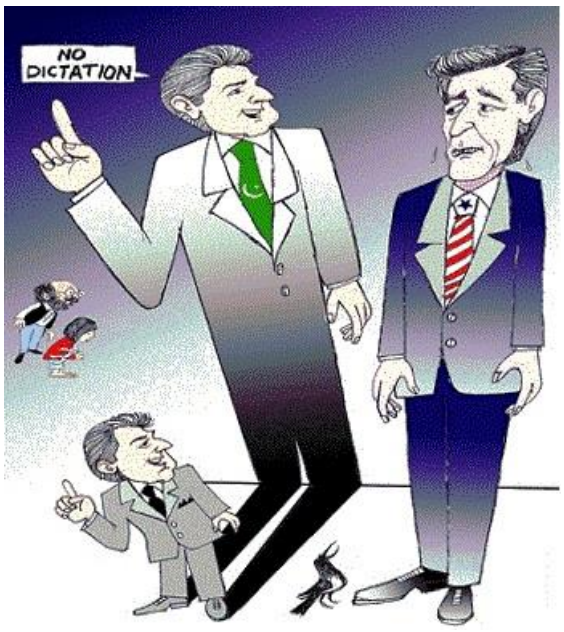

یاد رہے کہ آئی ایس آئی کو مکمل سیاسی اور سول کنٹرول میں لانے اور فوج کا عمل دخل ختم کرنا امریکا کی شدید خواہش ہے جس پر اس نے ۱۹۸۸ء میں ایک ریٹائرڈ جنرل کو ڈی جی لگوا کر عمل درآمد کرانے کی کوشش کی تھی اور اب موجودہ حکومت کے ساتھ این آر او کے سلسلے میں امریکی ڈیل میں دیگر شرائط کے ساتھ یہ بھی طے پایا تھا کہ پی پی حکومت برسر اقتدار آ کر امریکی خواہشات کے مطابق آئی ایس آئی کو نہ صرف سول کنٹرول میں لائے گی بلکہ اس کے پہلے ممکنہ سول سربراہ کے طور پر ایک ریٹائرڈ جنرل کو سیکورٹی ایڈوائزر بنا کر وزیر اعظم ہاؤس میں مقرر کیا گیا اور غیر محسوس طور پر آئی ایس آئی کو اس ریٹائرڈ جنرل کے ماتحت کرنے کی پہلی کوشش ممبئی حملے کے بعد ڈی جی آئی ایس آئی کو صفائی پیش کرنے کی خاطر بھارت بھیجنے کا حکم تھا جو چند لمحوں بعد ہی واپس لینا پڑا۔

آئی ایس آئی کو امریکی خواہشات کے مطابق سابقہ وزیر اعظم گیلانی نے اپنے پہلے امریکی دورے سے قبل وزارتِ داخلہ کے ماتحت کرنے کا ایک حکم بھی جاری کیا لیکن چند گھنٹوں کے بعد اس کو بھی فوری طور پر واپس لینے کا نوٹیفکیشن جاری کرنا پڑا جبکہ ماضی میں امریکی فنڈ سے قائم کئے گئے ایک ادارے نیکٹا کی ناکامی کا سبب بھی یہ تھا کہ ایوانِ صدر اس ادارے کے ذریعے آئی ایس آئی کو وزیر داخلہ رحمان ملک کے ماتحت کرنا چاہتا تھا جس کیلئے اس ادارے کے سربراہ طارق پرویز آمادہ نہ ہوئے اور آئی ایس آئی بھی اس سازش سے محفوظ رہی جہاں نیکٹا کے مجوزہ قانون میں ڈی جی آئی ایس آئی کو نیکٹا کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل کر کے وزیر داخلہ کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کا سربراہ مقرر کیا جا رہا تھا۔ اسی لئے اب تک نیکٹا ایکٹ کا مجوزہ قانون منظور نہیں ہو سکا۔

ماضی سے قطع نظر امریکی حکومت نے میمو ایشو کے دوران بھی آئی ایس آئی کو سول کنٹرول میں لانے کی شرط عائد کی تھی اور بعض ذرائع میمو

سکینڈل میں فرحت اللہ بابر کا نام بھی "باس" اور حسین حقانی کے درمیان رابطہ کار کے طور پر لیتے رہے ہیں۔ ایوانِ صدر نے ماضی میں بھی کئی بار حسین حقانی کے ذریعے امریکا کو یقین دلایا تھا کہ موقع ملتے ہی اس ادارے کا بندوبست کر دیں گے اور اب اسی لئے ایوان صدر کے ذاتی معاون فرحت اللہ بابر نے پرائیویٹ ممبر بل کے طور پر مسودۂ قانون سینیٹ میں داخل کروادیا ہے اور کوشش یہ کی جارہی ہے کہ حالیہ سینیٹ کے اجلاس میں ہی اس بل پر بحث کے بغیر ہی اسے قانونی شکل دے دی جائے۔ ایوان صدر نے ۱۹ صفحات پر مشتمل یہ بل امریکا کے انتہائی دباؤ پر جلد بازی میں داخل کروایا ہے جس کو کچھ عرصہ قبل حسین حقانی کے ذریعے امریکی دوستوں کے تعاون سے تیار کیا گیا تھا۔ ایوانِ صدر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اس بل کی منظوری کیلئے صرف پی پی کے ارکان کی مکمل حمائت حاصل کرے جبکہ اتحادی جماعتوں اور نواز لیگ کو اس بل کی حمائت میں قائل کرنے کی ذمہ داری امریکی حکام نے اپنے ذمہ لی ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ کچھ دن پہلے پاکستان میں امریکی سفیر نے اپنے ایک انٹرویو میں نواز شریف اور عمران خان کو امریکا کا حامی قرار دیا ہے۔

ایوان صدر اس مرتبہ بل کی کامیابی پر بڑی پر اعتماد ہے کہ اس دفعہ عوامی سطح پر اس بل کی مخالفت نہیں ہو گی کیونکہ لاپتہ افراد کے معاملے پر امریکی پے رول پر کام کرنے والے میڈیا کے عناصر آئی ایس آئی کو بری طرح متنازع بنا چکے ہیں اور یہی اینکرز آج کل یہ دہائی دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ جمہوریت پر حملے کی تیاری ہو رہی ہے اور سیاستدانوں کو جان بوجھ کر کرپٹ کہا جاتا ہے تاکہ اس آڑ میں کوئی غیر جمہوری اقدام کا بہانہ بنایا جاسکے جبکہ اعلیٰ عدلیہ نے بھی اس سلسلے میں اپنے احکام میں دبنگ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ دوسری طرف پی پی ذرائع کے مطابق ایوانِ صدر نے ذاتی ذرائع سے یقین دہانی کروائی ہے کہ اس بل کی منظوری کے بعد اگلا ڈی جی آئی ایس آئی فوج سے نہیں ہو گا اور اس سلسلے میں امریکی خواہشات کا مکمل احترام کیا جائے گا۔ کیا جنرل کیانی کے امریکی دورے میں اس معاملے پر کوئی بات ہو گی اس سوال کا جواب آئندہ چند دنوں میں متوقع ہے۔

بروز اتوار ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۵ جولائی ۲۰۱۲ء

تزکیہ نفس.....روزے کی حقیقی روح

(روزہ "صبر وضبط' ایثار وہمدردی اور ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کی دعوت دیتا ہے۔اسے تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی کا مثالی ذریعہ قرار دیا گیا ہے)

اسلام دین فطرت ہے' اس نے ایسی جامع عبادات پیش کیں کہ انسان ہر جذبے میں خدا کی پرستش کر سکے اور اپنے مقصدِ حیات کے حصول کی خاطر حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اپنے خالق ومالک کی رضاجوئی میں صرف کر سکے۔ نماز' زکوٰۃ' جہاد' حج اور ماہِ رمضان کے روزے ان ہی کیفیات کے مظہر ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے پچھلی امتوں پر فرض ہوئے تھے' تاکہ تم پرہیز گار بنو۔" (البقرہ) رمضان کے روزوں کا مقصد جیسا کہ مذکورہ آیات میں بیان کیا گیا ہے' پرہیز گاری کا حصول ہے۔ماہِ رمضان کے ایّام ایک مومن کی تربیت اور ریاضت کے ایّام ہیں۔وہ رمضان کے روزوں اور عبادات سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمان حضورِ اکرم ﷺ سے محبت کا اظہار آپ کی پیروی اور اتباع سے کرتا ہے اور اپنی روح ونفس کا تزکیہ کرتا ہے' تاکہ زندگی کے باقی ایام میں وہ تقویٰ اختیار کر سکے اور اپنے مقصدِ حیات یعنی اللہ کی بندگی اور اس کی رضاجوئی میں اپنی بقیہ زندگی کے دن بسر کر سکے۔ دیکھا جائے تو تمام عبادات انسان کے کسی نہ کسی جذبے کو ظاہر کرتی ہیں۔ نماز خوف کو' زکوٰۃ رحم کو' جہاد غصہ وبرہمی اور غضب کو حج تسلیم ورضا کو اور روزہ اللہ تعالیٰ سے محبت کو باقی عبادات کچھ اعمال کو بجالانے کا نام ہیں، جنہیں دوسرے بھی دیکھ لیتے ہیں اور جان لیتے ہیں۔ مثلاً نماز رکوع وسجود کا نام ہے اور اسے باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے' جہاد کفار سے جنگ کا نام ہے' زکوٰۃ کسی کو کچھ رقم یا مال دینے سے ادا ہوتی ہے لیکن روزہ کچھ دکھا کر کام کرنے کا نام نہیں بلکہ روزہ تو کچھ نہ کرنے کا نام ہے۔وہ کسی کے بتلائے بھی معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کو تو وہی جانتا ہے' جو رکھتا ہے اور جس کیلئے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا روزہ بندے اور خدا کے درمیان ایک راز ہے' محب صادق کا اپنے محبوب کے حضور ایک نذرانہ ہے جو بالکل خاموش اور پوشیدہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔اسی لئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کریم نے اپنے روزے دار بندوں کیلئے ایک بے بہا انعام کا اعلان فرمایا ہے' وہ یہ کہ "روزے دار' روزہ میرے لئے رکھتا ہے' اور میں خود اس کی جزا ہوں۔ اللہ رب العزت خود کو جس عمل کی جزا فرمارہا ہو تو اس کی عطا اور انعام واکرام کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔۔روزہ دراصل بندے کی طرف سے اپنے کریم مولا کے حضور ایک بے ریا ہدیہ ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم انعام واکرام کا اعلان فرمایا ہے۔

رمضان المبارک کے بہت سے فضائل وخصائص ہیں' ان میں سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآنِ مجید نازل ہوا' اور قرآن پاک میں سال کے تمام مہینوں میں صرف ماہِ رمضان کا نام صراحتاً آیا ہے۔اس سے رمضان المبارک اور قرآن پاک میں گہری مناسبت اور زیادہ تعلق ثابت ہوتا ہے' قرآن اور رمضان المبارک میں ایک گہری نسبت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں بالخصوص شب وروز قرآنِ کریم کی زیادہ تلاوت ہوتی ہے۔

ماہِ رمضان المبارک وہ ہے جس کی شان میں قرآن کریم نازل ہوا' دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم کے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ قرآنِ کریم رمضان المبارک کی شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمان سے دنیا میں اتارا گیا اور بیت العزت میں رہا۔ یہ اسی آسمان پر ایک مقام ہے' یہاں سے وقتاً فوقتاً حسبِ اقتضائے حکمت جتنا منظورِ الٰہی ہوا' حضرت جبریل امین علیہ السلام لاتے رہے اور یہ نزول تقریباً تئیس (۲۳) سال کے عرصے میں پورا ہوا۔

بہر حال قرآنِ مجید اور ماہِ رمضان المبارک کا گہرا تعلق و نسبت ہر طرح سے ثابت ہے اور یہ بلاشبہ اس ماہِ مبارک کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ روزہ اور قرآن مجید دونوں شفیع ہیں اور قیامت کے دن دونوں مل کی شفاعت کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ اور قرآن مجید بندے کیلئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے میرے رب! میں نے کھانے اور خواہشوں سے دن میں اسے روکے رکھا' تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما' قرآن کہے گا کہ اے میرے رب! میں نے اسے رات میں سونے سے باز رکھا' تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔ دونوں کی شفاعتیں قبول ہوں گی۔

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان آیا' یہ برکت کا مہینہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کئے ہیں' اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' اور سرکش شیطانوں کے طوق ڈال دیئے جاتے ہیں اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے' جو اس کی بھلائی سے محروم رہا' وہ کل بھلائی سے محروم رہا۔ "صحیحین" میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "آدمی کے ہر نیک کام کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا کیونکہ بندہ اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں' ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملنے کے وقت' اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ عزوجل کے نزدیک مشک سے زیادہ پاکیزہ (خوشبودار) ہے اور روزہ ڈھال ہے اور جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ کوئی بے ہودہ گفتگو کرے اور نہ چیخے' پھر اگر "اس سے کوئی گالی گلوچ کرے یا لڑنے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔

اس ماہِ مبارک کی خصوصی عبادت روزہ ہے' جس کا مقصد تزکیہ نفس یعنی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرنا اور تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کی طرف رغبت کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے اور جس نے رمضان میں نمازِ تراویح اور ایمان و احتساب کے ساتھ شب بیداری کی' اللہ تعالیٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ رحمٰن کا مختصر معنٰی تو بے پناہ رحم کرنے والا ہے مگر "رحیم" کا مختصر مطلب یہ ہے کہ جس سے نہ مانگا جائے تو اسے غصہ آئے۔ اس لئے جی بھر کر رب العزت سے مانگئے اور اپنی دعاؤں میں ان بیکس اور مجبور بیماروں کی صحت یابی کیلئے بھی دعا مانگئے جو اس وقت یقیناً قابل رحم ہیں اور آپ سب کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔ القرآن حجة لک أو علیک.... (صحیح مسلم) "قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت....."! رمضان المبارک کا عظیم مہینہ ہمیں اپنی زندگی منور کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس ماہِ رمضان المبارک کا تقدس اور احترام کرنا سب مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ یاد رکھئے جس طرح قرآنِ کریم رمضان المبارک کی شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمان سے دنیا میں اتارا گیا' اسی رات کو اس دنیا کے نقشے پر پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ایک معجزے سے کم نہیں۔ اس لئے ہم سب کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ رمضان المبارک کے شب و روز کی عبادات میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا بھی شکر ادا کریں' لیکن کیا کریں یہ بات کہے کا لم بھی مکمل نہیں ہوتا کہ رمضان المبارک کی آمد پر کچھ بدبختوں نے ذخیرہ اندوزی کر کے بیچاری عوام کو مہنگائی کا جو تحفہ دیا ہے اور حکومت نے جس طرح ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں' پاکستانی عوام آسمان کی

طرف دیکھ کر بڑی بے بسی کے ساتھ کسی ایسے مسیحا کی طرف دیکھ رہی ہے جو ان ظالموں سے ان کو نجات دلوائے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں رمضان کریم کی برکتوں اور رحمتوں سے مستفیض ہونے کا سلیقہ اور توفیق عنائت فرمائے۔ ثم آمین

میری طرف سے تمام قارئین کو ماہِ رمضان مبارک ہو! میری اللہ سے دعا ہے کہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور اس ماہِ رمضان کا احترام نصیب فرمائے۔ ثم آمین

بروز جمعرات ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۱۹ جولائی ۲۰۱۲ء

توبہ واستغفار اور پاکستان

ایک بزرگ نے نصیحت کی 'تمہارے سامنے کوئی ہاتھ پھیلائے تو یہ ہاتھ خالی نہ جانے دو۔ حضور اکرم ﷺ نے تو یہ بھی فرمایا کہ پاس کچھ نہ ہو تو مسکراہٹ بھی ایک صدقہ ہے 'اور پھر بات ان مانگنے والوں کی شروع ہوئی جو پیشہ ور گداگر ہیں یا صحت منداور تندرست وتوانا ہیں مگر گلیوں بازاروں میں مانگتے پھرتے ہیں۔ پیشہ ور گداگروں کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ کچھ لوگ ان کا کاروبار بھی کرتے ہیں اور کچھ مانگنے والے جعلی معذور بن جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان بزرگ نے یہی کہا کہ کوئی کیا بھی ہو 'اس کا صرف پھیلا ہوا ہاتھ دیکھو اور اسے خالی واپس نہ جانے دو۔ ایسی بحث مت کرو کہ ہٹے کٹے ہو 'نوکری مزدوری کیوں نہیں کرتے۔ تم نہیں جانتے کہ اس صحت مندی کے باوجود اس کی کیا مجبوری ہے۔ اس کو اللہ تعالی پر چھوڑ دو اور تم اپنا فرض ادا کر دو۔

میں نے جب اس بات پر غور کیا تو میرے دل نے ان بزرگ کی بھرپور تائید میں یہ گواہی دی کہ کیا واقعی ہم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں جو خدا نے دے رکھا ہے ہم اس کے حق دار ہیں؟ ہماری حالت تو یہ ہے کہ دن رات خدا کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہیں 'زبانی کلامی ایمان لاتے ہیں مگر عمل اس کے مطابق نہیں کرتے۔ ہماری حالت تو اس ملازم جیسی ہے جو مالک کے ہر حکم پر حاضر جناب تو کہے مگر اسکے حکم کو بجانہ لائے! زبان سے خدا کو رازق تسلیم کرتے ہیں مگر در حقیقت اپنی کوششوں کو اپنا رازق سمجھتے ہیں 'نوکری کو کاروبار کو یا کسی دوسرے قسم کے معاشی حربے کو۔ ربِّ کریم نے جو صفات اپنی ذاتِ برتر کیلئے مخصوص کر رکھی ہیں 'وہ ہم اپنے رویّے میں پیدا کر کے اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں جو ناقابلِ معافی ہے۔

افسوس کہ خدا کے مجبور بندوں سے بحث کرتے ہوئے ہم اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں کہ ہمارا خدا ہماری کتنی ہی کوتاہیوں سے در گزر کر کے ہمیں روزی دیتا ہے اور اس دنیا کے عیش کراتا ہے۔ کیا ہم اللہ کے ان بندوں میں شامل ہیں جو ایک وقت کی روٹی جتنی بھی اطاعت کرتے ہیں؟ کیا ہم کسی عمل کے معاوضے میں اپنا کچھ حق جتا سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے رب کی اتنی مزدوری کرتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے اس کو جائز قرار دے سکیں؟ سچی بات تو یہ ہے کہ صبح جب ناشتہ کرنے لگتا ہوں تو کبھی یہ سوچتا ہوں کہ مجھے یہ کیوں مل رہا ہے؟ میری ضرورت کے مطابق سب کچھ موجود ہے مگر کس عمل اور کس محنت کے عوض میں؟ مجھے اپنے لیل ونہار میں کوئی ایسا عمل دکھائی نہیں دیتا کہ میں ایک لقمے کا حقدار بھی کہلا سکوں ۔ ہم تو ایک بے دین اور عملاً خدا کے منکروں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

میرا ایک دوست کہہ رہا تھا کہ پاکستان میں کپڑے کے دوکانداروں کے گز چھوٹے ہیں 'ناپ تول کے دوسرے پیمانے بھی معیار کے مطابق نہیں ۔ شائد ہی کوئی ایسا پٹرول پمپ ہو جس کے میٹر درست ہوں اور تیل خالص ہو۔ عام خیال تھا کہ موٹروے کے پٹرول پمپ درست ہوتے ہیں 'میں اکثر دوران سفر پاکستان انہی پٹرول پمپوں سے تیل لیتا تھا۔ لیکن ایک دن یہ خبر چھپی کہ یہاں کے کئی پٹرول پمپوں کی جانچ پڑتال کی گئی تو ان میں سے آدھے سے زیادہ غلط نکلے۔ ایک مستند حدیث ہے جو قوم ناپ تول میں بد دیانتی کرتی ہے اس کا رزق روک لیا جاتا ہے لیکن ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ ایک قوم پر عذاب اسی لئے نازل ہوا 'اور وہ ناپ تول میں بد عنوانی کی سزا میں تباہ و برباد کر دی گئی مگر عبرت کون پکڑے؟ ہمارے ہاں جن کو اس ملک کے خزانے کا امین ہونا چاہئے تھا وہ کروڑوں اربوں ملک و قوم کا لوٹ کر اپنے بیرونی بینک اکاؤنٹس میں محفوظ کر لیتے ہیں اور ایک این آر او کے طفیل پھر سے اس ملک کے خزانے پر ہاتھ صاف کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

میرے ایک بہت ہی مہربان شفیق دوست اور لندن کے ایک معروف تاجر ناہید رندھاوا کے بڑے بھائی ڈاکٹر طارق رندھاوا جو امریکا میں ایک انتہائی ذمہ دار عہدے پر اپنی ذمہ داریاں سر انجام دے رہے ہیں، میری اہلیہ کی علالت کے بارے میں مقامی پروفیسر ڈاکٹر سے خصوصی ملاقات کیلئے ہسپتال تشریف لائے۔ان کا اپنے پیشے میں مہارت، دینی رجحان اور پاکستان کیلئے دردِ دل دیکھ کر فوری خیال آیا کہ بالآخر وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ملک ایسے بے شمار ماہرین سے محروم ہوتا جارہا ہے۔پاکستان کی موجودہ صورت حال پر دل گرفتہ ہو کر انہوں نے اچانک یہ سوال داغ دیا کہ آپ ان حالات میں پاکستان کی بہتری کیلئے کیا تجویز کرتے ہیں؟

سودی نظام کو فی الفور ختم کئے بغیر ہم کبھی بھی فلاحی ریاست بنانے کے خواب کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ہمارے ملکی آئین میں اسلام کے بارے میں شقیں موجود ہیں مگر ہمارے حکمران آج تک سیکولر رہے ہیں اور سیکولرازم میں ملک کی نجات سمجھتے ہیں۔دنیا کے سیکولر لیڈر ہمارے آئیڈیل ہیں اور سود جو خدا اور رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے' اسے ہم نے جائز قرار دے رکھا ہے اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔یعنی ہم اپنے آپ کو خدا اور اس کے رسول سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ)۔انہوں نے اس کی بھرپور تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعی اس کے علاوہ اور کوئی علاج ممکن نہیں۔حد تو یہ ہے کہ بظاہر ہمارے جو سیاسی لیڈر اسلام کا نام دن رات لیتے ہوئے نہیں تھکتے، ان کے اپنے سارے دھندے بینکوں کے ساتھ سودی کاروبار میں ملوث ہیں اور قومی ٹیکس بچانے کیلئے اور اپنی سخاوت کے اظہار کیلئے انہی کاروبار سے کچھ خیراتی ادارے بھی رواں دواں ہیں ۔وہ سمجھتے ہیں کہ شائد اس طرح جہاں خلقِ خدا کے دل جیتے جا سکتے ہیں اسی طرح خالق کو بھی راضی کر کے اس کی جنت کے حق دار ٹھہریں گے۔

بات گداگر کی ہو رہی تھی اور آپ کو معلوم نہیں کہ کوئی کیوں گداگر ہے؟ایک عورت کیوں طوائف ہے؟ہم عورت کو طوائف بناتے ہیں' لطف اندوز ہوتے ہیں اور پھر اسے گرفتار کر لیتے ہیں کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور اس کی سزا سنگساری ہے۔میرے ایک دوست مجھے بتا رہے تھے کہ میں جب بھی پاکستان جاتا ہوں تو مختلف ٹریفک لائٹس پر سہ پہر کے اخبارات ضرور خریدتا ہوں' مگر کسی کو پڑھتا نہیں۔خریدتا اس لئے ہوں کہ جو لڑکا اخبار بیچ رہا ہے وہ اس کی محنت سے خوش ہو کر اس سے اخبار لے لیتا ہوں۔آپ سے گزارش ہے کہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے ہاتھ کو خالی نہ جانے دیں۔کیا یہی کچھ کم ہے کہ وہ ہاتھ آپ کا نہیں' کسی دوسرے کا ہے' اور آپ دینے والے ہیں لینے والے نہیں۔رمضان المبارک کا مہینہ تو میرے رب کی فیاضی، جود و سخا، رحمت، بخشش و مغفرت کا دن رات اعلان کر رہا ہے۔خدارا اپنی دعاؤں میں بیماروں کی شفایابی کیلئے دعا کرنا نہ بھولیں۔

تو آیئے سب سے پہلے اپنے دلوں کی صفائی کیلئے ان سب کو معاف کر دیں جن کے بارے میں آپ کے دل میں ذرہ بھر بھی ملال ہے اور اپنے اسی عمل کو واسطہ بنا کر اپنے رب کریم کے ہاں سجدہ ریز ہو جائیں۔میری آپ سے ایک گزارش ہے کہ جہاں اس مہینے میں آپ اور بہت سے دعائیں مانگیں وہاں اپنے ملک پاکستان سے سودی نظام کے خاتمے کی نہ صرف دعا مانگیں بلکہ اس قبیح فعل پر گڑگڑا کر توبہ و استغفار بھی کریں۔نجانے کون سے پل کسی ایک کی دعا پاکستان کی تقدیر بدل کر رکھ دے۔بس رہے نام میرے رب کا جو ہر شئے کا مالک ہے۔

بروز سوموار ۴ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۳ جولائی ۲۰۱۲ء

امریکی کمیوں سے نجات

سمیع اللہ ملک

جب پاکستان کے سیاستدان اور حکمران اپنے ملک کے ساتھ وفا نہ کریں، جب ملک و قوم کی دولت سے ان کے بنک تو بھر جائیں لیکن نیت نہ بھرے، جب ضمیر کا سودا کر دیں، جب جھوٹ بے حیائی کے ساتھ بولنے لگیں، جب منافقت ڈھٹائی کے ساتھ کرنے لگیں، جب غلامی کا طوق پہنے جمہوریت اور ملک و قوم کی فلاح کی باتیں کرنے لگیں، جب عوام کی کھلم کھلا نفرتوں کے باوجود خود کو ان کا ہر دلعزیز کہیں، جب ہر وہ کام کریں جس پر القاعدہ بھی حیران ہو جائے، بھارت طنز کرے، امریکا فائدہ اٹھائے، جب اپنے لوگوں کے لہو کو کھیل بنالیں، جب غداری کو اصول اور بے حسی کو لباس بنالیں اور جب دنیا میں ہر طرف سے ایک ہی آواز سنائی دینے لگے کہ پاکستان نے بھارت سے الگ ہو کر بلنڈر کیا ہے تو ایسے میں امریکا کے بارک اوبامہ یا ہیلری کلنٹن جیسوں کے بیانات پر افسوس نہیں ہوتا۔

دوسروں پر گلہ کرنا اور انہیں اسلام اور پاکستان کا دشمن کہنا حماقت ہے اور امریکا سے نفرت کا جواز نہیں بنتا۔ ان دنوں امریکا صدارتی انتخابات کے بخار میں مبتلا ہے۔ جو دہشت گردی کے خلاف نفرت کا اظہار کرتا ہے، خاتمے کی خطرناک تجاویز پیش کرتا ہے، پاکستان کو دہشتگردوں اور امریکا کے دشمنوں کی جنت کہتا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں تک رسائی کے راستے بتاتا ہے، ور جسے امریکا کے عوام میں اسی قدر مقبولیت حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ اپنے نئے صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ امریکا کی صدارتی مباحث میں دیکھا جاتا ہے کہ پاکستان کے خلاف ارادوں میں شدت کا معیار اور لیول کس درجہ حرارت پر پہنچ کر لوگوں کو مائل کر دیتا ہے کہ ان کی حمائت حاصل کی جاسکے۔ سابقہ انتخابات میں ہیلری کلنٹن کو تجربہ کار اور زیرک سیاستدان تصور کیا جاتا تھا جبکہ بارک اوبامہ کے ارادوں کی شدت اور پاکستان کے خلاف عملی اقدام کے عزائم نے انہیں کامیابی کی سیڑھی پر پہنچادیا تھا۔

ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار بارک اوبامہ اور امریکا کے عوام میں مقبولیت میں ہیلری کلنٹن کو پیچھے چھوڑ گئے تھے جبکہ ری پبلکن پارٹی میں صدارتی امیدوار جان مکین کامیاب جارہے تھے۔ تمام صدارتی امیدوار پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کی برملا باتیں کرتے رہے ۔اپنی انتخابی مہم میں ہیلری کلنٹن کہتی رہیں کہ صدر ہونے کی صورت میں وہ چاہیں گی کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے تحفظ کیلئے برطانوی اور امریکی ماہرین کی ایک ٹیم تیار کی جائے۔ پاکستان کے اندرونی حالات کے پیش نظر وہاں کے ایٹمی اثاثوں کو خطرہ ہے لہٰذا امریکا اس کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اوبامہ اپنی انتخابی مہم میں تکرار کے ساتھ کہتے رہے کہ پاکستان پر القاعدہ کیخلاف سخت ایکشن لینے پر زور ڈالیں گے اگر کامیابی نہ ہو سکی تو میں حملہ کرونگا۔ پاکستان میں القاعدہ کے وجود اور اسامہ بن لادن کی موجودگی کی صورت میں وہ پاکستان میں فوجی کارروائی کریں گے اور ایسا انہوں نے ایبٹ آباد آپریشن میں کر دکھایا اور یہ بات ابھی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ اس آپریشن میں ہمارے اپنے غداروں کا کتنا ہاتھ تھا۔

امریکی انتخابی مہم میں تمام امیدواروں کا اس بات پر اتفاق رہا کہ پاکستان ایک ناکام ریاست ہے اور دہشت گردی کیخلاف جنگ میں بھی ناکام ہو چکا ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کے بارے میں بھی قابل اعتماد نہیں لہٰذا اس ملک پر امریکا کی فوج بھیجی جانی چاہئے۔ اوبامہ اور دیگر امیدواروں کے بیانات کی جذباتیت امریکا کے عوام کے دل کی آواز بنے رہے جو کہ یہاں اور وہاں کے پاکستانیوں کو خوفزدہ کرنے کیلئے کافی رہے اور دباؤ بڑھانے کیلئے اپنے انتہائی وفادار ساتھی مشرف کو بھی ایک ناکام حکمران قرار دیکر این آر او کے تحت اپنے من پسند لوگوں کو جمہوریت کے نام پر پاکستان پر مسلط کر دیا گیا

لیکن یہ رویہ کب تک ؟آخر کب تک ؟امریکا میں ایک دفعہ پھر پاکستان کو عراق یا افغانستان بنانے کے ارادوں میں شدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ پاکستان میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا کرکے پاکستان کی فوج کو ناکام ثابت کیا جارہا ہے۔ ملک کے بیوپاری اور وطن فروش قاتل ہاتھوں میں دستانے پہنے ملک کے ہر صوبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قتل وغارت اور دہشت گردی کے ٹھیکے لے رکھے ہیں۔ شنید ہے کہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد مستقبل میں مزید لوگوں کو راستے سے ہٹانے کا پلان بھی تیار ہے جس کی بعد ازاں تمام تر ذمہ داری القاعدہ یا طالبان پر ڈالی دی جائے گی۔ امریکا کو چاند پر پہنچے عرصہ ہو گیا ہے۔ اس ملک نے اس قدر ترقی کرلی ہے کہ کمپیوٹر کی آنکھ سے دنیا کو دیکھ رہا ہے۔ سٹیلائٹ کے دور میں ویب پر دنیا کا گوشتہ گوشتہ دیکھا جاسکتا ہے لیکن حیرت ہے اس ملک کے ماہرین کو افغانستان ہیں نیٹو ممالک کی تمام تر فوجی امداد کے باوجود کوئی کامیابی تو حاصل ہو نہیں رہی اور اب اپنی شکست کا سارا ملبہ پاکستان پر ڈال کر نئے انتخابات میں کامیابی کا ڈرامہ رچانے کا بندوبست کیا جارہا ہے۔

پاکستان کے عوام بے بس ضرور ہیں مگر کم عقل نہیں۔ ان کے پاس امریکا اور پاکستان کے حکمرانوں سے نفرت کے سوا کوئی ہتھیار نہیں۔ واشنگٹن، رائٹرز کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستانیوں کی اکثریت اپنے ملک میں اسلام چاہتی ہے جبکہ امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ نے اسلام کو انتہا پسند بنادیا ہے۔ پاکستانیوں کی دو تہائی تعداد امریکا پر اعتماد نہیں کرتی کہ امریکا عالمی سطح پر ذمہ دارانہ کردار ادا کریگا۔ پاکستان کے ۷۸ فیصد عوام کو یقین ہے کہ امریکا اسلام کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ ۵۷ فیصد پاکستانی امریکا کے ساتھ تعلقات کے حق میں نہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستانیوں میں القاعدہ کے بارے میں بھی مختلف رائے پائی جاتی ہے۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ امریکا القاعدہ کو جواز بنا کر پاکستان پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ دن بدن بھارت کے ساتھ محبت کی پینگیں بھی امریکا کے خلاف نفرت کا ایک بڑا سبب ہے۔ پاکستانی عوام یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکومت بھی مشرف حکومت کا تسلسل ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ امریکی حکومت کی پٹھو ہے اور پاکستان ہیں آئندہ انتخابات ہیں زرداری حکومت کے ساتھ ان کے اتحادیوں کے خلاف غم وغصہ کے جذبات کو دبایا نہیں جاسکتا۔

پاکستان میں تشویشناک صورتحال سے واپسی بظاہر مشکل ترین دکھائی دے رہے ہیں۔ ناممکن کا لفظ اللہ کی ڈکشنری میں نہیں۔ ذات کریم چاہے تو سب ممکن ہو جاتا ہے اور جو ناممکن ہو اسے معجزات سے ممکن بنادیا کرتا تھا۔ انبیاء کے معجزات کا دور گزر چکا لیکن اللہ پر توکل اور ایمان کی قوت سے کچھ بھی ناممکن نہیں رہتا۔ قوموں پر عروج وزوال کے زمانے رہتے ہیں۔ مشکلات کے دور بھی بیت جاتے ہیں۔ پاکستانیوں کو عقل آگئی ہے کہ امریکیوں کا ڈنگ سانپ کے کاٹنے سے بھی زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ امریکی حمائت یافتہ سیاستدانوں کو مسیحا سمجھنا خود سوزی ہے۔ زرداری کا اقتدار امریکا کا صدقہ ہے جبکہ اتحادیوں کا وجود تو پانی کا بلبلہ ہے۔ ان لوگوں نے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ امریکا یقین پر قائم ہے جبکہ پاکستان امید پر۔ پاکستان کی امید اس ملک کی بنیاد ہے اور اس ملک کی بنیاد کلمہ توحید ہے۔ عوام کے پاس اندھیروں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ موجودہ جمہوری آمریت اور ظلم کیخلاف جذبوں میں شدت پیدا کی جائے۔ امریکا کے سیاستدان پاکستان کے کے خلاف خطرناک ارادوں کی بنیاد پر الیکشن لڑ سکتے ہیں، اپنے عوام کے محبوب لیڈر بن سکتے ہیں تو پاکستان کے عوام اپنے ملک پر قبضہ گروپ، بدعنوان، بے رحمی سے ملکی دولت لوٹنے والوں کے

کے خلاف جدوجہد اور ارادوں میں شدت پیدا کیوں نہیں کر سکتے۔ اپنے ملک کو امریکا کے ناپاک ارادوں سے کیونکر محفوظ نہیں کر سکتے۔ اپنے ملک پر مسلط پر امریکا کے ان "کمیوں" سے نجات حاصل کیوں نہیں کر سکتے۔ سب ممکن ہے لیکن ارادوں میں شدت، قوت ایمانی اور ملک کیساتھ اور وفا اور محبت شرط ہے۔

بروز جمعرات ۷ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۶ جولائی ۲۰۱۲ء

کوئی تیرا بھی خدا ہے؟

ملے اور بچھڑ گئے۔ ریلوے اسٹیشن ہو لاری اڈہ یا ایئرپورٹ..... یہ ایسی جگہیں ہیں جہاں لوگ ملتے ہیں بچھڑتے ہیں، ہنستے ہیں، روتے ہیں۔ کوئی گھنٹوں انتظار کرتا ہے کہ آنے والا آئے اور انتظار کرنے والا سکون و چین پائے اور کوئی اداس کھڑا ہوں ہاں کرتا رہتا ہے کہ ابھی جو سنگ کھڑا ہے وہ چلا جائے گا اور پھر مقدر نصیب کب ملاقات ہو..... ایسی ہے ناں یہ دنیا، یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے۔ لیکن یہ تماشہ بھی ہے بھول بھلیاں، دھوکا گھر..... یہاں زندگی کا سرکس سجا ہے، ہر اک آتا ہے اپنا کرتب دکھا کر چلا جاتا ہے، رہے گا کوئی نہیں یہاں..... نادار بھی اور زردار بھی۔ موت کا ہرکارہ ہر دم تیار رہتا ہے، فرشتۂ اجل وقتِ مقررہ پر آئے گا اور پھر یہ جا وہ جا۔ لوگ باتیں کرتے رہ جائیں گے: ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا، ٹی بی تھی، کینسر تھا..... یہ تھا..... وہ تھا..... اور نہ جانے کیا کچھ۔ بہت ہی کم سنا ہے کہ یار ووقت پورا ہوا اور چار کے کندھے پہ سوار ہو گیا۔ پھر بھی ہم نہیں سمجھتے..... یہی سمجھتے ہیں ابھی تو میں جوان ہوں..... ہم سا ہے تو سامنے آئے۔

ایسے ہی ایک اور بابا جی ہر وقت میرے سنگ رہتے ہیں، اپنی قبر خود کھود کر اس میں اکثر لیٹنے والے اور یہ یاد رکھنے والے کہ بس اصل تو وہ ہے، یہ تو نقل ہے دھوکا ہے فریب ہے، یہ تو جاننے والے بھی ماننے والے بھی ہیں، ہم جانتے ہیں نہ مانتے ہیں بلکہ جانتے ہیں تب بھی نہیں مانتے۔ میرے ٹیلیفون کے تو وہ شدت سے منتظر رہتے ہیں۔ عالمی اخبارات کی مشہور خبریں اور تبصرے پڑھنے کیلئے ارسال کرتے رہتے ہیں اور کچھ خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے مشوروں سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔ میرے کالم غور سے پڑھتے ہیں لیکن بہت کم اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن دوسرے دوستوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ کس قدر تعریف اور توصیف سے انہیں یہ کالم پڑھنے کیلئے کہتے ہیں۔ ہاں البتہ چند مرتبہ یہ ضرور کہا کہ اپنا خون مت جلاؤ..... یہ دنیا نہیں سدھرے گا. لیکن تم صبر سے اپنا کام جاری رکھو۔

خود ساری عمر نظریاتی صحافت میں گزار دی، برسوں ایک نظریاتی جریدے کو خون دل سے پالتے رہے، کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی، ان کی صاف گوئی کی ایک دنیا معترف ہے لیکن اب حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ صحت اور وسائل نے مجبور کر دیا کہ اس کو بند کرنا پڑا لیکن زندگی بھر کی جدوجہد اور مشقت کہاں آرام کرنے دیتی ہے۔ اب ان کے مطالعے سے مجھ جیسے کئی مستفیذ ہوتے رہتے ہیں گویا چراغ سے چراغ جلانے کا عمل مسلسل جاری و ساری ہے۔

اخبار "کرسچن سائنس مانیٹر" نے ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں امریکی افواج کے انخلا کے بعد ممکنہ طور پر افغانستان کو درپیش مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ دنیا بھر میں استعمال ہونے والی ۹۰ فی صد پوست افغانستان میں کاشت ہوتی ہے۔ اخبار نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ امریکی انخلا کے بعد افغانستان میں پوست کی کاشت اور اس کی بیرونِ ملک اسمگلنگ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ اخبار لکھتا ہے کہ نیٹو افواج افغانستان کے بدترین حالات میں حسبِ استطاعت بہتر کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نیٹو ممالک افغانستان کی صورتِ حال سے عاجز آ چکے ہیں اور جلد از جلد سیکیورٹی کی ذمہ داریاں منتقل کر کے اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

کرسچن سائنس مانیٹر نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ امریکی اور نیٹو افواج کے ۲۰۱۴ء تک افغانستان سے انخلا کے دیرپا اثرات مرتب ہوں گے۔ اخبار کے مطابق سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آخر مقامی افغان فورسز ان طالبان کا مقابلہ کیسے کریں گی جو نیٹو کے ایک لاکھ ۳۰ ہزار فوجیوں کی موجودگی کے باوجود اپنے حملے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ یہ سوال بھی خاصا پریشان کن ہے کہ امریکی انخلا کے بعد افغانستان کی

معیشت کا کیا ہو گا؟ افغان حکومت کا ۹۰٪ بجٹ غیر ملکی امداد سے بنتا ہے جب کہ ملکی جی ڈی پی کا لگ بھگ ۹۸٪ بیرونی امداد اور غیر ملکی افواج کے اخراجات پر مشتمل ہے۔ عالمی بینک پہلے ہی خبردار کر چکا ہے کہ اگر امداد دینے والے ممالک اور ادارے افغانستان کو دی جانے والی امداد میں تیزی سے کمی لائے تو افغان معیشت دیوالیہ ہو سکتی ہے۔ ایک اور اہم خدشہ علاقائی ممالک کے کردار سے متعلق ہے جو امریکہ کے انخلا کے بعد افغانستان میں اس کی جگہ پر کرنے کے لیے سرگرم ہو سکتے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ افغانستان کی صورتِ حال پڑوسی ممالک، خصوصاً پاکستان اور ایران کو متاثر کرے گی اور وہاں کسی بھی قسم کی افراتفری یا خانہ جنگی کی صورت میں یہ دونوں ممالک بھی عدم استحکام کا شکار ہو سکتے ہیں۔

کرسچن سائنس مانیٹر نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ امریکی انخلا سے افغانستان میں جاری سماجی اصلاحات کا عمل بھی تعطل کا شکار ہو سکتا ہے۔ اخبار کے بقول طالبان کی اقتدار سے رخصتی کے بعد افغانستان کے عوام کو شہری آزادیاں میسر آئی ہیں اور خصوصاً خواتین کا طرزِ زندگی بہتر ہوا ہے۔ اس وقت ۲۴ لاکھ افغان بچیاں اسکولوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ خواتین کو روزگار، سفر اور صحت کی مناسب سہولتیں ملی ہیں جب کہ وہ سیاست میں بھی سرگرم ہیں۔ لیکن اخبار لکھتا ہے کہ امریکہ کی رخصتی کے بعد افغان معاشرہ دوبارہ پرانی ڈگر پر لوٹ سکتا ہے جہاں خواتین کو بنیادی آزادیاں اور حقوق حاصل نہیں تھے۔

حال ہی میں بیجنگ میں شنگھائی تعاون تنظیم کے سالانہ سربراہی اجلاس میں، جس میں چین، روس اور چار وسطی ایشیائی ریاستیں شریک تھیں، افغانستان کا مستقبل ان کے ایجنڈے میں سرفہرست تھا۔ شنگھائی تعاون تنظیم کے دو روزہ اجلاس سے قبل چین کے صدر ہو جن تاؤ نے کہا تھا کہ ان کا خیال ہے کہ افغانستان میں غیر ملکی فوجی سرگرمیوں کے اختتام کے بعد اس علاقائی تنظیم کا اس ملک میں ایک اہم کردار ہو گا۔ چین کے میڈیا کے ذریعے منظرِ عام پر آنے والے اپنے انٹرویو میں صدر ہو نے کہا کہ اس چھ رکنی تنظیم کو علاقائی امن اور استحکام کے لیے زیادہ قریبی تعاون سے کام کرنا چاہیئے لیکن چین کے راہنما نے اپنے انٹرویو میں یہ واضح نہیں کیا کہ یہ تنظیم افغانستان میں کس طرح کوئی بڑا کردار ادا کر سکتی ہے لیکن شنید یہ ہے کہ تنظیم نے افغانستان میں امریکا کے مستقل اڈوں پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے افغانستان کو ہر قسم کی غیر ملکی مداخلت سے پاک رکھنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے امریکا اور اس کے تمام اتحادیوں کو ایک واضح پیغام دیا ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا افغانستان کے معاملے پر سب سے زیادہ قربانیاں دینے والا ملک پاکستان امریکی انخلاء کے بعد کے حالات کے بارے میں اپنا ہوم ورک مکمل کر چکا ہے؟ سلالہ چوکی پر ہمارے فوجیوں کو نیٹو افواج نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت شہید کر کے پاکستان کو یہ واضح پیغام دیا کہ افغانستان میں امریکا اور نیٹو کی شکست کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جائے گا اور جس طرح امریکا نے ویتنام سے نکلتے ہوئے پڑوسی ممالک کو نشانہ بناتے ہوئے اپنی بدترین شکست کا بدلہ لیا تھا وہ یہاں بھی ایسا ہی عمل دہرا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلالہ کے معاملے پر پاکستان نے نیٹو سپلائی کی بحالی کو امریکی معافی سے مشروط کیا تھا اور امریکا کسی حد تک اس پر تیار بھی ہو گیا تھا لیکن ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں نے یہ روزِ بد بھی دکھایا کہ ہم نے امریکا کی دھونس کے سامنے نہ صرف گھٹنے ٹیک دیئے بلکہ ڈرون حملوں میں ایک مرتبہ پھر تیزی آگئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اب آئے دن افغانستان سے پاکستانی سرحدی علاقوں میں مسلح حملوں میں اضافہ ہو گیا ہے جس میں ہمارے سیکورٹی اداروں کے افراد شہید کئے جا

رہے ہیں لیکن ایوان اقتدار میں اب بھی ملکی دولت کو بے دریغ لوٹنے والے اس بات کی سازشیں کر رہے ہیں کہ صدر زرداری صاحب کو کرپشن مقدمے میں بچانے کیلئے ملک کی اعلیٰ عدلیہ کے احکام پر عمل درآمد کو کس طرح روکا جائے اور آئندہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے امریکا کی مزید بھرپور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کیا عملی اقدامات کئے جائیں۔ نجانے آغا شورش کاشمیری مرحوم کیوں یاد آرہے ہیں۔

سوچتا ہوں کہ اسی قوم کے وارث ہم ہیں
جس نے اولادِ پیمبر کا تماشا دیکھا
جس نے سادات کے خیموں کی طنابیں توڑیں
جس نے لختِ دلِ حیدر کو تڑپتا دیکھا
برسرِ عام سکینہ کی نقابیں الٹیں
لشکرِ حیدرِ کرار کو لٹتا دیکھا
امِ کلثوم کے چہرے پہ طمانچے مارے
شام میں زینب و صغریٰ کا تماشا دیکھا
شہِ کونین کی بیٹی کا جگر چاک کیا
سِبطِ پیغمبرِ اسلام کا لاشہ دیکھا
اے مری قوم! ترے حسنِ کمالات کی خیر
تو نے جو کچھ بھی دکھایا وہی نقشہ دیکھا
یہ سبھی کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ مجھے کچھ سوچنے دے
کوئی تیرا بھی خدا ہے؟ مجھے کچھ سوچنے دے!

بروز اتوار ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲۹ جولائی ۲۰۱۲ء

نہیں کوئی جرم میرا تو پھر یہ سزائیں کیسی

صاحبان اقتدار نیٹو سپلائی کی بحالی پر امریکا سے تحریری معاہدے پر بغلیں بجا رہے ہیں اور پاک امریکا کے نئے تعلقات کی خوش گمانیوں سے قوم کو مسرت کی نوید دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اس معاہدے کے بعد امریکا اتحادی سپورٹ فنڈ کی ادائیگی پر بھی رضامند ہو گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسی مد میں امریکا نے پاکستان کو دو ارب ۸۰ کروڑ ڈالر ادا کرنے تھے جبکہ امریکی کانگرس نے ۶۵ کروڑ ڈالر کی کٹوتی کا بل منظور کر کے پاکستان کو ایک واضح نقصان پہنچا دیا ہے۔ امریکی اپوزیشن جماعت ری پبلکن پارٹی کے رکن ٹیڈ پو نے دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے تعاون پر اعتراض اٹھاتے ہوئے پاکستان کی فوجی امداد میں ایک ارب ۳۰ کروڑ ڈالر کی کٹوتی کا مطالبہ کیا کہ پاکستان نے امریکا کے ساتھ غداری کی ہے اس لئے وہ اب اس امداد کا مستحق نہیں۔ فلوریڈا کے رکن بل ینگ نے اس بل کی حمائت کی جس کے بعد پاکستان کی فوجی امداد میں کمی کو امریکا کے دفاعی بل کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

دوسری طرف امریکا کی جانب سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں کاروائی کرنے کے بیانات نے نہ صرف قبائلیوں میں تشویش پیدا کر دی ہے بلکہ قبائلی علاقوں میں نیا میدان جنگ بننے کا خطرہ بھی بڑھ گیا ہے۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکا افغانستان سے متصل پاکستانی سرحدی علاقے شمالی وزیرستان میں حقانی نیٹ ورک اور دیگر شدت پسندوں کے خلاف کاروائی کا ارادہ رکھتا ہے اور عین ممکن ہے کہ آئندہ نیٹو سپلائی کے کسی کنٹینرز قافلے پر کوئی خوفناک حملہ یہ جواز پیدا کر دے۔ اے پی کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکی فوجی کمانڈروں نے امریکی محکمہ دفاع سے پاکستانی علاقے شمالی وزیرستان میں حقانی نیٹ ورک کے خلاف کاروائی کی اجازت مانگی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ افغانستان میں امریکی فوج پر ہونے والے حملوں میں حقانی نیٹ ورک ملوث ہے۔ پاکستان نے بارہا امریکا اور افغان حکومت سے ٹھوس شواہد کا مطالبہ کیا ہے تاہم امریکا اور افغانستان اس حوالے سے کوئی ثبوت دینے سے قاصر ہیں۔

امریکی وزیر دفاع لیون پنیٹا امریکی فوجیوں کے انخلا کے منصوبوں پر بات چیت کے لیے جب افغانستان پہنچے تو اپنے دورہ کابل میں ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں دہشت گردوں کے حقانی نیٹ ورک کی بیخ کنی کے معاملے پر امریکا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

امریکی افواج سے خطاب کرتے ہوئے اس دباؤ کو برقرار رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اپنا دفاع کرنا ہمارا حق ہے اور ہم صاف طور پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم حقانی نیٹ ورک سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہیں اور ہمیں پاکستان پر بھی دباؤ بڑھانا ہو گا کہ وہ بھی ان کے خلاف حرکت میں آئے۔

یہی وجہ ہے کہ مایوسی کا شکار امریکہ نے حالیہ دنوں میں وزیرستان کے علاقے میں شدت پسندوں کے مشتبہ ٹھکانوں کے خلاف ڈرون طیاروں سے میزائل حملے بھی تیز کر دیئے ہیں۔ ایسے ہی ایک حملے میں القاعدہ کے ایک اہم رہنما کی ہلاکت پر امریکی وزیر دفاع پنیٹا نے ازراہ مذاق کہا کہ آج کل اگر کوئی بدترین نوکری آپ کو مل سکتی ہے تو وہ القاعدہ کا نائب رہنما یا پھر ایک رہنما ہونا ہے۔

امریکا کی جانب سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں کاروائی کرنے کے بیانات نے نہ صرف قبائلیوں میں تشویش پیدا کر دی ہے بلکہ قبائلی علاقوں میں نیا میدان جنگ بننے کا خطرہ بھی بڑھ گیا ہے۔ دراصل امریکا افغانستان میں اپنی ناکامی چھپانے کیلئے حقانی نیٹ ورک کو موردِ الزام ٹھہرا کر پاکستان کے اندر خانہ جنگی کرانا چاہتا ہے کیونکہ شمالی وزیرستان میں ممکنہ امریکی مداخلت پورے ملک میں آگ لگا سکتی ہے۔ ایک طرف تو ملک میں توانائی کے بحران، بے روزگاری اور مہنگائی نے قیامت ڈھا رکھی ہے تو دوسری جانب پاکستان کے عوام اپنے مسائل کا ذمہ دار امریکی پالیسیوں کو

قرار دے رہے ہیں کیونکہ امریکہ کی بے جا مداخلت سے پاکستان کے اندر عدم استحکام پیدا ہو رہا ہے۔ یہ خبر بھی گرم ہے کہ امریکا جنوبی و شمالی وزیرستان اور جنوبی اضلاع میں جاسوسی کا نیٹ ورک بنانا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں بھارت کا تعاون بھی اسے حاصل ہے تاہم انہیں تاحال اس میں کوئی کامیابی نہیں مل سکی کیونکہ شکیل آفریدی کا انجام لوگوں کے سامنے ہے اور دوسری جانب پاکستان کی سیکورٹی اداروں نے بھی بھرپور تیاری کے ساتھ تمام حالات پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔

لیون پنیٹا امریکہ کے وزیر دفاع کے طور پر پہلی بار ۶ جون ۲۰۱۲ء کو دو دن کے دورے پر بھارت کے دارالحکومت دلی پہنچے جہاں انہوں نے اپنے دورے کا مقصد بھارت اور امریکہ کے دفاعی تعلقات کو مزید مستحکم کرنا بتایا۔ امریکی وزیر دفاع نے دلی پہنچنے کے بعد بھارت کے وزیر اعظم من موہن سنگھ سے مفصل بات کی۔ دونوں رہنماؤں نے اس ملاقات میں باہمی دفاعی معاملات کے علاوہ پاکستان کی صورت حال اور دو برس بعد افغانستان سے امریکی افواج کے ممکنہ انخلاء کے بعد حالات پر تبادل خیال کیا۔ بعد ازاں لیون پنیٹا کے اپنے بھارتی ہم منصب اے کے اینٹونی اور قومی سلامتی کے مشیر شیو شنکر مینن سے تفصیلاً مذاکرات کئے۔ اطلاعات ہیں کہ اس دورے میں بعض دفاعی سودوں پر بھی بات ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ امریکی وزیر دفاع لیون پنیٹا نے بحر الکاہل خطے میں امریکہ کی طویل مدتی عسکری حکمت عملی پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ بات چیت میں دونوں ملکوں کے درمیان فوجی ساز و سامان کی خریداری کے راستے ہموار کرنا بھی ان کے ایجنڈے میں سر فہرست تھا۔ واضح رہے کہ گزشتہ سات برس میں بھارت نے امریکہ سے آٹھ ارب ڈالر سے زیادہ کے فوجی ساز و سامان خریدا ہے۔ دلی میں امریکا کی نئی سفیر نینسی پاول نے کچھ دنوں پہلے کہا تھا کہ دونوں ممالک اضافی آٹھ ارب ڈالر مالیت کے تجارتی اور فوجی سودے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ وزارت دفاع نے چھ سو ملین ڈالر مالیت کی ڈیڑھ سو ہلکی ہاوٹزر توپیں اور فضائیہ کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر کے ۲۲ اپاچی ہیلی کاپٹرز خریدنے کی منظوری دی ہے لیکن ان سودوں کو حتمی شکل دیا جانا باقی ہے۔ امریکہ کے صدر باراک اوباما نے اس برس کے اوائل

میں بحر الکاہل خطے کیلئے اپنی جس طویل مدتی عسکری حکمت کا ذکر کیا تھا اس میں بحر ہند خطے میں سلامتی برقرار رکھنے کے لیے بھارت کے ساتھ طویل مدتی عسکری اشتراک کی بات کہی گئی تھی۔

امریکہ کو خدشہ ہے کہ چین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے امریکہ کے اقتصادی اور سلامتی کے مفادات پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔ بھارت کے بارے میں عسکری ماہرین کا یہ خیال ہے کہ وہ چین کے بڑھتے ہوئے اثرات کو قابو میں رکھنے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن بھارت ابھی تک چین سے اس طرح کے ٹکراؤ کے تاثرات دینے سے گریز کر رہا ہے تاہم حالیہ مہینوں میں بھارت نے چین کے جنوبی سمندر میں اپنے بحری جنگی جہاز بھیج کر اپنی پوزیشن پر زور دینے کی کوشش کی ہے۔ بھارت نے حال میں تھائی لینڈ اور ویت نام سے دفاعی معاہدے کیے ہیں اور جنوبی کوریا میں اپنا دفاعی اتاشی مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ لیون پنیٹا نے بھارتی رہنماؤں سے اپنی بات چیت میں ان سوالوں پر بھی مفصل بات چیت کی ہے۔ ویتنام سے دلی کے لیے روانہ ہونے سے قبل وزیر دفاع پنیٹا نے کہا تھا کہ میں ایک ایسے ملک سے ایک مضبوط دفاعی تعلقات قائم کرنے کے لیے جا رہا ہوں جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اکیسویں صدی میں خوشحالی لانے اور سلامتی کے قیام میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرے گا۔

ادھر بھارتی افواج کو اسلحہ فراہم کرنے والے ایک مغربی ملک کے ڈیلر نے انکشاف کیا ہے کہ بھارتی انٹیلی جنس "را" پڑوسی ملکوں کی جاسوسی کیلئے

اسرائیل سے طیارے خرید رہی ہے۔ بھارت قیام پاکستان کے وقت سے ہی پاکستان کی سلامتی کے خلاف اپنے مذموم منصوبوں کو جاری رکھے ہوئے ہے اور وہ اسی جنون میں مسلسل اپنے دفاعی بجٹ میں اضافہ کرتا چلا جارہا ہے۔ امریکا و مغربی ممالک، روس اور اسرائیل سب سے دھڑا دھڑ اسلحہ خرید رہا ہے اور اب اسرائیل سے جس جاسوس طیارے کی خریداری کے منصوبے کا انکشاف ہوا ہے، وہ بھی صرف پاکستان کیلئے خریدا جارہا ہے کیونکہ چین کا مقابلہ کرنا تو بھارت کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور نہ وہ طیاروں کے ذریعے چین کی جاسوسی کرنے کی ہمت رکھتا ہے لہٰذا یہ جاسوس طیارے صرف پاکستان کیلئے خریدے جارہے ہیں۔

بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" پہلے بھی جاسوسی سمیت امریکا اور افغانستان کے توسط سے دہشتگردوں کی مدد کرکے ہماری سلامتی کو نقصان پہنچانے کی کئی کوششیں کرچکی ہے اور بلوچستان میں اس کی دخل اندازی اور علیحدگی پسند رجحانات کو تقویت دینے کیلئے دہشتگردوں کی افغانستان میں تربیت اور اسلحہ سے مدد کے کافی شواہد بھی موجود ہیں، اب اگر وہ جاسوس طیارے کے ذریعے ہماری جاسوسی شروع کردے گا تو ہماری کوئی بھی چیز اس کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس لئے ہمارے حکام دفاعی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھارت کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت کے پیش نظر اپنے دفاع کو مضبوط کرنے کی ابھی سے مزید ٹھوس منصوبہ بندی کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ شاطر دشمن اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی نہ حاصل کرسکے۔ اس حوالے سے اور بھی ضروری ہوگیا ہے کہ پاکستان میں "را" کی مبینہ دخل اندازی کے ثبوت ساری دنیا کے سامنے لاکر ان کو بے نقاب کیا جائے کہ بھارتی دہشت گرد پاکستان کی سلامتی کے درپے ہیں لیکن یہاں ملکی سلامتی کی ہوش ہی کہاں ہے۔ اہل اقتدار کو تو یہ مطلوب ہے کہ ملک کو لوٹنے کیلئے اگلے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے امریکا کی خوشنودی کیسے حاصل کرنی ہے۔

لے لو واپس وہ آنسو وہ تڑپ اور وہ یادیں ساری
نہیں کوئی جرم میرا تو پھر یہ سزائیں کیسی

بروز جمعرات ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۲/اگست ۲۰۱۲ء

طوطا فال

سپریم کورٹ نے موجودہ پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے توہین عدالت کے نئے قانون کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ۲۰۰۳ء کے توہین عدالت کے قانون کو بحال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ عدالت کا کہنا ہے کہ توہین عدالت کا پرانا قانون ۱۲ جولائی سے ہی نافذ العمل ہو گا جس دن سے توہین عدالت کا نیا قانون لاگو کیا گیا تھا۔ جمعہ کو نئے قانون کے خلاف دائر درخواستوں پر مختصر فیصلے میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ نے کہا ہے کہ اس قانون میں جو بھی ترامیم کی گئی ہیں وہ پاکستان کے آئین سے متصادم ہیں۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے فوری بعد ایوان صدر اسلام آباد میں صدر اور وزیر اعظم کی سربراہی میں اتحادی جماعتوں کے رہنماؤں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مسلم لیگ قاف کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین، عوامی نیشنل پارٹی کے حاجی عدیل، افراسیاب خٹک، متحدہ قومی موومنٹ کے فاروق ستار اور دیگر نے شرکت کی۔۔ اس اعلیٰ سطحی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ پارلیمان کے قانون سازی کے آئینی حق پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور آئین کے تحت قانون سازی پارلیمنٹ کا حق ہے اور موجودہ صورتحال میں تمام چیلنجز کا مل کر مقابلہ کیا جائے گا۔ جس کے بعد صدر نے آئینی و قانونی ماہرین کی کمیٹی اور وفاقی وزیر قانون ایچ نائیک سے طویل مشاورت کے بعد ۱۸ اگست سے پہلے سپریم کورٹ میں دو اپیلیں دائر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے گویا زرداری صاحب نے مزید وقت حاصل کرنے کیلئے عدلیہ کے فیصلے کے خلاف طبل جنگ بجانے کا عندیہ دے دیا ہے۔

لیکن دوسری طرف پچھلے چند دنوں سے بڑی خاموشی کے ساتھ انتخابات کو مؤخر کرنے کی تدابیر پر بھی عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو صدر زرداری صاحب نے سندھ میں انتخابات کے حوالے سے قوم کو یقین دلایا ہے کہ وہ اپنے وقت پر ہونگے لیکن زرداری صاحب کی سابقہ قلابازیوں کو جاننے والے اب ان کے کسی بھی وعدے پر یقین کرنے کو اس لئے تیار نہیں کہ وہ خود ہی اپنے وعدوں سے منحرف ہو کر یہ بیان دے چکے ہیں کہ یہ کون سے کوئی قرآن و حدیث ہیں کہ ان پر عمل کیا جانا ضروری ہے۔ لیکن اگر انتخابات کو مؤخر کرنے کی خواہش پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی تو پھر وہ پوری کوشش کریں گے کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری کی ریٹائرمنٹ تک وہ استثنیٰ کی چھتری کی پناہ میں رہیں۔ اگر صدارت کی کرسی قائم رہتی ہے تو وہ آئندہ مدت کیلئے اتحادیوں کے جوڑ توڑ سے ایک مرتبہ پھر حکومت بنانے کی کوشش کر سکتے ہیں یا کم از کم آنے والی حکومت کو مصروف رکھ سکتے ہیں۔

زرداری صاحب کو اس بات کا بہت حد تک ادراک ہے کہ آئندہ انتخابات کے بعد اگر اقتدار میں ان کا حصہ نہ رہا تو پارٹی پر بھی ان کی گرفت نہیں رہے گی بلکہ یہ پارٹی کئی حصوں میں بٹ جائے گی۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ صدر زرداری اس سلسلے میں امریکیوں کو پہلے ہی اعتماد میں لے چکے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ امریکی بھی نہیں چاہتے کہ ۲۰۱۳ء میں جب وہ افغانستان سے واپسی کی راہ اختیار کر رہے ہوں تو پاکستان میں اینٹی امریکا ماحول ان کیلئے مسائل پیدا کرے۔ صدر مملکت کی اس خواہش کو دوسری حمائت ان کے اتحادیوں کی جانب سے ملی ہے جن میں سے اے این پی اور مسلم لیگ قاف اچھی طرح سے جانتی ہے کہ آئندہ انتخابات میں ان کے پلے کچھ بھی نہیں بچے گا اور آنے والی حکومت نے اگر احتساب کا دروازہ کھول دیا تو بہت سے مسائل پیدا ہونگے، چونکہ ان کی بقاء بھی صدر مملکت کے عہدے سے منسلک ہے لہذا وہ بھی اس پر قائل ہیں البتہ متحدہ اپنی یرغمال کردہ سیٹوں کے بارے میں پرامید تو ہے مگر دوسری جانب اسے یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ اس دفعہ درپردہ پیپلز پارٹی اور اے این پی کا اتحاد ان کی لٹیا نہ ڈبو دے، اس لئے وہ بھی صدر زرداری کی حمائت حاصل کرنے کیلئے انتخابات کے التوا کیلئے نت نئے ڈھونگ رچا رہے ہیں تاکہ

انتخابات سے قبل صدر سے اپنے دہشتگردوں کی معافی کا اعلان اور دیگر کئی فوائد حاصل کر لئے جائیں اور متحدہ اس کی پہلی قسط گلگت بلتستان میں اپنے اکلوتے رکن کو اختیارات کے ساتھ وزیر بنائے جانے کی صورت میں وصول بھی کر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پچھلے دنوں صدر مملکت کے ساتھ طویل ملاقاتوں کے بعد طے پایا کہ "متحدہ" اپوزیشن جماعتوں کو قائل کرے گی اور ایک گول میز کانفرنس بلا کر انتخابات کے التوا کا فیصلہ کرائے گی اور اگر ایسا ہو جاتا ہے تو اس کے بدلے میں موجودہ سیٹ اپ میں متحدہ کو منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہے جس پر متحدہ نے بھاگ دوڑ شروع کر دی ہے۔ اس مہم کا آغاز الطاف حسین نے ۲۰ جولائی کو ایک "طوطا فال" والے انداز میں بیان دیکر پاکستانیوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی کہ امریکی بحری بیڑے حرکت میں آچکے ہیں اور پاکستان کا سمندری گھیراؤ کیا جارہا ہے اور دوسری جانب افغانستان سے افغان فورسز اور نیٹو حملہ کرنے والے ہیں۔ الطاف حسین کی اس فال کو لیکر متحدہ کا وفد اپوزیشن قائدین سے مل کر انہیں گول میز کانفرنس پر قائل کرنے کی کوششیں کر رہا ہے کہ ملک میں ہنگامی صورتحال ہے، ملک کی سلامتی خطرے میں ہے لہذا فوری انتخابات کی بجائے اس میں سال چھ ماہ کی توسیع کر لی جائے تو بہتر ہو گا۔

اطلاعات کے مطابق ابھی تک متحدہ کو کسی بھی جانب سے مثبت جواب نہیں مل سکا سوائے اے این پی کے حاجی عدیل کے جو ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں ایسے بیٹھے ہوئے تھے کہ جیسے ان کی ٹانگ کے ساتھ کسی نے ٹائم بم باندھ کر بٹھایا ہوا تھا کہ ان کے منہ کھلتے ہی یہ پھٹ جائے گا۔ تاہم یہ بات اب بڑی حد تک واضح ہو چکی ہے کہ گول میز کانفرنس کا اصل ایجنڈہ انتخابات کو التوا کا شکار کرنا اور موجودہ حکومت کی مدت بڑھانا ہے۔ متحدہ کا وفد اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر منصورہ بھی گیا جہاں اس کا اعلیٰ سطح کے وفد جس کی قیادت خود سید منور حسن جو کراچی کے حالات کے بہت بڑے رازداں اور امین ہیں نے نہ صرف بڑی گرمجوشی کے ساتھ کیا بلکہ بڑی مروت کے ساتھ فاروق ستار کے ساتھ اس پریس کانفرنس میں شرکت کی جس میں فاروق ستار نے کراچی کے حالات کو ایک سازش کے تحت خراب کئے جانے کی دہائی دی۔ ایک ذریعے نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مذاکرات میں کراچی کا تو ذکر تک نہیں آیا اور نہ ہی جماعت نے ذکر چھیڑ کر مہمانوں کو شرمندہ کیا۔ منصورہ میں بھرپور پذیرائی کے باوجود متحدہ کی دال تک نہیں گلی جبکہ جماعت نے دوٹوک انداز میں کہا کہ جس مقصد کیلئے گول میز کانفرنس کی دعوت دی جارہی ہے دراصل یہ ایشو ہی گول میز کے نہیں اور ہمیں یہ شک ہے کہ یہ گول میز کانفرنس انتخابات کے التوا کیلئے منعقد کی جارہی ہے جس میں ہم قطعاً تعاون نہیں کر سکتے۔

متحدہ وفد نے بعد ازاں مسلم لیگ نون سے بھی ملنے کی کوشش کی مگر انہیں وقت نہ مل سکا۔ اسحاق ڈار نے تو فاروق ستار کو وقت دینے سے بھی انکار کر دیا جبکہ پارٹی قیادت کا کہنا ہے کہ اے پی سی میں ن لیگ کا کوئی رہنما نہیں جائے گا بلکہ نواز شریف نے تو یہاں تک کہا کہ اگر انتخابات کے التوا کی کوئی سازش ہوئی تو ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ تحریک انصاف نے بھی فاروق ستار کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پارٹی جب فیصلہ کرے گی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ متحدہ کے ساتھ سب سے زیادہ دلچسپ ہاتھ شیخ رشید نے ایک افطاری پارٹی میں یہ کہہ کر کیا کہ نواز شریف اور عمران کے بغیر یہ گول میز کانفرنس بالکل ناکام تصور کی جائے گی۔ متحدہ

کی گول میز کانفرنس کی بظاہر تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں مگر بڑے انعام کی لالچ میں وہ ہار ماننے کو تیار نہیں اور اب بھی صبح و شام ملاقاتوں میں مصروف ہیں۔

دراصل متحدہ کی تمام کوششیں اس بات کی غماز ہیں کہ اپنے بڑے نام والے دہشتگرد رہا کروائے جائیں اور مزید اختیارات حاصل کئے جا سکیں۔ یہی خوف متحدہ کو اڑائے پھر رہا ہے مگر دکھائی یہ دیتا ہے کہ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے بلکہ متحدہ اور اس کے قائد امریکی زبان بول رہے ہیں جس کا اظہار بھی منگل کے روز نیویارک ٹائمز نے کھل کر شائع کر دیا کہ اگر حقانی نیٹ ورک نے امریکا پر کوئی بڑا حملہ کیا تو امریکا جواب میں پاکستان پر حملہ کر دے گا۔ امریکا جو حقانی گروپ کے حملوں سے اس قدر پریشان اور عاجز آ چکا ہے کیا وہ واقعی پاکستان میں نیا محاذ کھولنے کا متحمل ہو سکتا ہے؟ اب خطرہ یہ ہے کہ خدانخواستہ امریکا یا اس کے اتحادی پاکستان میں کوئی ایسا بدامنی کا واقعہ پیدا کرنے کی کوشش ضرور کریں گے جس سے انتخابات ملتوی کرنے کا کوئی جواز ضرور نکل آئے اور اس حوالے سے سب سے زیادہ خطرہ بلوچستان، کراچی اور فاٹا میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ کیا حزب اختلاف اور عسکری قیادت اس خطرے سے آگاہ ہے؟

بروز منگل ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۶/اگست ۲۰۱۲ء

اصل ریزرویشن

پچھلے سال انہی دنوں کی بات ہے کہ میں کسی کام کے سلسلے میں ان سے ملنے گیا۔انہوں نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنے ساتھ لیکر سیر کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔چلتے چلتے رک گئے اور بولے "تم نے اس سال ٹانگوں کی زکوٰۃ دی"۔باباجی نے عجیب سوال پوچھا۔میں پریشان ہو کر رک گیا'سامنے لندن کا خوبصورت ریجنٹ پارک بکھرا پڑا تھا'شام دھیرے دھیرے کھڑکیوں میں اتر رہی تھی'درختوں'پھولدار پودوں کی ہریالی میں ایک عجیب سہانی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ہم چند لمحوں میں پارک کے اندر بنے خوبصورت ٹریک پر آہستہ آہستہ چل رہے تھے'وہ مجھے جینوا سوئٹزرلینڈ کے مضافات کی شاموں کے قصے سنا رہے تھے۔وہ ایک ہفتہ پہلے گرمی کی چھٹیاں گزار کر لوٹے تھے'شام بھی خوبصورت تھی'منظر بھی لاجواب تھا اور گفتگو بھی زندگی سے بھرپور تھی۔ہم چلتے چلتے پارک کے سب سے اونچے کونے میں پہنچ چکے تھے جہاں سے لندن شہر کا کچھ حصہ نظر آنے لگا لیکن چلتے چلتے نجانے ان کے دل میں کیا آیا'وہ رکے اور ایک لایعنی سوال داغ دیا۔کیا تم نے اپنی آنکھوں کی زکوٰۃ دی ہے؟"میری خاموشی میں حیرت بھی تھی اور پریشانی بھی۔باباجی نے خوشبودار نفیس دلپذیر چھڑی سے جوتے کی نوک کریدی اور ہنس کر بولے "اچھا پھر تم نے اپنے بازوؤں،

"ہاتھوں'آنکھوں'کانوں اور زبان کا ٹیکس تو دے ہی دیا ہو گا۔

میری پریشانی خوف میں بدل گئی'مجھے محسوس ہوا'باباجی کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کا دماغ ایسے خوبصورت پارک کے اس بلند کونے پر کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔میں نے ڈرے ہوئے پرندے کی طرح آگے پیچھے دیکھا'دور دور تک کوئی بندہ بشر نہیں تھا'صرف گھنے درخت تھے'جھاڑیاں تھیں اور سامنے پارک کے قدموں میں لندن شہر تھا'وہ تھے اور میں تھا۔میری ریڑھ کی ہڈی میں کرنٹ سا سرکنے لگا'مجھے لگا وہ ابھی آگے بڑھیں گے'میری گردن دبوچیں گے اور مجھے مار کر کسی جھاڑی میں پھینک دیں گے۔وہ میری کیفیت بھانپ گئے'انہوں نے قہقہہ لگایا اور آہستہ آہستہ واپس چلنے لگے۔میں بھی ذرا فاصلہ رکھ کر چلنے لگا۔

تین سال پہلے "ان کی آواز نشیب میں لڑکھڑاتی چٹان کی طرح میری سماعت سے ٹکرائی "تین سال پہلے جب ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال" پوچھا تو میرے بھی یہی احساسات تھے لیکن غور کیا تو میں نے جانا پاگل تو میں اس سوال سے پہلے تھا'تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔"میرا شک حقیقت میں بدل گیا'مجھے یقین ہو گیا کہ باباجی حقیقتاً پاگل ہو چکے ہیں۔میں نے زندگی میں ان کے منہ سے ایسی لایعنی اور بے سروپا باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔تھوڑی دیر کیلئے رکے اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولے "دیکھو!ہم معاشرتی زندگی میں جو کچھ کماتے ہیں حکومت اس میں سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے'یہ حصہ وہ ماحول کو پہلے سے بہتر'پہلے سے زیادہ سازگار بنانے پر صرف کرتی ہے تاکہ ہم مزید کما سکیں'زیادہ بہتر زندگی گزار سکیں'حکومت کے اس حصے کو ہم ٹیکس کہتے ہیں۔مذہب بھی ہماری سالانہ بچتوں'ہماری کمائیوں میں سے کچھ حصہ طلب کرتا ہے'اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ہم ہر سال ٹیکس دیتے ہیں'زکوٰۃ نکالتے ہیں'یہ ہمارا فرض بھی ہے اور ہماری ذمہ داری بھی'میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں!"

انہوں نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی تصدیق چاہی'مجھے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی وحشت نظر آئی'میں نے فوراً ہاں میں سر ہلا دیا۔وہ ہنسے اور چھڑی کو تلوار کی طرح ہوا میں لہرایا اور آگے چل پڑے۔ہم اپنا اصل فرض'اپنی اصل ذمہ داری بھول جاتے ہیں۔مجھے ان کی آواز جھاڑیوں سے الجھتی محسوس ہوئی'ہماری ٹانگیں ہیں'یہ قدرت کا معجزہ ہیں'بہت بڑا انعام'بہت بڑی نوازش ہیں۔میں نے لوگوں کو ٹانگوں کے بغیر زندگی گزارتے بھی دیکھا'یقین کرو اس زندگی کو زندگی اور انسانوں کا انسان کہتے ہوئے دل دکھ سے اور الفاظ خون سے بھر جاتے ہیں

۔ہمارے بازو ہیں' ہماری زندگی کا آدھا گلاس ان کے بغیر خالی ہے' ہاتھ ہیں' ہم ان کے بغیر زندگی کو زندگی نہیں کہہ سکتے' ذرا سوچو! جو شخص انگلیوں سے برف کی ٹھنڈک اور گرم کپ کی حدت محسوس نہیں کر سکتا' اس کی زندگی کتنی ادھوری' کتنی نامکمل ہے' ہماری آنکھیں ہیں' دیکھو اس بلند ٹاور کے اوپر سے اترتی شام تک قدرت کے کتنے ہزار رنگ' کتنے لاکھ عکس ہیں' زندگی ان رنگوں اور عکسوں کے بغیر مکمل سمجھی جاسکتی ہے؟ نہیں' بالکل نہیں' میں جب تک اپنی پوتی کی آنکھوں میں تیرتی چمک نہ دیکھ لوں' مجھے اپنے ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ پھولوں کے رنگ' برسات کی اڑتی پھوار' وہ سامنے خوبصورت رنگوں سے مزین نظر آنے والی قوسِ قزاح' کروٹیں بدلتا آسمان اور جھیلوں میں لرزتے کانپتے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے دائرے ہی میرے لئے زندگی ہیں۔

یہ آنکھیں نہ ہوں تو ہاتھوں کو رنگ ٹٹولنے پڑیں' چڑھتے سورج اور گہری ہوتی شام کے معانی ایک ہو جائیں۔ ایک گھنٹے میں بارہ کھرب چالیس ارب اسی کروڑ بہتر لاکھ شعاعیں پھینکنے والا سورج دو ملی میٹر پتلی میں غروب ہو جائے۔ ہمارے کان ہیں' ذرا سنو! تمہارے کان ان سرسراہتی ہوا کی درختوں سے سرگوشیاں سن رہے ہیں' پتوں کی پازیب تم سے کچھ کہہ رہی ہے' وہ دیکھو ڈیزی کے پھول سے تتلی اڑی' اس کے پروں کی سرسراہٹ سنو' اس سرسراہٹ میں زندگی ہے۔ سامنے پارک کے قدموں میں بہتے شہر سے آوازیں اٹھ اٹھ کر تم تک پہنچ رہی ہیں' ذرا سوچو! ایک لمحے کیلئے سوچو' یہ ساری آوازیں گونگی ہو جائیں' تمہارے کان پتھر ہو جائیں' تم کچھ نہ سن سکو' تمہیں پانی تو نظر آئے' اس کے وجود سے اڑتی جھاگ بھی دکھائی دے' لیکن تم ان کی آواز نہ سن سکو تو تمہاری زندگی کتنی بہری' کتنی گونگی ہو۔ ادھورا ہونے کا شدید احساس کہاں کہاں تمہارا راستہ روکے' لوگ تمہیں آواز کی بجائے ہاتھ لگا کر متوجہ کریں اور تم ٹھوکروں اور ٹھڈوں کو آواز سمجھو اور ہماری زبان ہے' یہ زبان ہماری سوچ' ہمارے خیال کو خدوخال دیتی ہے۔ انہیں ملکوتی حسن' انہیں جسم اور انہیں بدن عطا فراہم کرتی ہے۔ انہیں لفظوں' تشبیہوں اور استعاروں کا لباس دیتی ہے۔ یہ زبان نہ ہو تو لفظ نہ ہوں' لفظ نہ ہوں تو خیال کہیں سوچ کی گھاٹیوں ہی میں دم توڑ دیں' نہ میں تمہیں کچھ کہہ سکوں اور نہ تم مجھ سے کچھ سن سکو۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

میں ان کے خیالات کی روانی میں بہتا جا رہا تھا کہ دوبارہ گویا ہوئے "میرے دوست یہ ٹانگیں' یہ بازو' یہ ہاتھ' یہ آنکھیں' یہ کان اور یہ زبان ہمارا اصل ریزرو بینک ہیں' ہماری زندگی کی ساری کمائی' ہماری ساری پونجی اسی میں جمع ہے۔ اس میں سے کوئی ایک لاکر ہمیشہ کیلئے لاک ہو جائے تو ہماری پونجی' ہماری کمائی ضائع ہو جائے گی' ہم کنگال ہو جائیں گے' ہم مفلس اور قلاش ہو جائیں گے۔ غریب وہ نہیں ہوتا جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہوتا' غریب وہ ہوتا ہے جس کے پاس پاؤں نہیں ہوتے۔ اپنے ان پاؤں' ان ٹانگوں' ان بازوؤں اور ان آنکھوں کا ٹیکس دو' ان کی زکوٰۃ نکالو۔ اگر نہ نکالی تو قدرت یہ ٹیکس، یہ زکوٰۃ اسی طرح وصول کرے گی جس طرح حکومتیں قرقی کے ذریعے وصول کیا کرتیں ہیں۔" وہ خاموش ہو گئے تو میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ اپنا منہ دوسری طرف کر کے اپنی بہتی آنکھوں کے اشک مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ ٹیکس' یہ زکوٰۃ دی کیسے جاتی ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ سوال کیا؟ "ہاں" انہوں نے چھڑی گھمائی "سال میں ایک ویل چیئر' لکڑی کی ایک ٹانگ' ایک بازو' ایک اندھے کی آنکھوں کا آپریشن' ایک آلہ سماعت زندگی کے اس ریزرو بینک کی زکوٰۃ ہے اور بہت سارا شکر اور ڈھیر ساری توبہ اس کمائی' اس پونجی کا صدقہ" وہ خاموش ہوئے' انہوں نے کچھ سوچا اور پھر آہستہ سرد ہوتی آواز میں بولے "ہم کتنے بے وقوف ہیں' جو دنیا میں کماتے ہیں' اس

کا ٹیکس تو ساری عمر بھرتے رہتے ہیں لیکن جو دولت انعام میں ملتی ہے 'جو کچھ ہمیں قدرت عطا کرتی ہے اس کا ہم شکر تک ادا نہیں کرتے۔ افسوس ہمارے پاس آنکھیں ہیں 'لیکن ہمیں اندھوں کا اندھا پن دکھائی نہیں دیتا 'اپنے مولا کے رنگ نظر نہیں آتے ! جلدی کیجئے، عید الفطر کی آمد سے پہلے اپنے ارد گرد جھانک کر اپنے حصے کا ٹیکس چپکے سے عیدی کی شکل میں ادا کر دیں۔ میری قارئین سے گزارش ہے کہ اس عید پر ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں جو اپنی علالت کی بناء پر عید سے مستفید ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوشیاں بانٹنے والا بنادے۔ آمین

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ.....! پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

جمعۃ المبارک ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۱۰/اگست ۲۰۱۲ء

قائدِ اعظم کا پاکستان؟

اگر آپ کو یاد ہو تو چند سال پہلے ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مایہ ناز بحری فوج کے سربراہ محتاط اندازے کے مطابق ۳۵ لاکھ ڈالر سے زائد رقم نیوی کیلئے خریدے گئے ساز و سامان میں کمیشن کے طور پر لے اڑے تھے۔ ماضی قریب میں ہمہ مقتدر شخصیات کے چند ہونہار 'نونہال آج نہ صرف ارب پتی ہیں بلکہ کھلے بندوں اپنی بیش بہا دولت کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کتنے ہی اعلیٰ عہدوں پر فائز سرکاری افسر 'سیاستدان اور ٹیکنو کریٹ بیرونی ممالک میں دادِ عیش دے رہے ہیں حالانکہ ان میں سے کئی ایک کے خلاف بھاری رشوت اور سنگین بدعنوانی کے مقدمات زیرِ التوا تھے جن کی این آر او کے تحت گلو خلاصی ہوئی۔ چند ایک مقدر کے سکندر ایسے بھی ہیں جو دوبارہ مملکتِ خداداد کی قسمت کے مالک بن گئے ہیں۔

کچھ تو ایسے تھے جو مملکتِ خداداد پاکستان کے مالیاتی شعبے کے نگران بھی تھے اور پالیسی ساز بھی 'جب تک ہوا کا رخ موافق رہا وہ سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ ان کو اپنا اور ان مہربانوں کا مفاد 'جن کے وہ ممنونِ احسان تھے 'اس قدر عزیز تھا کہ ستم رسیدہ عوام کی بھلائی کا خیال تک بھلا بیٹھے 'ملک تو کیا 'آنے والی نسلوں تک کو گروی رکھتے گئے۔ اشرافیہ کو عیش و عشرت کی لت ڈال گئے۔ ہمارے عظیم دوست چین کے عظیم ترین انقلابی قائد ماؤزے تنگ اور چواین لائی نے سادگی کو اپنایا، وہ اور ان کے ساتھی سختیاں جھیلتے رہے 'جن اصولوں پر قائدین خود کاربند ہوں 'عوام کیلئے ان کو دل و جان سے قبول کرنا اور ان پر بخوشی عمل کرنا نہائت آسان ہو جاتا ہے۔ انقلاب کے بعد پہلی نسل کی قربانیاں رنگ لائیں اور چین اب دنیا کا ایک عظیم ترین ملک بن گیا ہے۔

اور ہم ہاتھ میں کشکول لئے پھرتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ امریکہ کی بارگاہ میں سربسجود ہیں 'جس کے منشی اور کارندے حکم چلاتے ہیں اور ہم بلاچوں چراں حکم بجالاتے ہیں۔ ستم بالائے ستم ان کارندوں میں سے بہت سے ہمارا ہی کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں مانگ تانگ کے۔ کئی دفعہ ناک سے لکیریں کھینچ کر 'جو قرضہ ہم غیر ممالک یا مالیاتی اداروں سے لیتے ہیں اس میں سے یہ "فرشتے" مشاورت اور خدمات کے نام پر بہت کچھ ہتھیا لے جاتے ہیں۔ "مالِ غنیمت" میں سے کچھ سکے وہ "مقامی ہم جولیوں" کی جھولی میں بھی ڈال دیتے ہیں تاکہ نہ صرف اصل کھیل پردوں کے پیچھے چھپا رہے بلکہ سنہری کلغیوں والے مرغانِ چمن بہار کے گیت اس وقت تک گاتے رہیں جب تک حکومت نہ بدل جائے۔

حکومت بدلتے ہی یہ موسمی مینڈک تھوڑی دیر کیلئے اس طرح خاموش ہو جائیں گے جیسے دلدل میں گھس گئے ہوں مگر جلد ہی پھر نکل آئیں گے۔ راگ پھر شروع ہو گا مگر سر تال پہلے سے مختلف۔ اب خانہ بربادی کا ذکر ہو گا 'ستیاناس اور بربادی کے ایسے قصے سنائیں جائیں گے کہ سننے والا توبہ توبہ کا ورد کرتے کانوں کو ہاتھ لگائے اور سوچے کہ یہ حسین ملک کتنا بدقسمت ہے کہ اس میں بھیڑیئے نہ صرف دندناتے پھرتے ہیں بلکہ ان میں سے کئی ایک اعلیٰ مقامات تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ طالع آزما ایسی چکنی مٹی سے بنے ہوتے ہیں کہ عوام کے اعتماد کی مقدس امانت بھی ان کی گھٹی میں پڑے حرص و ہوس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی 'نہ صرف پوری ڈھٹائی سے وہ موقع ملتے ہی کھل کھیلتے ہیں بلکہ اپنی "جرأت و بہادری" پر فخر کرتے ہیں۔ بعد میں پکڑے جائیں تو بھی اپنے کئے پر نادم ہونے کی بجائے یوں سینہ تان کر اپنا دفاع کرتے ہیں کہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو بھی یہ کہنا پڑ جاتا ہے کہ "کرپٹ عناصر شرمندہ نہیں بلکہ وہ اکڑ کر بڑے فخر کیساتھ چلتے ہیں.....ان سے کئی کئی ملین ڈالر عدالتوں کے حکم پر حکومت نے وصول بھی کئے 'اس کے باوجود وہ گالف کھیل رہے ہیں 'معاشرہ کو ان سے الگ تھلگ رہنا چاہئے اور ان کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔"

خطا تو معاشرہ کی بھی ہے۔ اچھائی برائی میں تمیز کمزور پڑ جائے 'عجز و انکسار کمزوری کی علامت تصور ہونے لگے 'برائی سے بچنا بزدلی ٹھہرے اور چور

ڈاکور ہزن کیلئے دلوں سے نفرت مٹ جائے تو کیوں نہ بھیڑیئے بھیڑوں کے گلے کے نگہبان کا کردار ادا کریں۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ انسان کی سرشت میں مضمر ہے کہ ہر انسان دل کی گہرائیوں میں نہ صرف نیکی اور بدی کا واضح احساس رکھتا ہے بلکہ وہ برائی کے خلاف جدوجہد کے جذبہ سے بھی عاری نہیں۔ حالات کا جبر البتہ اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ روزمرہ مشاہدہ اسے واضح اشارے دیتا ہے کہ خواہ مخواہ "پنگا" لینا سراسر حماقت ہے ۔ جو سر پھرے پرائی آگ میں کود پڑتے ہیں ان کے نہ صرف پاؤں جھلس جاتے ہیں' بعض اوقات یہ تن سوزی انہیں عالمِ نزع سے عدم کی منزل تک لیجاتی ہے۔

عقلمندی' انہیں ناانصافی' ظلم اور بے رحمی سے نبرد آزما ہونے کی بجائے خاموش رہنے اور بہت کچھ "پی جانے" کی ترغیب دیتی ہے' یوں ان کی قوتِ برداشت کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے جس سے برخود غلط ظالموں کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ وہ چنگیز خان کے لشکریوں کی طرح ہر مرغزار پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے طوفان کے سامنے نہ صرف نہتے اور بے بس عوام کی طاقت جواب دے جاتی ہے بلکہ انسانیت کی روح تک ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ آٹھوں پہر گردش کرنے والا آسمان پھر عجیب و غریب منظر دیکھتا ہے۔ مفتوحہ شہریوں ایک ممتاز شہری کسی غیر مسلح تاتاری کے ہتھے چڑھ جاتا ہے ' تاتاری یہ کہہ کر "یہیں لیٹے رہنا جب تک میں کیمپ سے تلوار لا کر تمہارا اسے وہی لیٹ جانے کا حکم ہوتا ہے جس کی بلا چوں چراں تعمیل ہوتی ہے۔ گلہ نہ کاٹ دوں" چلا جاتا ہے۔ معزز شہری بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے' نہ اسے فرار کا خیال آتا ہے' نہ جان بچانے کی سوجھتی ہے۔ کافی دیر کے بعد تاتاری آتا ہے' اس کا گلہ کاٹ دیتا ہے۔

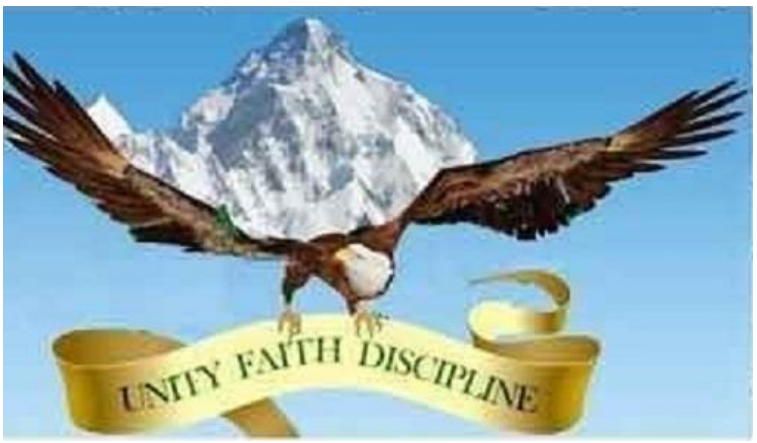

حد سے بڑھ جانے والی سفاکی غلامی کو جنم دیتی ہے۔ کوئی بھی خواہ مخواہ گردن کٹوانا نہیں چاہتا۔ نہتے انسانوں کا جمِ غفیر توپ و تفنگ سے مسلح لشکر کے سامنے کیسے ٹھہر سکتا ہے' خصوصاً جب قتل عام کا اذن ہو چکا ہو یا ہو سکتا ہو۔ ہلاکو خان نے اہلِ بغداد کو تہ تیغ کیا تو دریا کا پانی گلرنگ ہو گیا' نادر شاہ نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ گلیوں میں انسانی خون بارش کے پانی کی طرح بہنے لگا۔ ۱۸۵۷ء میں بار بار اجڑنے والی دلی کو پھر ویسا ہی المیہ پیش آیا۔ شہزادگان کی لاشیں کئی دن درختوں سے لٹکتی رہیں' ناز و نعمت میں پلے بڑھے کتنے ہی اہلِ ثروت خون کی ہولی کی بھینٹ چڑھ گئے' جو بچ رہے وہ فاتحین کی قدم بوسی کو بڑھے۔ اپنی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا' تابعداری کو شرطِ استواری سے یوں سنوارا کہ وہ اصل ایمان ٹھہری۔

'جسٹس مرحوم محمد رستم کیانی نے ۱۹۵۹ء میں دیئے گئے خطبہ یومِ اقبال میں ایک شوریدہ سر شاعر کے اس شعر کا حوالہ دیا تھا:

دیکھتا کیا ہے میرے منہ کی طرف قائدِ اعظم کا پاکستان دیکھ

جسٹس مرحوم محمد رستم کیانی اس وقت حکومت کے قانونی مشیر تھے۔ ان سے رائے طلب کی گئی تھی کہ اس پر کون سی دفعہ لگتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ "خدا کے بندو! وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ میرے منہ کی طرف کیا دیکھتے ہو' پاکستان کی طرف دیکھو' کیا یہ وہی ملک ہے جو قائدِ اعظم نے تراشا تھا"..... اب تو غالباً روحِ پاکستان بھی اپنے "جانثاروں" سے یہ سوال کرتی ہو گی۔ کیا ہم سے کوئی جواب بن پاتا ہے؟ ہم میں سے کتنے ہیں جنھوں نے زندگی کے کسی لمحے میں بھی یہ سوچنے یا معلوم کرنے کی زحمت بھی گوارہ کی کہ مملکتِ خداداد پاکستان کیونکر صفحہ ہستی پر نمودار ہوا؟ بانیانِ پاکستان کے خواب کیا تھے؟ آرزوئیں' تمنائیں اور آدرش کیا تھے؟ بابائے قوم نے کیا سوچا تھا' کیا چاہا تھا' کون سی منزل متعین کی تھی؟ کیسے وہاں

تک پہنچنا تھا؟ وہ منزل کن اندھیروں میں کھو گئی 'نشانِ منزل بھی کوئی دکھائی پڑتا ہے یا نہیں ؟تاریخ گواہ ہے کہ آزادی تو کبھی بھی التجاؤں اور درخواستوں سے نہیں ملی۔

صحرائے سینا میں چالیس سال تک بھٹکنے کے بعد حضرت موسیٰ کی قوم کو بھی بالآخر منزل مل گئی تھی۔احساسِ زیاں اگر دامن گیر ہو جائے تو کیا خبر ہم بھی گم گشتہ راہوں کو از سرِ نو پالیں۔اپنی اپنی ذات کی قید سے آزاد ہو جائیں۔ذاتی مفاد کو ہی زندگی کا واحد مقصد سمجھنا ترک کر دیں۔ملک و قوم کی فلاح و بہبود کو نہ صرف اپنا فرض سمجھیں بلکہ اس کیلئے تھوڑی بہت قربانی دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔کیا وہ ایک نئی صبح نہیں ہو گی جب ہم میں سے کئی ایک دیوانے سچ کو برملا سچ کہنے سے نہیں ہچکچائیں گے۔کتنا ہی خوشگوار اجالا ہو گا جب جماعتی وفاداریوں سے بالاتر ہو کر 'یاری دوست اور برادری کی زنجیروں سے آزاد ہو کر ہمارے اربابِ اختیار حق و انصاف کے تقاضے پورے کریں گے، قائدِ اعظم کے حسین چہرہ پر جمی گرد جھڑنے لگے گی۔ملک کی عدلیہ نے پارلیمنٹ کا منظور کردہ قانون توہین عدالت آئین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے پہلے ہی دن سے مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے اور اب دیکھیں نئے وزیرِ اعظم کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ایک کڑا امتحان ہے اور قوم بھی ہاتھوں میں پھندہ لئے منتظر ہے۔دیکھیں کون کون جھولتا ہے!

رہے نام میرے رب کا جو علیم و خبیر ہے۔

سوموار ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۱۳/اگست ۲۰۱۲ء

عید الفطر اور عید کارڈ

عید الفطر کے موقع پر یقیناً مختلف احباب ایک دوسرے کو تہنیتی پیغامات بذریعہ عید کارڈ ارسال کر رہے ہیں اور بعض حضرات جدید دور کی ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے موبائل فونز سے ایس ایم ایس کی سہولت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف انداز میں پیغامات وصول کر رہے ہونگے۔ یقیناً قارئین کی بڑی تعداد ان مغربی ممالک ہیں عید کارڈ کو بھی کرسمس کارڈ کے مقابلے میں اپنے گھروں میں نمایاں جگہ دیکر بچوں کو اپنے اس اسلامی تہوار سے متعارف کروانے کی کوشش ناتمام کرتی ہے حالانکہ مسلمان ان رسوم و قیود سے بالکل بے نیاز ہے۔ وہ تو بہت بے تکلف اور سادہ زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ ہر تہوار کے پس منظر میں جو پیغام ہوتا ہے اس کو نظر انداز کر کے ہم نے جس طرح مغربی ماحول کی نسبت سے اپنے ہر تہوار کو ڈھال لیا ہے، چند مغربی رسوم کو کلمہ پڑھا کر تیزی سے ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے آپ کو اجتماعی ذمہ داریوں سے دور کر رہے ہیں، یقیناً مستقبل کا مؤرخ ہمیں اس سلسلے میں معاف نہیں کرے گا۔

آجکل عید الفطر کے موقع پر جس تیزی کے ساتھ عید کارڈ کا اپنے احباب کے ساتھ تبادلہ کر رہے ہیں ان پر اٹھنے والی بھاری رقم کئی مفلس گھروں میں یقیناً عید کی خوشیاں ملا سکتی ہے جو اپنے عزیزوں کو کاغذ و گلدستے پیش کرنے پر اٹھ رہی ہے حالانکہ خطوط میں لکھے ہوئے الفاظ میں بھی خلوص و محبت کی خوشبو محسوس کی جا سکتی ہے اور پھر ان کانٹوں بھری زندگی کو جو ایک غلط نظامِ حکومت کے تحت گزارنی پڑ رہی ہے۔ اس میں خلوص و محبت اور وفا کے پھول یقیناً بڑی چیز ہیں اور اس زندگی کی مسافت آدمی بتدریج طے کر کے جب کچھ شعور حاصل کرتا ہے تو اس کو آگہی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں سکون دینے والی چیزوں میں مقید زندگی کا شعور اور بے غرض مہر و محبت بڑی چیز ہے۔ مقید زندگی کا شعور انسان کو غم و آلام سے نجات دلا کر اطمینان سے بھر دیتا ہے۔

آدمی خالی ڈھول کی مانند نہیں رہ جاتا کہ معمولی ٹھوکر سے واویلا کرنے لگے بلکہ ایک ٹھوس وجود بن جاتا ہے جسے حوادث کی آندھیاں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں اور مہر و محبت وہ قوت ہوتی ہے کہ جو صرف اپنے ہم مقصد ساتھیوں کی رفاقت سے حاصل ہوتی ہے۔ ساتھیوں کی باتیں، ان کے مصافحے، ان کے معانقے، ان کی محبت بھری گفتگوئیں، ان کی بے غرض دوستیاں اور بے لوث ملاقاتیں ان سب چیزوں کے درمیان آدمی اپنے آپ کو ایک لشکر کے درمیان سمجھتا ہے۔ پر امن اور پر سکون عزیز دوست اس مختصر سی زندگی میں متاع بے بہا ہے جب کہ اس ملک میں مشینی انداز میں کام کرتے کرتے اعضاء اس قدر بے جان ہو گئے ہیں کہ ہمیں صرف ایک کارڈ میں اس قدر جان معلوم ہوتی ہے کہ اس کو خود سے توانا سمجھ کر اس کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

ویسے عید کارڈ ماہِ رمضان کی جدائی کا پیغام لیکر آتا ہے، اس جملے میں کسی تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہرگز نہیں، اس ماحول میں تو اب ایسے ایسے اصحاب دیکھنے کو مل رہے ہیں جن کے تقدس کی خود صاحب تقویٰ قسمیں کھاتے ہیں لیکن جب ان کو غور سے دیکھیں تو ان کی حیثیت کسی میلے میں بکنے والے رنگین غباروں سے زیادہ نہیں ہوتی جو اوپر سے بڑے رنگیں اور خیر و خوبی کے مدعی ہوتے ہیں لیکن اندر سے حرص و ہوس کی متعفن ہوا نکل رہی ہوتی ہے اور جب زندگی میں تند ہوا کا جھونکا ان کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے تو پھٹ کر ایک چھیچھڑے کی طرح ایک کونے میں جا گرتا ہے اور بالآخر پاؤں میں مسل کر باہر کسی کوڑے کرکٹ یا گندگی کے ڈبے میں اس کو جگہ ملتی ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو اس تقویٰ سے محفوظ رکھے آمین! اور ایسے تقوے کی توفیق عطا فرمائے جو ہوائے نفس سے خالی ہو، جو مظاہر نمود و نمائش اور ادعا سے پاک ہو، جس میں اتنی ہمت ہو کہ حق کی راستے میں

مشکیں کسی جائیں اور الٹا اونٹ سے باندھ کر مدینے کی گلیوں میں گھسیٹا جائے تو بھی اٹھ کر صاف صاف یہی کہے کہ "لوگو! سن لو میں مالک بن انس ہوں، میں کہتا ہوں کہ جبر یہ طلاق شریعت میں وارد نہیں ہوتی، جس میں اتنی ہمت ہو کہ جب اس پر کوڑوں کی بارش ہو تب بھی یہ بات کہے کہ اپنی بات منوانے کیلئے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل لاؤ، جس میں اتنا حوصلہ ہو کہ جیل میں موت قبول کرلے اور زنداں سے اس کا جنازہ نکلے (امام ابو حنیفہ) جس میں اتنی جرأت ہو کہ پھانسی کے تختہ پر بھی مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر چڑھ جائے کہ الٰہی تیرا احسان ہے کہ تونے مجھے شہادت کی موت نصیب فرمائی، نہ کہ چند مظاہر لباس وتراش کا نام تقویٰ رکھ کر اس کا اعلان کر کے تقویٰ وپرہیز گاری کا اشتہار پیش کیا جائے۔ یہ طریقہ اب تک تو چلا ہے انشاء اللہ کل نہ چلے گا۔

ایک صاحبِ نظر نے سچ کہا تھا کہ پہلے ایمان کو اپنے اندر مستحکم کرو پھر اس پر عمل کر کے اور ساری زندگی اطاعتِ رب میں دیکر اپنے اسلام کا ثبوت پیش کرو، ساری زندگی کا لمحہ بہ لمحہ محاسبہ کرتے ہوئے چلو، کسی موڑ پر ٹھوکر نہ کھاتے اور ہمہ تن اپنے فرائضِ بندگی کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہوئے تقویٰ پیدا کرو اور پھر اپنا سب کچھ اپنے مالک کی راہ میں لگاؤ اور اس راہِ حق کے غبار بن کر احسان کا مقام حاصل کرو لیکن یہاں تو ثابت ذرا بھی اسلام نہیں لیکن لباس تقویٰ کا زیبِ تن کیا ہوا ہے۔ منبر رسول پر کھڑے ہو کر لوگوں کو سود (مارگیج) سے منع کیا جارہا ہے لیکن خود بینک میں سودی اکاؤنٹ رکھ کر بینک سے صد فیصد قرض لیکر مکان خریدا جارہا ہے، کاروبار میں وسعت کی جارہی ہے اور پوچھنے پر محاسبہ سے بچنے کیلئے مغرب یا امریکا کو "دار الحرب" کا نام دیکر جان بخشی کا بہانہ ڈھونڈا جارہا ہے۔ سود جسے قرآن میں بڑی صراحت کے ساتھ اللہ اور رسول کے خلاف کھلی جنگ قرار دیا گیا ہے اسی کے سہارے اسلامی شعائر کا مذاق اڑا کر داعی حق کا گراں بار فریضہ بھی سرانجام ادا کیا جارہا ہے۔

جس کارڈ سے عید کی خوشی کا پیغام دینا مقصود ہوتا ہے اسی کارڈ کو دیکھ کر بچے حیراں وپریشاں ہیں کہ آخر ہم مسلمانوں کی عید ایک دن کیوں نہیں منائی جاتی؟ کیا وجہ ہے کہ چاند کچھ مسلمانوں کو سعودی عرب میں نظر آتا ہے تو کچھ مراکش کے بادلوں میں اس کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں؟ ہم سارا سال اپنی نمازوں کا تعین یہاں برطانوی محکمہ موسمیات کے بتائے ہوئے اوقات سے ترتیب دیتے ہیں لیکن چاند کے بارے میں ان کی سائنسی گواہی ماننے کو تیار نہیں؟ عید جو اتفاق ومحبت کا پیغام لیکر آتی ہے آخر اس کے نام پر کیوں دنگا فساد کیا جاتا ہے حالانکہ رمضان کا چاند طلوع ہوتے ہی اس گئی گزری مسلمان قوم کے اندر بھی زندگی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ ایک اضطراب، ایک احتیاط، ایک خدا خوفی، ایک ذوقِ عبادت ابھر کر سامنے اس طرح آجاتا ہے جس طرح صبح کی شمع سنبھالا دیتی ہے اور محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ قوم واقعی دوسری اقوام سے مختلف ہے۔

بس یہی ایک مہینہ ہے جب اس قوم کے اندر ایک امتیازی نشان ابھرتا ہے، ان کے دل خوف خدا سے لبریز صدقہ وخیرات، غم گساری اور بھائی چارے کے علاوہ شب بیداری وعبادات میں مصروف نظر آتے ہیں لیکن اس مہینے کے آخری دن اور پھر سارا سال یہ شناخت کرنا مشکل ہے کہ یہ لوگ کس ملت سے تعلق رکھتے ہیں۔ روزوں کی احتیاط میں نماز تراویح کیلئے مساجد میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی، سحری کی رونق، افطاری کی چہل پہل، یہ امتیازات اس قوم کو دوسروں سے ممتاز کر دیتے ہیں، یہی وہ برکات ہیں جو اس مہینہ کو سال بھر میں عزیز ترمہینہ بنا دیتی ہیں، اب تو انہی کے دم قدم سے کچھ نشان، امتیاز قائم ہے لیکن جونہی مغرب اور غیر مسلموں کی نقالی کر کے عید کارڈ ارسال کرتے ہیں تو گویا خود فراموشی کے بقیہ

گیارہ مہینوں کا پیغام دیتے ہیں جو اس متنازعہ دن کے بعد شروع ہونے والے ہیں۔ اس لئے رمضان المبارک کی مفارقت اور آئندہ گیارہ مہینوں کی منافقت آنکھوں میں نم آلود غبار پیدا کر دیتی ہے۔ اگر سچ پوچھیں تو عید کیا ہے جسکے ہم مسلمان منتظر ہیں؛

عید آزاداں شکوہ ملک ودیں

عید محکوماں ہجومِ مومنین

شکوہ مومنین تو بڑی چیز ہے، شکوہ ملک ہی سے محروم ہیں۔ شکوہ ملک جس چیز کا نام ہے وہ ہر قسم کے خارجی و داخلی اثرات سے آزاد اور پاک ملکی پالیسی ہے۔ داخلی اطمینان اور سرحدوں کی قوت و شوکت ہے، دوسرے ممالک میں عزت و منزلت کا مقام ہے، قوموں کی برادری میں سربلندی ہے، افرادِ قوم کا اطمینان معاشی و معاشرتی خوشحالی ہے لیکن خوردبین لگا کر بھی آپ کو یہ اوصاف کسی مسلمان ممالک میں نہیں ملتے بلکہ مسلمان مملکتیں اپنے اندر کئی گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے گلے کاٹنے میں مصروف ہیں اور اغیار اس بات پر خوش ہیں کہ ہزاروں میل دور بیٹھ کر وہ ان پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر دنیاوی دولت سے اللہ نے کچھ اسلامی ممالک کو مالا مال فرمایا ہے تو ان کی دولت سے فائدہ بھی اغیار اٹھا رہے ہیں، ان مسلمانوں کے خزائن اغیار کے تصرف میں ہیں اور اسی سرمائے سے مسلمان ممالک کو اسلحہ تیار کر کے فروخت محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کا تجربہ بھی تم دوسرے مسلمان ممالک کی آبادی پر کرو۔

پھر شکوۂ دیں یہ ہے کہ اللہ جس کے حاکم ہونے کا اقرار ہمارے ہاں کلمہ پڑھ کر ایک جاگیر دار و سرمایہ دار سے ہاری و مزدور تک کرتا ہے تاکہ اسی کا حکم اور قانون چلے اور جس کو آقا مانا ہے اس سے انحراف نہ ہو۔ یہ عجیب مذاق ہے کہ ایک نمبردار ہے تو گاؤں کا ہر فرد اسے تسلیم بھی کرے اور اس کے حقوقِ نمبرداری ادا بھی کرے، ایک شخص ضلع افسر ہے تو ضلع بھر میں اس کی افسری کا ڈنکا بھی بجے اور کوئی شخص ملک کا سربراہ ہو تو اس کا ہر لفظ سر آنکھوں پر ہو اور جو خود کہتا ہے کہ (انا الحکم اللہ) اسی کے حکم کی ذرہ بھر پرواہ نہ ہو۔ ادھر ہر طرف دین کے نشانے مٹ رہے ہوں ادھر رقص و سرور کی مجالس سج رہی ہوں، گانا بجانا کلچر کے نام پر روا ہو، پینے پلانے کی کھلی اجازت ہو، چوری چکاری، بدعنوانی، رشوت خوری موجود ہو، رزقِ حلال کا حصول ناممکن کر دیا ہو، جو بچا کھچا دین قوم میں صدیوں کے انحطاط کے باوجود باقی چلا آرہا ہو اس کا بھی صفایا کیا جا رہا ہو، قوم بار بار پکارے کہ ہمیں دین کی حکمرانی اور اسلام کا قانون چاہئے، اسی کے خلاف ساری قوت اور طاقت استعمال ہو رہی ہو اور دین سے ہر قدم دور جا رہا ہو، برسوں کا سفر زندگی مکہ مدینہ کی سمت چھوڑ کر کسی اور ہی سمت کیا گیا ہو تو وہاں شکوۂ دین کہاں سے آئے گا، پھر جب نہ شکوہ ملک ہو نہ شکوۂ دین تو پھر آزاد بندۂ مومن کہاں ملے گا اور یہی وجہ ہے کہ عید کا دن ہجومِ مومنین کے سوا کچھ نہیں، اس لئے عید کی خوشی کا اظہار ایک کارڈ کی ترسیل میں وقت ضائع کرنے کو سوا کچھ نہیں۔

ہاں البتہ اگر عید کی حقیقی خوشیوں کا حصول چاہتے ہیں تو یہ بہترین موقع ہے کہ وہ ہزاروں سفید پوش خاندان جو اس وقت غربت اور فاقہ کشی کی حالت میں کسی سے بھی اپنا یہ دکھ بیان نہیں کر سکتے اور غیر انسانی حقوق کی پابندیوں کے وجہ سے دوسرے ملک کے افراد بھی ان تک امداد پہنچانے سے قاصر ہیں، آپ کی فوری توجہ کے مستحق ہیں۔ جلدی کیجئے کہیں دیر نہ ہو جائے۔

بروز جمعرات ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ/۱۶ اگست ۲۰۱۲ء

آنکھیں نہیں پورا بدن روتا ہے

لڑائی کی وجہ بہت دلچسپ تھی۔ایک صاحب ریڑھی پر کھڑے پکوڑے کھا رہے تھے۔انہوں نے اچانک لفافہ نیچے رکھا اور بھاگ کر پان فروش لڑکے کو گریبان سے پکڑ لیا'لڑکا کمزور تھا اور وہ صاحب خاصے مضبوط اور لحیم و شحیم 'لہٰذا انہوں نے لڑکے کو زمین پر گرا کر مارنا شروع کر دیا۔لوگوں نے بمشکل چھڑایا' تحقیق کی تو پتہ چلا'لڑکا انہیں پکوڑے کھاتا دیکھ کر ہنس رہا تھا'لڑکے سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا وہ تو ان کے پیچھے کھڑی بلی پر ہنس رہا تھا'بلی ریڑھی کے پہیوں میں چھپی چڑیا کو پکڑنے کی کوشش میں بار بار اس پر جھپٹتی تھی لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی'یہ چھوٹی سی غلط فہمی ایک لمبے چوڑے فساد کا باعث بن گئی۔پکوڑے کھانے والے صاحب تھانے چلے گئے اور لڑکا ہسپتال۔بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن اگر ہم اس کا نفسیاتی تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا پکوڑے کھانے والے صاحب میں قوتِ برداشت کم تھی۔وہ ایک بچے کا مذاق تک برداشت نہیں کر سکے' اگر وہ لڑکا واقعتاً ان پر ہنس رہا تھا تو بھی انہیں ناراض ہونے یا لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔وہ خود بھی ہنس کر لڑکے کی حرکت سے لطف اندوز ہو سکتے تھے'لیکن ایسا نہ ہوا'انہوں نے چھوٹی سی غلط فہمی کو "جنگ" کی شکل دے دی۔

ایسے بے شمار واقعات روز ہمارے ارد گرد وقوع پذیر ہوتے ہیں۔عام معمولی باتیں بڑے جھگڑوں اور جھگڑے فساد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔یہ چیز'یہ علامت ثابت کرتی ہے کہ ہمارے معاشرے کی قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے'لوگوں کے اعصاب کمزور ہو چکے ہیں اور وہ اب معمولی معمولی باتوں پر لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ دس برسوں میں قتل کے جرائم میں آٹھ سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔اس وقت پاکستانی جیلوں میں سزائے موت کے ۹۸۱۲ مرد ۲۵۶ عورتیں اور ۴۲۶ نو عمر قیدی ہیں۔یہ تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔اگر آپ ان ۲۰۳۳۰ مجرموں کی کیس ہسٹری کا مطالعہ کریں تو آپ یہ جان کر حیران ہو جائیں گے کہ ۹۵٪ کیسوں کی وجوہات "تم مجھے دیکھ کر ہنس رہے تھے" سے ملتی جلتی ہیں۔پنجاب میں تو پچھلے سال دو نو عمر لڑکے مرغی کا انڈہ چوری کرنے پر قتل ہو گئے اور ۸ معصوم بچے آٹا چوری کرنے کے مقدمے میں دھر لئے گئے۔

اب ایک اور عذاب تواتر کے ساتھ ہمارے ملک میں نازل ہو گیا ہے۔ہر روز میڈیا میں یہ خبریں پڑھنے اور سننے کو مل رہی ہیں کہ ظالم،سفاک اور اوباش قسم کے افراد اپنے انتقام کی آگ بجھانے کی خاطر مخالف گروہ کی باپردہ عورتوں اور بچیوں کو ننگا کر کے گلیوں اور سڑکوں پر ایک جلوس کی شکل میں گھماتے ہیں اور ہماری پولیس جس کا کام ایسے افراد کو نکیل ڈالنا ہوتا ہے ان ملزمان کے ساتھ ملک مکا کر کے انہیں کھلی چھٹی دے دیتی ہے تاکہ وہ اپنے ان گھناؤنے جرم پر فخر سے گردن اکڑا کر اسی معاشرے میں اپنے طاقتور ہونے کا ثبوت فراہم کرتے رہیں بلکہ اب تو یہ شرمناک اور قبیح فعل ہمارے پولیس تھانوں میں رونما ہو رہے ہیں جہاں کمزور اور بیکس خواتین کی اجتماعی آبروریزی کر دی جاتی ہے اور بعد ازاں اپنے بیٹی بھائی کو بچانے کیلئے محکمہ کو دیڑتا ہے یا کوئی اعلیٰ حکومتی اہلکار فوری طور پر اپنی اس فرض شناسی اور سخاوت کو میڈیا کے ذریعے سستی شہرت کیلئے ایک چیک لیکر اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

یہ کیا چیز ہے'یہ کس بگاڑ'کس تبدیلی کی علامتیں ہیں۔یہ علامتیں ثابت کرتی ہیں ہم اعصابی طور پر ایک کمزور معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں ۔ہم ایک ایسے ملک میں زندہ ہیں جس کے شہریوں کی قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے۔لیکن سوچنے کا مقام یہ بھی ہے کہ ایسے بے غیرت افراد کو لگام ڈالنے کیلئے ہمارے حکمران کیوں خاموش ہیں۔اب تک کسی کو عبرت کا نشان کیوں نہیں بنایا گیا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو۔آپ

قتلوں کے اعداد و شمار ایک طرف رکھ دیں' آپ ویسے غور کریں' آپ کے ارد گرد آج جن اختلافات پر بڑے فسادات ہو رہے ہیں' جن پر درجنوں لوگوں کے سر پھٹ جاتے ہیں' ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں' کیا چند برس قبل اختلافات پر یہی ردِ عمل ہوتا تھا؟ آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا' پھر سول پیدا اتنی بڑی مہلک تبدیلی کیسے آ گئی۔(Degeneration)" ہوتا ہے اتنی بڑی "ڈی جنریشن وہ کون سی وجوہات ہیں جن کے باعث پورے ملک کی سائیکی تبدیل ہو گئی' لوگ کیوں صرف دیکھنے " کھنگورہ "مارنے اور ہنسنے ہر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ انتقام کی آگ بجھانے کیلئے بے گناہ خواتین کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے کہ جس کو دیکھ کر آسمانی مخلوق بھی شرم سے سہم جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے ملک کے اعلیٰ دماغ معاشی بدحالی اور کم علمی ہی کو اس کی وجہ قرار دیں لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے امریکہ میں تو کسی قسم کا معاشی مسئلہ نہیں' دنیا میں سب سے زیادہ فی کس آمدنی امریکہ کی ہے' تعلیم بھی عام ہے' ۹۹ فیصد امریکی تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا وہاں تو اس قسم کے مسائل پیدا نہیں ہونے چاہئیں! لیکن حقائق یہ ثابت کرتے ہیں دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ جرائم امریکہ میں ہوتے ہیں۔ امریکہ میں ہونے والے جرائم کا ۹۲ فیصد تشدد پر مبنی ہوتا ہے۔ سینٹ کی ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کے مطابق دو سال میں تیرہ لاکھ ۵۳ ہزار سے زائد امریکی خواتین کی آبروریزی ہوئی' کمیٹی کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ہر ہفتے تین ہزار سے زائد خواتین سے جنسی زیادتی ہوتی ہے جس میں ۹۳٪ عورتیں قتل ہو جاتیں ہیں' ابھی چند روز پہلے امریکی ادارے نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ کے ۳۵ لاکھ نوجوان خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔

James Holmes

Seung-Hui Cho

ابھی حال ہی میں امریکا میں ۲۰ جولائی ۲۰۱۲ء کو پی ایچ ڈی کے طالب علم جیمز ہولمز نے اندھا دھند فائرنگ کر کے ۱۲/افراد کو موقع پر ہلاک کر دیا اور بیسیوں کو زخمی کر دیا جن میں بچارا افراد ہسپتال پہنچنے سے پہلے جان ہار گئے۔ ۲۰۰۷ء میں کولمبیا میں ایک امریکی "سیونگ ہوئی چاؤ نے ۳۲ افراد کو گولیوں سے بھون دیا اور ۲۰۰۹ء میں البامہ میں "مائیکل مکلینڈن" نے فائرنگ کر کے دس بے گناہوں کو موقع پر قتل کرنے کے بعد خودکشی کر لی۔ تیسری دنیا کے مقابلے میں امریکا معاشی خوشحالی سے مالا مال ملک ہے تو پھر یہ وحشت و درندگی کیسی؟

امریکہ کا دفاعی بجٹ ۶۶۰ بلین ڈالر ہے' یہ دنیا کے ۱۶۲ ممالک کے مجموعی بجٹ کے برابر ہے' لیکن اتنے بھاری بجٹ اور بھاری مراعات کے باوجود امریکی فوجیوں میں خودکشی کا خوفناک رجحان پایا جاتا ہے' جب کہ بلند آواز میں بولنے اور برتن توڑنے میں تو امریکیوں کی نظیر نہیں ملتی۔ امریکہ کے برعکس اسکینڈے نیوین ممالک میں قابلِ تعریف برداشت پائی جاتی ہے۔ ناروے' سویڈن اور ڈنمارک میں تو قتل تو بہت دور کی بات ہے، عام لڑائی جھگڑوں کے واقعات بھی خال خال ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان ممالک میں جرائم کی یہ صورتحال ہے کہ وہاں کے اخبارات میں کرائم رپورٹر کی آسامی ہی نہیں ہوتی۔ چین اور جاپان میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جاپان میں لوگوں کی قوتِ برداشت کا یہ عالم ہے کہ ایک شاہراہ پر برفباری میں تین گھنٹے ٹریفک بلاک رہی اور مصروف ترین ملک کے مصروف ترین شہری بڑے صبر سے گاڑیوں میں بیٹھے رہے۔ وجہ معلوم کی گئی تو پتہ چلا سڑک پر کسی جانور کی لاش پڑی تھی۔ ایک کار اس کے قریب رکی تو اس کے پیچھے گاڑیاں کھڑی ہو گئیں۔ کسی نے ہارن تک نہیں بجایا' اپنے سے اگلے کار ڈرائیور کو برا بھلا تک نہیں کہا۔

چین میں پچھلے بارہ برسوں میں قتل کے صرف دو واقعات رپورٹ ہوئے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ یہ فرق صرف سوشل جسٹس' صرف سماجی انصاف کی

وجہ سے ہے۔ جن معاشروں میں لوگوں کے حقوق' لوگوں کی عزتِ نفس محفوظ ہو' ان کے شہریوں کی قوتِ برداشت بھی قائم ہوتی ہے۔ ان معاشروں' ان ملکوں میں لوگ ہنسنے کے جرم میں دوسروں کو گریبان سے نہیں پکڑتے' معمولی معمولی باتوں پر پستول نہیں نکالتے' لیکن جن ملکوں میں' جن معاشروں میں انصاف نہ ہو' حکومتیں کروڑوں لوگوں کے حقوق روند ڈالتی ہوں' لوگوں کا حکومتوں' عدالتوں اور سیاستدانوں سے اعتماد اٹھ گیا ہو' ان ملکوں میں' ان معاشروں کے شہریوں کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے۔ وہ نفسیاتی کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے جب آنکھیں نہیں روتیں تو پھر پورا بدن روتا ہے۔ جب لوگ حکومتوں سے نہیں لڑ سکتے' زیادتی پر چیخ نہیں سکتے تو وہ پھر ہر دوسرے شخص سے لڑتے ہیں' اپنے سے کمزور ہر شخص پر چیختے ہیں۔ سوچئے! آج پاکستان میں بھی یہی صورتحال تو نہیں؟ رہے نام میرے رب کا جو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے!

لماتقولون مالاتفعلون.....وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے

سوموار ۲ شوال ۱۴۳۳ھ ۲۰/اگست ۲۰۱۲ء

کامیابی کا سفر

اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے یقیناً ایک دن جانا ہے اور اس دنیا میں آنا ہی در حقیقت جانے کی تمہید ہے مگر بعض جانے والے اپنے ماں باپ، لواحقین اور اہل وطن کیلئے ایسی دولت اور فخر وانبساط کی ایسی وراثت چھوڑ جاتے ہیں کہ جس کے آگے خزائن وحشم سے مالا مال شہنشاہ بھی سو فقیروں کے فقیر اور سو کنگالوں کے کنگال لگتے ہیں۔

صد مبارکباد کے مستحق ہیں وہ والدین جنہوں نے اپنی اولادوں کے قلب وذہن کے اندر پچھلی کئی دہائیوں سے عملِ خیر کا ایسا بیج بویا اور پھر اس بیج پر کریم رب کی مشیت کی برسائی ہوئی رحمتوں کی برسات نے ایسی عمل خیر کی لہلہاتی ہوئی کھیتی اگادی جس کی بالآخر منطقی منزل شہادت ٹھہری اور آج اس کا واضح ثبوت ہر شہر اور گاؤں کے شہداء کے قبرستان گواہی دے رہے ہیں۔ اگر اس فصل کی تقسیم شروع کر دی جائے تو سب کو ہی اپنا دامن تنگ نظر آئے گا۔ ان شہداء کے قبرستانوں میں آرام کرنے والے نوجوانوں نے اپنے خونِ دل اور جان سے پائے رسول ﷺ کے نقوش کو ایسا اجاگر کیا ہے کہ ہر کسی کو اب اپنی منزل آسان دکھائی دے رہی ہے۔ ان عظیم شہداء کو بغیر کسی قصور وگناہ اور کوئی جرم بتائے بغیر ایک مرتبہ پھر فرعونی اور طاغوتی طاقتوں کے حامل مجرموں نے ۳۰ رمضان بروز ہفتہ کو ڈرون حملوں کی بوچھاڑ کر کے ایک مرتبہ پھر ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا سے تو وہ یقیناً بچ نہیں پائیں گے لیکن ان نوجوانوں کی للہیت 'اخلاص نیت اور بے لوث ادائے فرض نے ایک ہی جست میں وہ تمام فاصلے عبور کر لئے اور خوب رو احسن اور ان کی اہلیہ کے مقدر میں ایسی حسین اور احسن موت آئی جس کی تمنا انبیائ، اصحابہ اور صالحین نے ہمیشہ کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان عظیم نوجوانوں کی یاد اب تا قیامت تک کفر کے تاریک جزیروں پر ایمانی قوت کے ساتھ کڑکتی اور کوندتی رہے گی۔

میرے پیارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری خواہش ہے کہ مجھے بار بار زندگی ملے اور میں ہر دفعہ اللہ کی راہ میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دوں اور حضرت خالد بن ولید جنہیں میرے رب نے سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا، وہ بھی بڑی حسرت سے شہادت کی آرزو لئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان نوجوانوں کی شہادت نے جہاں اور بے شمار باتوں کا سبق یاد دلایا ہے وہاں ایک یہ بات بھی ہمارے ذہن نشین کروائی ہے کہ عالمِ اسباب میں سانس کا ایک تموج اور ذرے کا ایک حقیر وجود بھی تخلیق اسباب اور ترتیب نتائج میں اپنا حصہ رکھتا ہے۔ جس طرح عمل بد کی ایک خراش بھی آئینہ ہستی کو دھندلا جاتی ہے اسی طرح عمل خیر کا ایک لمحہ بھی عالم کے اجتماعی خیر کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ کر دیتا ہے اور لوحِ زمانہ میں ریکارڈ ہو کر کبھی نہ کبھی ضرور گونجتا ہے اور میزان نتائج میں اپنا وزن دکھاتا ہے اور یوں آخرت کو جب گروہ در گروہ اپنے رب کے ہاں حاضر ہونگے تو یہ نوجوان بھی شہداء کے کے گروہ میں شامل اپنے رب کے ہاں اس شان سے حاضر ہوں گے کہ تمام عالم ان پر رشک کرے گا۔

خدا سے ہم نے بھی ملاقات کرنی ہے 'خدا جانے کب.....؟ خدا جانے کہاں.....؟ اور کس حال میں ہونگے؟ کتنی بڑی ملاقات ہو گی جب ایک عبد ذلیل اپنے معبود اکبر سے ملے گا! جب مخلوق دیکھے گی کہ خود اس کا خالقِ اکبر اس کے سامنے ہے، خدا کی قسم.....! کیسے خوش نصیب ہیں یہ نوجوان شہداء کہ جلوہ گاہ میں اس شان سے جائیں گے کہ اس ملاقات کے موقع پر خدا کو نذر کرنے کیلئے خدا کا کوئی انتہائی محبوب تحفہ ان کے کفن میں موجود ہو گا۔ جی ہاں! ان کفنوں کی جھولیوں میں جن میں بدن اور سچے ایمان وعمل کی لاش ہو گی مگر شہادت کے طمطراق تمغے سے سجی ہو گی۔ ان تمغوں کو خدائے برتر کی رحمت لپک لپک کر بوسے دے گی اور اعلان ہو گا!

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندۂ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے کاش ہمیں بھی اس ملاقات اور یقینی ملاقات کا کوئی خیال آتا اور تڑپا دیتا' کاش ہم بھی ایسی موت سے ہمکنار ہو جائیں جہاں فانی جسم کے تمام اعضاء باری باری قربان ہو جائیں' سب خدا کیلئے کٹ جائیں' سب اسی کے پائے ناز پر نثار ہو جائیں جس کے دستِ خاص نے ان کو وجود کے سانچے میں ڈھالا ہے ۔یقیناان نوجوان شہداء کے دھڑ شیطانی قوتوں کا شکار ہو گئے ہیں مگر اشک بار آنکھوں سے سو بار چومنے کے لائق ہیں کہ فرشتے ان کو اٹھا کر اللہ کے ہاں حاضر ہو گئے ہیں اور ان کی جوانیاں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ دنیا پر نہیں یہ آخرت پر نثار ہوئی ہیں۔انہوں نے دنیا کی کسی چیز سے نہیں خود خدا سے عشق کیا' انہوں نے دنیا کی ساری اشیاء اور عیش و عشرت پر نہیں خود رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک پر ایمان کی بنیاد رکھی' انہوں نے دنیا کی نشیلی چھاؤں میں نہیں بلکہ شہادت کے پر شوق سائے میں پناہ ڈھونڈی' انہوں نے زندگی کی دلفریب اور ایمان کی شاہکار شاہراہ پر اس طرح سفر کیا ہے کہ زندگی سے ہٹ کر شہادت اور شہادت کے اس پار تک کچھ سوچنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔وہ شباب و حسن سے وجد کرتے ہوئے اللہ کے ہاں اس طرح حاضر ہو گئے ہیں کہ حسن و جوانی بار بار ایسی حسرت کرے۔

وہ زندگی اور دنیا پر جھومنے کی بجائے سچائی اور آخرت پر مر جانے کی رسم ادا کر گئے تاکہ زمین و آسمان ان کی موت پر آنسو بہائیں لیکن خدا اپنے فرشتوں کی محفل میں خوش ہو کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ تک آن پہنچا۔دراصل اس دنیا کی طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے والے ہر نوجوان کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان کا گھر اس دنیا میں کہیں نہیں بلکہ اس دنیا میں ہے جو جسم و جاں کا تعلق ٹوٹتے ہی شروع ہوتی ہے۔ایسی دنیا جہاں خود خدا اپنے بندوں کا منتظر ہے کہ کون ہے جو دنیا کے بدلے آخرت اور آخرت کے بدلے اپنی دنیا فروخت کر کے مجھ سے آن ملے۔جہاں وہ جنت ہے جس کے گہرے اور ہلکے سبز باغات کی سرسراہٹوں اور شیر و شہد کی اٹھلاتی لہراتی ہوئی ندیوں کے کنارے خوف و غم کی پرچھائیوں سے دور ایک حسین ترین دائمی زندگی' سچے خوابوں کے جال بن رہی ہے۔جہاں فرشتوں کے قلوب بھی اللہ کے ہاں پکار اٹھیں گے کہ خدایا.....! یہ ہیں وہ نوجوان جن کی ساری دنیا تیرے عشق میں لٹ گئی ہے' یہ سب کچھ لٹا کر تیری دید کو پہنچے ہیں' ان کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ راہِ حق میں مارا جانا ہی دراصل تجھ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور شہادت کے معنی ہی ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔یہ تو سب کچھ لٹا کر اس یقین تک پہنچے ہیں۔

اور ہاں! کتنا قابل رشک ہے ان نوجوانوں کا یقیں اور ایمان' جن پر ملائکہ ایسی گواہی دیں گے اور کس قدر رونے کے لائق ہیں ہمارے ایمان جن کیلئے ہمارے دل بھی گواہی دیتے دیتے کسی خوف سے چپ ہو جاتے ہیں۔کل جب میدان حشر میں اشک و لہو میں نہائے ہوئے یہ نوجوان خداوندی لطف و اعزاز سے سرفراز کئے جا رہے ہونگے' خدا جانے ہم کہاں اور کس حال میں ہونگے.....! کیا ان قوتوں کو اس بات کا ادراک بھی ہے کہ روزِ آخرت جب شہداء کی صفوں میں یہ نوجوان اپنے رب کے ہاں انعامات اور کامیابی کے اعزاز سے سرفراز کئے جا رہے ہونگے تو ان ڈرون حملوں کے تمام نام نہاد ذمہ دار اور مددگار کس حال میں ہوں گے!

موت تو کوئی نئی چیز نہیں۔موت تو ہر ایک کو آنی ہے۔موت کے قانون سے نہ تو کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی۔جو بھی آیا ہے اپنا مقررہ وقت پورا

کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ موت زندگی کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ ہم سب اس کی امانت ہیں' پھر کس کی مجال جو اس میں خیانت کر سکے لیکن کسی کا اس بھری جوانی میں اس طرح حالتِ ایمان اور راہِ خدا میں قربان ہو جانا یقیناً قابل رشک تو ہے ہی مگر اس کے حق میں بڑی نعمت اور عظیم سعادت سے بھی کم نہیں اور پھر کیوں نہ ہو' ایسی موت تو وصل حبیب اور بقائے حبیب کا خوبصورت سبب اور حسین و احسن ذریعہ ہے اور پھر بقائے حبیب سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو گی! یقیناً ان نوجوان شہدا نے اپنے والدین اور اقربا کو سرخرو کر دیا اور یوم عید سعید پر اپنے لواحقین کیلئے ایسا تحفہ چھوڑ گئے ہیں جس کی بناء پر ان کے اہل خانہ دنیا و آخرت میں مبارکباد کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ اللہ ان نوجوانوں کی شہادت قبول فرمائے اور اس کی جزا دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین و ثم آمین

اگر دہشت مٹانے ہم بھی دہشت پر اتر آئیں
سکوں کی سانس دنیا میں کبھی تم لے نہ پاؤ گے
ٹھہر جاؤ ہمارے ہاتھ بھی انصاف آئے گا
سنبھل جاؤ حساب خوں بہا پھر دے نہ پاؤ گے
کلیمی ہے عصا بھی ہے ذرا سا وقت آنے دو
کسی فرعون کو پھر تخت پہ بیٹھے نہ پاؤ گے

جمعۃ المبارک ۶ شوال ۱۴۳۳ھ ۲۴/اگست ۲۰۱۲ء

ٹوپی ڈرامہ۔ تخلیق کار کون؟

عدلیہ اور حکومت کی محاذ آرائی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، موجودہ حکومت آج تک عدلیہ کے تمام فیصلوں پر عملدرآمد سے گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے بظاہر عدلیہ کے احترام کے جو دن رات گن گاتی ہے، آخر ملک و قوم کو اس منافقت اور عذاب سے کب نجات ملے گی۔ بدھ ۸/اگست کو سپریم کورٹ جسٹس آصف سعید کھوسہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ نے توہین عدالت ایکٹ کے سیکشن ۱۷ کے تحت اظہارِ وجوہ کا نوٹس جاری کرتے ہوئے وزیراعظم راجہ پرویز اشرف کو ۲۷/اگست کو ذاتی طور پر عدالت میں طلب کرتے ہوئے اٹارنی جنرل عرفان قادر سے کہا تھا کہ اگر اس عرصے کے دوران این آر او سے متعلق عدالتی فیصلے پر عمل درآمد کے بارے میں کوئی قابل قبول پیش رفت ہوئی تو عدالت اس پر نرم رویہ بھی اختیار کر سکتی ہے۔

عدالت نے اپنے حکم نامے میں یہ بھی کہا تھا کہ سپریم کورٹ نئے وزیراعظم کو پہلے ہی کافی وقت دے چکی ہے لیکن بدقسمتی سے ملک کے چیف ایگزیکٹو کی جانب سے عدالتی فیصلے پر عمل درآمد میں تاخیری حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ نے ۲۷ جون کو سماعت کے دوران سوئس حکام کو خط لکھنے سے متعلق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف سے جواب طلب کیا تھا۔ ۲۵ جولائی کو عدالت نے وزیراعظم کو صدر آصف علی زرداری کے خلاف مقدمات دوبارہ کھولنے کے لیے سوئس حکام کو خط لکھنے سے متعلق ۸/اگست تک آخری مہلت دی تھی۔

عدالت نے اپنے مختصر حکم نامے میں سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی نااہلی کا بھی حوالہ دیا اور کہا کہ اسی مقدمے میں عدالتی احکامات کی حکم عدولی پر انہیں بطور رکن قومی اسمبلی نااہل قرار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں وزارت عظمیٰ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

سماعت کے آغاز پر اٹارنی جنرل عرفان قادر نے عدالت سے سماعت کو ستمبر کے پہلے ہفتے تک ملتوی کرنے کی استدعا کی تھی تاہم عدالت نے کہا کہ پہلے ہی دو ہفتے کی مہلت دی جا چکی ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ جہاں عدالت نے اتنا وقت دیا ہے وہاں تھوڑا اور وقت دے دیا جائے اور اس کی سماعت ستمبر کے پہلے ہفتے تک ملتوی کر دی جائے تاکہ وہ دونوں اداروں کے درمیان خلیج کو کم کرنے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھ سکیں۔ عدالت نے کہا کہ افسوس کی بات ہے کہ وزیراعظم نہ تو عدالتی احکامات پر عملدرآمد کر رہے ہیں اور نہ ہی کوئی جواب داخل کرایا گیا ہے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ وہ نئے توہین عدالت کے قانون کے خلاف دائر درخواستوں کی سماعت میں مقدمے میں مصروف تھے جس کے باعث وزیراعظم سے ملاقات نہیں ہو سکی جس پر جسٹس آصف سعید کھوسہ کا کہنا تھا کہ پھر وزیراعظم کی طرف سے عدالتی فیصلے پر عمل درآمد سے متعلق جواب ہی سمجھیں۔ بینچ میں موجود جسٹس امیر ہانی مسلم نے اٹارنی جنرل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملاقات ہو بھی جاتی تو شائد آپ کا بیان اس سے مختلف نہ ہوتا جو آج دے رہے ہیں۔

اس فیصلے کے آنے کے فوری بعد پاکستان کی حکمران جماعت پیپلز پارٹی کے سینیٹر فیصل رضا عابدی نے جس طرح سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے کردار اور ان کے صاحبزادے کی مبینہ مالی بے ضابطگیوں کے بارے میں کھل کر باتیں کی، اس سے عندیہ ملتا ہے کہ حکومت نے اب فرنٹ فٹ پر کھیلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ فیصل رضا عابدی نے پیپلز پارٹی سیکریٹریٹ میں جو پریس کانفرنس کی اس کی الیکٹرانک میڈیا نے اتنی کوریج نہیں کی جتنی مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف کے درمیان الزام تراشیوں میں دلچسپی لی البتہ پرنٹ میڈیا میں الیکٹرانک میڈیا کی نسبت ان کی کوریج قدرِ بہتر رہی۔ جس انداز میں انہوں نے پریس کانفرنس کے لیے پیپلز سیکریٹیریٹ کی جگہ منتخب کی اور پی ٹی وی نے ان کی کوریج کی، اس سے تو لگ رہا تھا کہ یہ ایک

حکمت عملی کا حصہ ہے لیکن پیپلز پارٹی نے نوٹس لیتے ہوئے فیصل رضا عابدی سے وضاحت طلب کرلی تھی جس کا تاحال کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ فیصل رضاعابدی نے اپنی پریس کانفرنس کی شروعات اس نکتے سے کی کہ "عدالت سپریم ہے یا پارلیمان؟ پارلیمان ایک لانڈری ہے جو سیاستدانوں اور ججوں کے گناہوں کو صاف کرتی رہی ہے اس لیے پارلیمان سپریم ہے۔ انہوں نے چیف جسٹس پر ان کے بیٹے ارسلان کے حوالے سے کئی الزامات لگاتے ہوئے ۲۰۰۰ء کے سید ظفر علی شاہ کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ عدالتی فیصلے کے مطابق میاں نواز شریف نے چھ ارب روپے سرکاری خزانے کو نقصان پہنچایا اور سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے دستخط بھی موجود ہیں ۔ وہ ساڑھے تین برس سے وہ صرف پیپلز پارٹی کے خلاف مقدمات سن رہے ہیں۔ چیف جسٹس چھ ارب واپس کروانے کی کارروائی نہیں کرتے لیکن ڈیڑھ ارب کے لیے ایک وزیراعظم کو گھر بھجوادیا اور دوسرے کے خلاف بھی کارروائی ہورہی ہے۔ انہوں نے کہا: ماضی سب کا خراب ہے ماضی کو چھوڑیں۔ حکومت اور عدلیہ کی کشیدگی بظاہر تو بڑھتی نظر آتی ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ تادم تحریر سپریم کورٹ یا چیف جسٹس نے اس پریس کانفرنس کا نوٹس نہیں لیا لیکن حکومت نے رضا علی عابدی سے خانہ پری کیلئے وضاحت تو طلب کرلی لیکن اس معاملہ پر مزید کوئی کاروائی نہیں ہوسکی۔

آج سپریم کورٹ میں این آر او پر عمل درآمد کیس میں توہین عدالت کے مقدمے کی سماعت کے دوران وزیراعظم راجہ پرویز اشرف عدالت میں پیش ہوئے جہاں عدالت نے انہیں مشاورت کے لیے ۱۸ ستمبر تک کی مہلت دے دی ہے۔ عدالت کا کہنا ہے تھا کہ وزیرِاعظم سے صدر زرداری کے خلاف مقدمات دوبارہ کھولنے کے لیے سوئس حکام کو خط لکھنے کے لیے وعدہ مانگا تھا لیکن انہوں نے سنجیدہ کوششیں کرنے کا ذکر کیا ہے لہذا انہیں مہلت دی گئی ہے۔ عدالت کا کہنا تھا کہ عدالت میں پیش ہونا عدالتوں کا احترام نہیں بلکہ عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کرنا احترام ہے۔ وزیرِاعظم راجہ پرویز اشرف نے عدالت نے کہا کہ انہیں ابھی یہ عہدہ سنبھالے ہوئے صرف ۶۰ دن ہوئے ہیں اور ملکی صورتحال بھی کچھ اچھی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے چار ہفتے مزید وزیرِاعظم رہنے سے عدالت کو فرق نہیں پڑے گا، اس پر عدالت کا کہنا تھا کہ ملکی صورتحال کے علاوہ یہ مسئلہ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ عدالت نے وزیرِاعظم سے کہا کہ وہ کسی اور کو خط لکھنے کے لیے اختیار دے دیں۔ تاکہ انہیں عدالت بار بار طلب نہ کرے۔ تاہم وزیرِاعظم نے کسی کو نامزد نہیں کیا اور عدالت نے انہیں اٹھارہ ستمبر کو دوبارہ طلب کرلیا ہے لیکن یاد رہے اس سے پہلے کراچی میں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی میں جب اختلافات انتہائی سنگین ہوگئے تھے اور اس وقت بھی ترپ کے پتے کے طور پر ذوالفقار مرزا کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا گیا تھا۔ بظاہر ذوالفقار مرزا کی کھلی بغاوت نے سب کو انگشت بدنداں کردیا تھا لیکن زرداری صاحب کی سیاست کے رازداں اور امین بخوبی سمجھ گئے تھے کہ یہ سارا ٹوپی ڈرامہ کس نے کیوں رچایا۔ مرزا صاحب کی اسمبلی کی نشست خالی ہونے پر ان کے بیٹے کو پارٹی ٹکٹ دیکر کامیاب کرانے کے بعد تو کسی شک وشبے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، اس لئے فیصل رضاعابدی کے ٹوپی ڈرامے کے تخلیق کار بھی وہی ہیں جنہوں نے اس سے قبل مرزا ذوالفقار کو استعمال کیا تھا۔ عدلیہ نے تو ایک مرتبہ پھر اس جمہوری نظام کو بچانے کیلئے موقع فراہم کردیا ہے لیکن فیصل رضاعابدی نے ایک مرتبہ پھر عدالتی تضحیک کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آئندہ عدلیہ اور موجودہ حکومت کی لڑائی میں کس کا ستیاناس ہوتا ہے۔

بروز سوموار ۹ شوال ۱۴۳۳ھ ۲۷/اگست ۲۰۱۲ء

سچے آدمیوں کا جھوٹا امیر

ہم سمجھتے ہیں جس کا چرمی بٹوا نوٹوں سے بھرا ہوا ہو اور اس میں ترتیب سے مختلف رنگوں کے کریڈٹ کارڈ سجے ہوں، وہ ہوتا ہے خوش قسمت۔ شاندار لشکارے مارتی نئی نکور گاڑی اور وردی پہنا ہوا شوفر گاڑی کے آگے اور پیچھے 'کھلی گاڑیوں میں شعلہ اگلنے کو تیار چمک دار بندوقیں تھامے مستعد گارڈز، ہٹو بچو کا شور، اور پھر جب صاحب اتریں تو کھٹ سے دروازہ کھولنے والا اور فرمانبردار سر جھکائے ملازم 'بہت بڑا مکان جس کے آہنی پھاٹک پر مسلح چوکیدار اور مکان کے ہر کونے کی خبر لیتے متحرک کیمرے، قیمتی سیل فونز، ہر دم مختلف سُروں سے اپنی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے، ڈیل اور کاروباری ڈیل پلاٹوں کے سودے، ڈھیر ساری چیک بکس اور موٹے موٹے رجسٹر جن کے صفحات لین دین کے ہندسوں سے سیاہ ہوں پھر بہت بڑی سی لمبی میز جس پر ہر طرح کی نعمتیں سجی ہوں، معدنی پانی کی سربمہر بوتلوں کی قطار 'اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکتا خواب ناک ماحول 'نازک سے قیمتی برتنوں سے سجا دستر خوان، سفید نیپکنز اور پھر لین دین کی باتیں کرتے ہوئے لذتِ کام و دہن کی آزمائش 'ایسے ہوتے ہیں خوش قسمت۔ خاک بسر لوگ ایسوں کو دیکھ کر خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ ان جیسا بننے کی تگ و دو میں ہلکان اور آزردہ رہتے ہیں۔ وہ خود کو بد قسمت سمجھتے ہیں اور آہیں بھرتے ہیں، امیری، غریبی ہم نے معیار بنالیا ہے خوش قسمتی کا، خوش نصیبی کا۔

انسان کا خیال امیر ہو تو وہ خوش نصیب ہوتا ہے اور اگر خیال غریب ہو تو دولت کی ریل پیل میں بھی بد نصیب"۔ انسان کے لیے سامانِ تعیش و آسائش ضرورت بن کے رہ جاتے ہیں اور دوسرے کے لیے رشتہ جاں اور تارِ نفس کی بقاء سے زیادہ کوئی اہم ضروت نہیں ہوتی۔ انسان حریص ہے، ناشکرا ہے، ظالم ہے، مسافر خانے میں ہمیشہ آباد رہنا چاہتا ہے، قبرستان میں کھڑے ہو کر اپنے ہمیشہ رہنے کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں جو آیا اسے واپس جانا پڑتا ہے، پھر دعویٰ کیا؟ قیام کیا پھر جبری رخصت، اگر ٹھہرنا مقدم ہو تو رخصت کی کیا ضروت! اور اگر جانا ضرورت ہو تو ٹھہرنے کے منصوبے بے معنی ہیں۔ اگر ظاہری مرتبے قائم رہ جائیں تو انسان اندر سے قائم نہیں رہتا۔ باہر سے خطرہ نہ ہو تو بدن کی چہار دیواری اندر سے گلنا شروع ہو جاتی ہے انسان اپنے بوجھ تلے آپ ہی دب کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہشات کی دیواروں میں چنوا تا رہتا ہے اور جب آخری پتھر اس کی سانس روکنے لگتا ہے تو پھر وہ شور مچاتا ہے کہ اے دنیا والو! کثرت، خواہشات سے بچو، کثرت سہولت سے گریز کرو، مال کی محبت سے پرہیز کرو، کثرتِ مال تمہیں غافل کر دے گی۔

مال و دولت کے سہارے حکومتیں کرنے والے بالآخر کارندامتوں اور رسوائیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ دولت عزت پیدا نہیں کرتی، وہ خوف پیدا کرتی ہے، اور خوفزدہ انسان معزز نہیں ہو سکتا۔ غریبی محتاج رہنے کی وجہ سے خالق کے در پر سرنگوں رہتی ہے اور یوں غریبی قربِ حق کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان غریب ہو جائے یا اسے غریب ہی رہنے دیا جائے۔ ایک سماج میں امیر اور غریب کے درمیان جتنا فاصلہ بڑھتا جائے گا، اتنی ہی سماج میں کرپشن بڑھے گی۔ وہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا جہاں غریب کو نظر انداز کر دیا گیا۔ غریب ہی امیر کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ غریب سائل ہے اور امیر سخی نہ ہو تو اسے بخیل ہونے کی سزا دی جائے گی۔ غریب حقدار ہے اور اگر اس کو اس کا حق نہ دیا جائے تو حق غصب کرنے والے کو عذاب میں گرفتار کر دیا جائے گا اور عذاب کی انتہائی شکل یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل سے دولتِ تسکین نکال لی جائے گی اور یوں ایک امیر انسان پیسے کی فراوانی کے باوجود پیسے کی شدت میں مبتلا ہو کر ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو گا۔ امیر آدمی کا خوف غریب کے خوف سے زیادہ ہوتا ہے۔ غریب کے پاس تو پھر بھی اچھا زمانہ آنے کی امید ہو سکتی ہے لیکن امیر کے لیے برے زمانے کے آجانے کا خوف ہمیشہ

سر پر تلوار بن کر لٹکتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں پیسہ نہیں بچا سکتا بدنامیوں سے، بے عزتیوں سے، دشمنوں سے، موت سے 'پھر پیسہ کیا کرتا ہے؟ صرف نگاہ کو آسودہ کرتا ہے اور یہ آسودگی دل کو مردہ کر دیتی ہے، بے حس بنا دیتی ہے اور آدمی کثرتِ مال کے باوجود تنگی خیال میں مبتلا ہو کر اذیت ناک انجام سے دوچار ہو جاتا ہے۔

خدا اُس وقت سے بچائے جب مظلوم اور بے زبان خطرہ گویائی کے طلسمات شروع کر دے۔ یہ خطرہ ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے، اس سے پہلے کہ غریب آپے سے باہر ہو اُس کی غریبی کو ٹالنے کی کوشش کی جائے اُس کا خیال رکھا جائے بڑے بڑوں کی بڑی بڑی خدمت کرنے کے بجائے غریبوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورت پوری کر دی جائے۔ ان کے کچن سے بھی دھویں اور خوشبوئیں اٹھیں۔ ان کے دستر خوانوں پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا موقع موجود ہونا چاہیئے۔ غریب کو خدا کے لیے صرف نصیحت اور دوا سے کلمے نہ پڑھاؤ، اس کا دکھ بانٹو، اُس کا غم بانٹو۔ اگر غریب کو مفت دوائی نہ ملی تو تمہارے بڑے بڑے ہسپتال بیمار ہو جائیں گے، تمہارے خزانوں میں کیڑے پڑ جائیں گے 'دیمک لگ جائے گی۔ ابھی وقت ہے کہ سوچا جائے، سمجھا جائے، ہوش کیا جائے۔ غریب قیمتی سرمایہ ہے بشرطیکہ اسے غریب نہ رہنے دیا جائے۔ کیا ہو رہا ہے ہمارے آس پاس! آپ اور میں روز دیکھتے ہیں کسی غریب کے پاس علاج کے پیسے نہیں ہیں اور اس کی معصوم بچی مر جاتی ہے اور پھر وہ اس کے کفن کے لیے بھیک مانگتا ہے ہم سب مر گئے ہیں کیا؟ ہاں ہم زندہ ہی کب تھے۔

موجودہ حکومت کی عقل پر ماتم کیا جانا چاہیئے جن کا ارشادِ عالی ہے" پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے آئی ایم ایف سے قرضہ طلب کیا اور سب سے پہلے کامیابی حاصل کی۔" یہودی مہاجنوں کے پاس پاکستان کو گروی رکھ کر قرضہ حاصل کرنے کو وہ خوش قسمتی کہتے ہیں ۔وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سود کی لعنت نے ہمیں برباد کر دیا۔ وہ رب سے جنگ کرنے نکلے ہیں۔ میرے رب سے تو کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔ یہ جناب علی عثمان ہجویری کس وقت یاد آ گئے! آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حج کے سفر پہ تھے۔ ایک آدمی کو قافلے کا امیر بنا دیا گیا۔ راستے میں لٹیروں نے قافلے کو روک لیا اور اپنے سردار کے روبرو پیش کر دیا۔ سردار نے کہا: جو کچھ ہے نکالو۔ سب نے جو کچھ تھا وہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ سردار نے پوچھا: تم نے سب کچھ پیش کر دیا ہے؟ سب نے کہا: ہاں اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ سردار نے کہا: ان سب کی تلاشی لو۔ تلاشی لینے پر امیر قافلہ کے پاس خفیہ جیب سے کچھ اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا: اسے قتل کر دیا جائے۔ جناب ہجویری نے مداخلت کی اور کہا: یہ نہیں ہو سکتا، وہ ہمارے امیر قافلہ ہیں، ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔ جاہل، اجڈ، وحشی ڈاکوؤں کے سردار نے کیسی عجیب بات کہی، بولا" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سچے آدمیوں کا امیر جھوٹا ہو!" سالارِ کارواں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صادق ہو، امین ہو، جھوٹے سالاروں نے ہی تو ملت کا بیڑہ غرق کر رکھا ہے۔ سارہ پالن کے پرستار صدر زرداری خوش قسمت ہیں کہ این آر او کی بناء پر ملک کے سب سے بڑے منصب پر براجمان ہیں۔ ملک کی لوٹی ہوئی دولت کو بچانے کیلئے دن رات منصوبہ بندی کا عمل جاری ہے۔ ملک کے وزیر قانون فاروق نائیک نے جینیوا کا خفیہ دورہ کر کے یہ یقین دہانی حاصل کر لی ہے کہ ۱۵ سال کے بعد واقعی یہ مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے اور اس طرح زرداری صاحب پر کسی بھی مقدمے کا اندیشہ باقی نہیں رہے گا۔ سنا ہے کہ عدلیہ کو خاموش کرنے

کیلئے ستمبر کے تیسرے ہفتے میں سوئٹزرلینڈ کی عدالت کو خط لکھ دیا جائے گا۔ خالقِ کائنات کی بھی ایک عدالت ہے جہاں سب کو حاضر ہونا ہے اور ایسا مال تو دہکتے انگاروں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ذرا اپنی خفیہ جیب کو ابھی سے ٹٹولئے، اگر اپنی خفیہ جیب سے پوشیدہ خزانہ نہیں نکالیں گے تو بہت جلد ضرور کوئی ان کی جیب سے خود نکال لے گا۔ کچھ بھی تو نہیں رہے گا جناب، ہاں کچھ بھی نہیں، بس نام رہے گا اللہ کا۔

میں فقیروں سے ہی کرتا ہوں تجارت اکثر
جو ایک پیسے میں لاکھوں کی دعائیں دیتے ہیں

جمعرات ۱۲ شوال ۱۴۳۳ھ ۳۰/اگست ۲۰۱۲ء

تدفین کے بعد غسل!

ملک کی سمت کیا ہے' کوئی نہیں جانتا۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے تمام ادارے' وسائل اور آبادی کا ایک بڑا حصہ ملک کے ساتھ تھا یا اس کے کنٹرول میں تھا۔ قوم پر پوری طرح واضح تھا کہ دشمن کون ہے اور کتنا طاقتور ہے۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ اس دشمن سے کیسے نمٹا جائے۔ ٹارگٹ واضح ہونے کے با وجود بدنیتی اور غیر ملکی قوتوں کے ایجنٹوں کی وجہ سے ہمیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آج ۲۰۱۲ء میں دوبارہ وہی صورت حال آن پڑی ہے لیکن اب نمٹنے کی بات تو ایک طرف یہی طے نہیں ہو رہا کہ ہمارا اصل دشمن ہے کون؟ وہ اندر ہے کہ باہر' کب وار کرے گا اور کیسے کرے گا؟ ملک اس وقت کس راستے پر چل نکلا ہے' موجودہ حکومت کا اختیار کردہ راستہ ہمیں کس سمت لیکر جا رہا ہے؟ ہماری حکومت کا یہ بحری جہاز کہاں لنگر ڈالے گا؟ دبئی ،لندن یا سیدھا امریکہ کی کسی بندرگاہ پر! اس بحری جہاز کا ناخدا وہاں کی کھلتے موسم کی چمکتی دھوپ میں قصر سفید کے عطا کئے ہوئے کسی کونے میں آفتابی غسل کی تیاری میں مصروف ہو گا؟

ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ ملک کی معیشت کا طیارہ لاقانونیت، مہنگائی اور حالیہ عدلیہ کے ساتھ خوفناک محاذ آرائی کے کڑکتے بادلوں میں کسی انجانی منزل کی طرف گامزن ہے جہاں اس طیارے کا کپتان اس کا "آٹو پائلٹ" کا بٹن دبا کر تمام مسافروں کی زندگیوں سے غافل موت جیسی گہری نیند سو گیا ہے یا پھر ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری موجودہ حکومت کی حالت ایک ایسے ادھ موئے گھوڑے جیسی ہو گئی ہے کہ جس کی صرف آنکھوں کی پتلیاں حرکت کر رہی ہیں اور استعماری گدھ اسکے جسم کا بڑی بے دردی سے گوشت نوچ رہے ہیں اور بے کس اور لاچار عوام ایک کمزور چھڑی سے دور سہمے ہوئے ہش ہش کر رہے ہیں کہ شائد یہ استعماری گدھ ان پر ترس کھا کر دور ہٹ جائیں۔

یوں لگ رہا ہے کہ بلوچستان کسی چوک پر کھڑا وہ لاوارث بچہ ہے جس کے بے حس والدین اسے چھوڑ کر اپنی شاپنگ میں مصروف ہیں اور کراچی تو وہ کیک ہے جو کسی راتب کے طور پر کسی للچائی بھوک کا شکار ہونے کا منتظر ہے۔ اندرون سندھ اس چٹیل میدان کی طرح ہے جہاں مالکان اپنے اپنے کتوں اور مرغوں کی لڑائی کا میلہ سجانے کیلئے چل پڑے ہیں۔ کشمیر اور شمالی علاقہ جات وہ چراگاہ ہے جس میں گڈریے کو بس یہ فکر ہے کہ اس کی بھیڑ بکریاں چرتے چرتے ہمسایوں کی لگائی ہوئی زہریلی باڑھ کو منہ نہ مار لیں۔ پنجاب وہ بیٹا ہے جس کی ماں اپنے دودھ اور باپ اس کو اپنی جاں کی قسم دیکر دوسرے اوباش بچوں کے سامنے خاموش رہنے کا حکم جاری کر دیں۔ ایٹمی پروگرام زمین کا وہ قیمتی ٹکڑا ہے جس پر اپنا اپنا حق ثابت کرنے کیلئے تمام برادری والے بھرے بازار میں ایک دوسرے کے کپڑے تار تار کر دیں اور امریکہ وہ سود خور ہے جو قسط کے عوض اب گھر کی چار دیواری کی اینٹیں تک لیجانے کیلئے ٹریکٹر ٹرالی لے آیا ہے اور مالک مکان زیر لب بڑبڑا رہا ہے کہ "مائی باپ! ایک موقع اور عنائت فرمادیں حضور!" اور بھارت اپنی سازش کی کامیابی پر دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجاتے ہوئے اس نوٹنکی سے نہ صرف لطف اندوز ہو رہا ہو بلکہ اپنے خوں آشام دانتوں کو تیز کر کے گیدڑ کی طرح شکار کے گرد بے تابی کے ساتھ چکر لگا رہا ہو۔

یہ سارا منظر نامہ صرف ان مظلوم اور بے کس محب وطن افراد کی خاموش دلخراش آرزں کا پتہ دیتی ہیں جن کے اکابرین اور بزرگوں نے اس ارض پاک کیلئے اپنا تن من دھن قربان کر کے رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو اپنے خالق اور پالن ہار کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ اس عطا کردہ ارض پاک پر تیرے نام اور تیرے احکام کی تعمیل ہو گی۔ محسن انسانیت کے ذریعے تیری بتائی ہوئی شریعت کا نفاذ ہو گا لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ قصر سفید کے نامزد حکمرانوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب جاتے جاتے اس ملک کے ان تمام اداروں کو اس طرح زمیں بوس کر دیا جائے تاکہ ہمارے جانے

کے بعد آنے والی کوئی بھی حکومت اس کو سنبھال نہ پائے اور بالآخر یہاں کے عوام کو ہماری یاد اس بری طرح ستائے کہ وہ دن رات ہمیں یاد کریں ایک طرف قصر سفید کا فرعون اپنی تمام تر تکبر اور طاقت کے اظہار کی دھمکیوں کے گولے برسا رہا ہے اور شمالی وزیرستان میں پاکستانی افواج کے آپریشن کے انکار پر ڈرون حملوں میں شدت پیدا کر دی ہے دوسری طرف ہندو بنیا اکھنڈ بھارت کے خواب اپنی مکروہ آنکھوں میں لئے اپنی تمام تر مکاریوں کے ساتھ اس ارض پاک پر اپنے کارندوں کو مسلسل کمک پہنچا رہا ہے لیکن ہمارے پاکستانی وزیر اعظم کا عالم یہ ہے کہ ملکی دولت کو بری طرح لوٹنے والے ایک فرد کو بچانے کیلئے اپنے منصب کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر اور زرداری کے پٹواری کی مانند خدمات بجالانے میں دن رات مصروف ہے۔

قصر سفید کے فرعون کو پاکستانی عوام کی جذباتیت کا بخوبی اندازہ ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ 'کشمیر میں زلزلہ کے بعد عدلیہ کی بحالی کی تحریک اور لانگ مارچ میں عوام کا پرجوش و جنوں کو دیکھ چکے ہیں۔ قصر سفید کے فرعون کو بخوبی علم تھا کہ پاکستانی عوام کو آزاد عدالتیں میسر آگئیں تو ملک کے تمام سیکورٹی ادارے بھی پاکستانی آئین اور عدالت کے تابع ہو جائیں گے اور امریکی ایجنٹوں کیلئے اپنے اہداف حاصل کرنا از حد مشکل ہو جائے گا۔ بھارت کے بنئے اور اسرائیلی توسیع پسند یہودیوں کو پاکستان کی ایٹمی طاقت کسی صورت برداشت نہیں جبکہ امریکہ کی آنکھ میں بھی ہمارا ایٹمی طاقت ہونا بری طرح کھٹکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت کے بنئے کی یہ بہت دیرینہ خواہش ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں کو پاکستان سے کاٹ کر اپنا حصہ بنالے، ایک تو پورے کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا دوسرا پاکستان کا اپنے نہائت مخلص دوست چین سے رابطہ ختم ہو جائے گا اور تیسرا واخان کے راستے روس کی ریاستوں سے سیدھا براہ راست زمینی رابطہ قائم ہو جائے گا۔ اس کیلئے امریکہ کی مکمل آشیر آباد بھی حاصل ہے اور امریکہ بھی اس مدد کی آڑ میں بھارت کو مستقبل کی بڑی طاقت بنا کر چین کے مقابلے کیلئے تیار کر رہا ہے تاکہ روس کی بالادستی کو ختم کرنے کے بعد اب صرف چین ہی ایسا ملک رہ گیا ہے جس کی فوجی اور معاشی قوت امریکہ کیلئے خطرہ بن سکتی ہے ،اس لئے قصر سفید کے فرعون نے بڑی مہارت سے این آر او کے ترپ کے پتے کا سہارا لیتے ہوئے یہ پہلے ہی انتظام کر لیا تھا کہ اب مشرف کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نعم البدل تیار کیا جائے۔ عوام نے ووٹ کی صورت میں مشرف کے خلاف کھل کر اپنی بھرپور نفرت کا اظہار تو کر دیا مگر امریکہ کو آصف زرداری کی صورت میں ایک نیا جمہوری آمر ضرور مل گیا۔

پاکستان کے غیر بھٹو وزیر اعظم اب تک امریکہ کی زبان استعمال کرتے چلے آرہے ہیں کہ "قبائلی علاقوں میں غیر ملکی موجود ہیں اور انہیں خطرہ ہے کہ نائن الیون جیسا کوئی واقعہ دوبارہ نہ ہو جائے" غیر ملکی قبائلی علاقوں میں تو موجود نہیں البتہ اسلام آباد کی کرسیوں پر قابض ہو گئے ہیں۔ دبئی، امریکا اور لندن میں رہتے ہیں 'غیر ملکوں میں ان کے اثاثے ہیں 'اولادیں بھی ملک سے باہر ہیں مگر قصر سفید کے فرعون کی بدولت پاکستان میں حکمرانی کر رہے ہیں۔ ملک میں کٹھ پتلی وزیر اعظم کے ذریعے ایوان صدر سے حکومت کی باگ ڈور چلائی جا رہی ہے۔ ملک کے اندرونی فیصلے باہر والوں کی مرضی سے کئے جاتے ہیں لیکن ہر روز ایک بیان جاری کر دیا جاتا ہے کہ امریکہ کو پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کی اجازت نہیں دیں گے 'جیسے امریکا

ان کی اجازت کا پابند ہے۔ چوروں' بزدلوں اور کمزوروں کو حکم دیا جاتا ہے نہ کہ ان سے اجازت لی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے ڈرون حملوں کے خلاف عالمی عدالت میں جانے سے انکار کر دیا ہے کہ وہاں گھر والوں کی رضامندی کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔ امریکہ اور اتحادی افواج نے پاکستان پر شدید دباؤ بڑھا دیا ہے کہ نیٹو افواج کو پاکستان کے شمالی علاقوں پر براہ راست کاروائی کا حق دیا جائے۔ سنا ہے کہ سی آئی اے نے پاکستان کے اعلیٰ حکام کو ایسے نقشے فراہم کئے ہیں جن پر بعض شمالی علاقوں پر بی ون بمبار طیاروں کے ذریعے بمباری کیلئے سرخ نشان لگائے گئے ہیں لیکن پاکستان کی قیادت بیٹھی نجانے کس قیامت کی منتظر ہے حالات سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں اور روڈ میپ بھی تیار ہو چکے ہیں البتہ بگل بجنے کی دیر ہے۔ ہم حقیقتاً ایک ایسی بد نصیب قوم ہیں جسے ہمیشہ نماز کے بعد وضو یاد آتا ہے اور تدفین کے بعد غسل!!!

جمعرات ۱۹ شوال ۱۴۳۳ھ ۶ ستمبر ۲۰۱۲ء

تاریخ سے بھی سبق سیکھا جاسکتا ہے

اقوام عالم کے عروج وزوال کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قوموں کو سرفرازی 'کامیابی وکامرانی 'عظمت وسربلندی اور عزت وافتخار کے بام عروج تک پہنچانے میں اتحاد واتفاق 'جذبہ خیر سگالی اور اخوت وبھائی چارگی نے نہائت اہم کردار ادا کیا ہے۔ عزت وافتخار کی فلک بوس چوٹیوں سے ذلت ورسوائی 'نکبت وپستی اور انحطاط وتنزل کی رسواکن وادیوں میں قومیں اس وقت جا گرتی ہیں جب باہمی اخوت و اتحاد کی رسی کمزور پڑ جاتی ہے اور معاشرے میں نااتفاقی 'خود غرضی 'ناانصافی اور عدم تعاون جیسی مہلک بیماریاں جنم لینے لگتی ہیں 'جو قومی وسماجی بنیاد کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہیں اور پورا معاشرہ عدم توازن سے دوچار ہو کر انحطاط وتنزل کی گہرائیوں میں گر پڑتا ہے۔ نتیجتاً پوری قوم بدامنی وانارکی 'انتشار ولامرکزیت کا شکار ہو کر ذلت ورسوائی اور بے یقینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

رقبے کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے بلوچستان میں آج کل شورش کا سب سے بڑا سبب وہاں کے افراد کے لاپتہ ہو جانے، اغوا کر لئے جانے اور دہشت گردوں کے ہاتھوں بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیئے جانے کے ارد گرد گھوم رہی ہے۔ ان اسباب کی بناء پر سارے ملک میں ایک عجیب پریشانی کا عالم ہے جس کا ملک کی اعلیٰ عدلیہ نے بھی انتہائی سخت نوٹس لیتے ہوئے انتظامیہ کے ان افراد کو جواب طلبی کیلئے طلب کیا جس کا اس سے پہلے کسی نے سوچا تک نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب بلوچستان میں کئی لاپتہ افراد کی واپسی کا عمل بھی شروع ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی کربناک پہلو جس کو ابھی تک نظر انداز کیا جارہا ہے نہ صرف وہاں کے وہ غریب محنت کش جو برسوں پہلے محنت مزدوری کیلئے وہاں جاکر آباد ہو گئے اور اس صوبے کی خوشحالی میں اپنا تن من دھن نچھاور کر دیا، ان کو چن چن کر قتل کیا جارہا ہے اور صوبے میں ایسے خوف وہراس اور دہشت کی فضا قائم کر دی گئی ہے جس کی بناء پر ان کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا بلکہ ملک کے انتہائی نامور ماہر تعلیم اور سرکاری شعبوں میں اپنی خدمات بجالانے والوں کو بھی بیدردی سے قتل کر کے ملک کو شدید نقصان پہنچایا جارہا ہے۔

یہ سب کچھ تو وہ ہے جو دکھائی دے رہا ہے لیکن درحقیقت جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ امریکا اور اس کے یورپی حلیفوں کا ایجنڈہ ہے جنہوں نے اس صوبے میں اپنے اپنے مفادات کے حصول کیلئے ایک "خفیہ جنگ" شروع کر رکھی ہے۔ علاقائی اور بین الاقوامی بحرانوں کے تناظر میں دیکھیں تو بلوچستان بظاہر غیر اہم نظر آتا ہے لیکن امریکی مفادات کے تحفظ کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ دراصل بلوچستان وہ خطہ ہے جہاں اس وقت مختلف حکمت عملیوں کا ملاپ اور ٹکراؤ جاری ہے۔ اگر بلوچستان کے تکوینی محل وقوع پر نظر ڈالیں تو جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے دنیا کے اہم ترین مقامات میں اس کا خصوصی کردار نظر آتا ہے۔ یہ خطہ مشرقی ایران، پاکستان کی مغربی اور جنوبی افغانستان کی سرحدوں سے جڑا ہوا ہے جو اس وقت امریکا اور یورپ کیلئے طاقت کے اظہار کا میدان بن گیا ہے کیونکہ اب وسط ایشیا سے توانائی کی ترسیل کا راستہ اور بحر ہند تک رسائی بھی اسی خطے سے آسان اور کم خرچ ہے، اس لئے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کیلئے بلوچستان کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا۔ اسی لئے بلوچستان تمام عالمی طاقتوں کیلئے انتہائی اہم ہو گیا ہے۔

اب معاملہ محض سیاست اور جغرافیہ تک محدود نہیں رہا، بلوچستان کے سینے میں تیل اور قدرتی گیس کے وسیع ذخائر کے علاوہ معدنیات کے بیش بہا قیمتی خزانے پنہاں ہیں، یہی سبب ہے کہ پاکستان، ایران اور افغانستان کیلئے یہ خطہ نزاع کا باعث بنتا جارہا ہے۔ ہر ملک زیادہ سے زیادہ ان قدرتی وسائل کے حصول کیلئے بلوچستان کو اپنی مٹھی میں لینے کی بھرپور کوششوں میں مصروف ہے۔ بلوچستان چونکہ مشرق اور مغرب کے درمیان اہم

تجارتی سنگم پر واقع ہے، اسی لئے اس کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ وقت کے تیز ترین وسائل نے آمدورفت کے ذرائع کو بھی عروج پر پہنچادیا ہے مگر اس کے باوجود بلوچستان کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ چین کی ترقی میں زمینی تجارت نے اہم کردار ادا کیا ہے اور مستحکم بلوچستان کے بغیر چین اور علاقے کے دیگر ممالک کیلئے مؤثر زمینی تجارت اب ممکن نہیں، اسی لئے امریکا اور یورپ اسی نکتے پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔

چین میں معیشت کو مستحکم رکھنے کیلئے توانائی بنیادی ضرورت ہے اور اگر بلوچستان میں استحکام ہو تو چین کی مصنوعات براستہ بلوچستان سستے بھاؤ بحر ہند اور افریقہ تک پہنچ جائیں گی۔ چین اسی راستے سے تیل و قدرتی گیس کے حصول کا بھی شدید خواہشمند ہے اسی لئے چین اپنے مفادات کو محفوظ اور مستحکم کرنے کیلئے گوادر میں گہرے پانی کی بندرگاہ تعمیر کرنے میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔ چین صرف سرمایہ نہیں بلکہ اہم تکنیکی معاونت بھی فراہم کرنے میں پیش پیش ہے جس کی وجہ سے امریکا اور یورپ اسے غیر مستحکم کرنے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ بلوچستان کو غیر مستحکم کرکے چینی معیشت کو دھکا لگایا جاسکے جو ان ممالک کی معاشی ترقی کا پہیا الٹا گھمانے جارہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ ایران اور پاکستان کے خلاف امریکا اور اس کے مغربی اتحادیوں کی خفیہ جنگ کا مرکزی راستہ بلوچستان ہے۔ بلوچستان کے معاملات کو مٹھی میں لیکر مغربی قوتیں پاکستان اور ایران پر مستقل دباؤ بڑھا سکتی ہیں۔

بلوچستان کا رقبہ خاصا وسیع ہے اور بیشتر حصہ پتھریلا اور بے آب و گیاں ہے۔ شر پسند اور دہشتگرد عناصر مغربی ممالک کے خفیہ اداروں کی مدد سے شورش برپا کئے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے خفیہ ادارے اچھی طرح جانتے ہیں کہ بلوچستان میں مغربی خفیہ ادارے معاملات کو الجھا کر قتل و غارت، لوگوں کا اغوا اور بعد میں خود ہی ان کے لاپتہ ہونے کا پروپیگنڈہ اور بعد ازاں ان کی لاشیں شہروں کے بیچ پھینک کر مقامی شہریوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرکے ملکی اداروں کو بدنام کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ پاکستان کی مشینری اچھی طرح جانتی ہے کہ ملکی سلامتی اور سالمیت کا دارومدار اس پر ہے کہ بلوچستان میں شورش اور علیحدگی پسندوں کو کس حد تک کامیابی کے ساتھ دبایا جاسکتا ہے تاکہ بیرونی طاقتوں کے مقامی ایجنٹ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

قطر سے شائع ہونے والا اخبار "دی پینسیولا" نے اپنے حالیہ ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "امریکی خفیہ ادارہ سی آئی اے بلوچستان میں اپنے قدم جمانے کی بھرپور کوشش کررہا ہے۔ مقامی باشندوں کو ایجنٹ بننے کے عوض ۵۰۰ ڈالر تک ادائیگی کی جارہی ہے۔ افغانستان میں نیٹو افواج کے سابق کمانڈر اور سی آئی کے موجودہ سربراہ ڈیوڈ پیٹریاس نے بلوچستان کو غیر مستحکم کرنے کیلئے افغان مہاجرین کو عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ اس انکشاف کو کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ سی آئی کی جانب سے بلوچستان بھر میں ایجنٹس کی بھرتی اس بات کا اشارہ ہے کہ سی آئی اے کی حکمت عملی کے کئی رخ ہیں۔ ایک طرف تو ایجنٹس کے ذریعے سے خفیہ معلومات حاصل کرکے انہیں اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف خطے میں کام کرنے والے دہشتگرد گروپوں کو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ خرابی پیدا کرنا مقصود ہے"۔

امریکی جریدے "فارن پالیسی" نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "سی آئی اے اور موساد جنداللہ کو کنٹرول کرنے کی تگ و دو میں مصروف

ہے کیونکہ بلوچستان جنداللہ کا گڑھ ہے، جنداللہ کو استعماری قوتیں اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتی ہیں۔ ایران کے سائنسدانوں اور دیگر ماہرین کے قتل اور ایرانی معیشت و معاشرت کو غیر مستحکم کرنے میں جنداللہ ملوث ہے۔ سی آئی اے، برطانوی خفیہ ادارہ ایم آئی سکس، اسرائیلی موساد اور بھارتی را مل کر بلوچستان میں دہشتگرد اور علیحدگی پسندوں کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ان گروپوں کو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا جاسکے۔ براہمداغ بگٹی کی قیادت میں کام کرنے والی "دی بلوچستان لبریشن آرمی" کے برطانوی اداروں سے دیرینہ روابط ہیں۔ یہ گروپ بلوچستان میں دہشتگردی کی کئی وارداتوں میں ملوث ہے اور بلوچستان میں ترقیاتی کاموں پر بزدلانہ حملوں کی وجہ سے کئی کاموں کو بند کرنا پڑا ہے جس کا نقصان صوبے کے عوام کے ساتھ ساتھ چین کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ امریکا اور یورپ ان کو استعمال کرکے کسی طور پر بلوچستان کو غیر مستحکم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں تاکہ چین کو اس خطے سے نکلنے پر مجبور کردیا جائے"۔

بلوچستان میں سیاسی دہشتگردی کا بازار صرف دہشتگردی اور جاسوسی کے ذریعے سے گرم نہیں کیا جارہا بلکہ سیاسی میدان میں بھی اس خطے کو مشکلات سے دوچار کیا جارہا ہے۔ امریکی کانگرس بھی بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کرکے معاملات کو بگاڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانگرس کے رکن ڈانا رورباکر نے ایک قرارداد کے ذریعے بلوچستان کے عوام کیلئے حق خودارادی کا مطالبہ کرکے پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت کا ارتکاب کیا ہے تاکہ پاکستان کو شدید عدم استحکام سے دوچار کیا جائے۔ دراصل روز بیکر اور اس کے ہم خیال افراد سی آئی اے کے اشارے پر امریکی استعمار کیلئے معاون کا کردار ادا کر رہے ہیں، یعنی اگر کسی ملک کو آسانی سے کنٹرول کرنا ہے تو اسے تقسیم کردو۔ رورباکر نے کئی مواقع پر کھلی کھلی دھمکیوں اور اشتعال انگیز بیانات کے ذریعے پاکستان کو ایک دہشتگرد ریاست کا تاثر دیتے ہوئے امریکی حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ پاکستان کے خلاف جو کچھ بھی کیا جائے وہ جائز ہے۔

بلوچستان کے حوالے سے استعماری قوتوں کے عزائم بالکل واضح ہیں۔ سو سال پہلے برطانوی سامراج کی طرح امریکا کو ایک ایسا پاکستان قبول کرنا چاہئے جو قوم پرستانہ جذبہ رکھتا ہو، ہر معاملے میں امریکی بالادستی قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو اور اپنی ہر جائز بات منوانے کا خواہش مند ہو۔ پاکستان کو عالمی برادری میں بااصول اور مخلص دوست رکھنے کا پورا حق ہے۔ دراصل امریکیوں نے ماضی سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور وہ بزور طاقت بلوچستان کو اپنے پیادوں کی طرح استعمال کرنا چاہتا ہے۔ دراصل پاکستان کے غیور عوام نے چین کی بے پناہ ترقی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ محاذ آرائی کی بجائے معاشی ترقی کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں اور اب کسی معاملے میں امریکا اور یورپ کے آگے سرنگوں نہیں ہونگے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ بلوچستان میں مکمل حقیقی امن کیلئے اسلام آباد میں ایک ایسی خوددار مضبوط حکومت ہو جو امریکی اقدامات کے خلاف احتجاج سے بڑھ کر بھی کچھ کرنے کی ہمت رکھتی ہو اور امریکا کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں اور طاقت کے بل بوتے پر وہ اب تک کمزور ترین ممالک کے غیور عوام کے آگے کئی بار ناک رگڑ چکا ہے۔ اکیسویں صدی میں طاقت کے نشے میں چور امریکیوں کی بالادستی قائم رکھنے کی ہر کوشش اب بھی بری طرح ناکام ہوگی اور اس کی بھاری انسانی اور معاشی قیمت بھی ادا کرنا پڑے گی اور اس کیلئے اپنے اتحادی برطانیہ کی تاریخ سے بھی سبق سیکھا جاسکتا ہے۔

بروز منگل ۲۴ شوال ۱۴۳۳ھ ۱۱ ستمبر ۲۰۱۲ء

"آخری خواہش"

آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ جتنی بڑی گاڑی ہے اسی قدر اس کی نگہداشت کا ساماں موجود! کسی شیڈ کے نیچے یا چھاؤں میں ایک طرف یا کسی پورچ میں۔ ڈرائیور وقفے وقفے سے اسے دیکھتا بھالتا اور کبھی کبھی تھوڑی سی بھی غیر ضروری گرد کو صاف کرتا رہتا ہے۔ اتنے میں بڑا دروازہ کھلتا ہے' ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ چپڑاسی بریف کیس اور صبح کی اخباروں کا بنڈل ہاتھ میں لئے باہر آتا ہے اور اگر کوئی ضروری فائل ہو تو وہ بھی ساتھ ہوتی ہے۔ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ کا دروازہ کھول کر وہاں یہ سامان انتہائی سلیقے کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ کو زور لگا کر ممکن حد تک آگے کر دیا جاتا ہے تاکہ پچھلی سیٹ کے سامنے کافی جگہ آرام سے ٹانگیں پھیلانے کیلئے میسر آجائے۔ گرمی کا موسم ہو تو صاحب کے آنے سے پہلے ہی گاڑی کا ائر کنڈیشنر چلا دیا جاتا ہے تاکہ دفتر اور گاڑی کے درمیان کا چند گز کے فاصلے کی حدت فوری طور پر کافور ہو جائے حالانکہ گاڑی چوکس حالت میں ممکن حد تک دروازے کے قریب لا کر کھڑی کر دی جاتی ہے۔

صاحب بہادر ایک شان بے نیازی سے برآمد ہوتے ہیں۔ ارد گرد موجود لوگ ایکدم ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔ گفتگو کرنے والا گفتگو بھول جاتا ہے' بے ترتیب یونیفارم والا ٹوپی سیدھی کر لیتا ہے اور سگریٹ پیتا ہوا شخص سگریٹ پھینک دیتا ہے یا پھر کہیں چھپا دیتا ہے۔ پچھلا دروازہ جو ڈرائیور سے دوسری سمت والا ہے اسے کھول کر کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے۔ صاحب بہادر تشریف رکھتے ہیں۔ تمام لوگوں کے ہاتھ فوری طور پر سلام کرنے کیلئے ماتھے کی طرف بڑے ادب کے ساتھ اٹھتے ہیں۔ اشاروں کا منتظر گاڑی کو خراماں نکالتا ہوا منظر سے جب تک غائب نہیں ہو جاتا یہ تمام خادمین وہاں سے ہلنے کی جرأت نہیں کرتے۔ پورا راستہ صاحب بہادر یا تو اخباروں کی ورق گردانی کرتے ہیں' موبائل فون پر کسی کو احکام صادر کر رہے ہوتے ہیں یا پھر بیگم کی فرمائش کو پورا کرنے کا وعدہ وعید ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر وقت بچ جائے تو کسی فائل کی رو گردانی شروع کر دی جاتی ہے۔ اس پورے سفر میں ڈرائیور کی حیثیت ایک پرزے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ کمپنی نے سٹیرنگ' گیئر یا سیٹ کی طرح اسے بھی وہاں فکس کر دیا ہے جسے صرف احکامات سننے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ وہاں روک دو' ادھر لے چلو' میرا انتظار کرو' میں واپس آرہا ہوں۔ مجھے دو تین گھنٹے لگیں گے اور وہ ڈرائیور اپنی سیٹ سے فوری چھلانگ لگا کر باہر نکل کر دروازہ کھولتا ہے اور روبوٹ کی طرح سر ہلا کر یا پھر منہ سے سعادت مندی کے الفاظ نکالتا رہتا ہے۔

یہ منظر آپ کو ہر اس دفتر یا ادارے کے باہر ملے گا جہاں کوئی ایک صاحب اختیار تشریف رکھتا ہے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری کا کوئی امتیاز نہیں۔ وزیر کا دفتر یا سیکرٹری کا' جرنیل کا ہیڈ کوارٹر یا عدلیہ کی عمارت' کسی پرائیویٹ کمپنی کے دفاتر ہوں یا بینک کی شاندار عمارت' سب جگہ صاحبان طاقت اور والیان حیثیت کیلئے ایک ہی سیٹ مخصوص ہے۔ ان کی گاڑی کہیں پہنچے لوگ وہی دروازہ کھولنے کیلئے لپکتے ہیں۔

میں یہ سب منظر دیکھتا ہوں تو اکثر یہ سوال میرے ذہن میں اٹھتا ہے کہ یہ سب لوگ ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر کیوں نہیں بیٹھتے؟ کیا وہ آرام دہ نہیں؟ کیا وہاں ائر کنڈیشنڈ کی ہوا صحیح نہیں پہنچتی؟ کیا وہاں سے راستہ' ارد گرد کی عمارتیں یا لوگ ٹھیک سے نظر نہیں آتے؟ لیکن ان سب سوالوں کا جواب تو نفی میں ملتا ہے۔ یہ سامنے والی سیٹ زیادہ آرام دہ اور زیادہ ٹھنڈی بھی ہے۔ باہر کا منظر بھی صحیح نظر آتا ہے۔ تو پھر یہ سیٹ خالی کیوں رہتی ہے یا پھر اس پر سٹاف آفیسر یا پی اے کو کیوں بٹھایا جاتا ہے؟

یہاں کہانی اس نفرت کی ہے۔ یہ داستان اس تکبر کی ہے جس میں ڈرائیور کی حیثیت ایک انسان سے کم ہو کر بادشاہوں کے رتھ اور مہاراجوں کی

بڑی بڑی سواریاں چلانے والوں کی ہوا کرتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ مرتبہ اور مقام رکھنے والی شخصیت ڈرائیور کے برابر میں آکر بیٹھ جائے اور دیکھنے والے ان دونوں کے درمیان تمیز تک نہ کر سکیں کہ کون افسر ہے اور کون معمولی حیثیت کا ڈرائیور۔ ایک زمانہ ان متکبر افسران اور وزرا' جرنیل اور اعلیٰ عہدیداروں پر ایسا آیا کہ ان کو چھوٹی سی سوزوکی پر سفر کرنا پڑا۔ جس کی پچھلی سیٹ انتہائی بے آرام اور کم جگہ والی تھی لیکن تکبر اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ اور اس طریقہ کو رائج کرنے والوں کو بے شمار صلواتیں سنانے کے بعد آقا اور مالک کی تمیز کو برقرار رکھنے کے نئے نئے طریقے دریافت کئے گئے۔ اگلی سیٹوں کو مکمل طور پر فولڈ کیا جانے لگا۔

یہ رویہ ان ساری قوموں پر گزرا ہے جنہوں نے انسانوں کو غلام اور محکوم بنانے کے ڈھنگ ایجاد کئے تھے۔ امریکہ میں "جم کرو" کے قوانین کے تحت بسوں تک میں کالوں کی سیٹیں گوروں کی سیٹوں سے نہ صرف الگ ساخت کی ہوتی تھیں بلکہ آگے ہوتیں اور اگر کوئی کالا اگلی سیٹ پر بیٹھ جاتا تو اسے گولی سے اڑا دیا جاتا اور اگر کوئی گورا پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتا تو اسے طعنے مار مار کر اس سے ناتا توڑ لیا جاتا۔ لندن کے بازاروں میں آج بھی کالے رنگ کی ٹیکسیوں کا رواج ہے جس میں ڈرائیور کی سیٹ اور سواریوں کے درمیان ایک شیشے کی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے جس کی کھڑکی صرف سواری کھول سکتی ہے تاکہ ڈرائیور کی حیثیت' مرتبہ اور اس سے بات کرنے کا تعین بھی وہی کرے جو پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہے۔ صدیوں تک فرعونوں

'شہنشاہوں' آمروں' ڈکٹیٹروں اور ان کے چھوٹے چھوٹے کارپردازوں کی سواریاں بھی ایسی تھیں کہ ان کا عام لوگوں سے کوئی تعلق نہ رہے۔ دھول اڑاتی یہ سواریاں جہاں عوام الناس کا مذاق اڑاتی تھیں وہاں ان سواریوں پر سفر کرنے والے بھی انسانوں کے درمیان تمیز' فرق اور آقا و غلام کے قانون میں بٹے ہوئے تھے۔

تکبر، غرور اور گھنٹوں ساتھ چلنے' آرام پہنچانے والے شخص سے کراہت دوری کے اس ماحول میں پتہ نہیں کیوں مجھے اپنا ماضی یاد آجاتا ہے۔ اسلاف کے وہ معیار آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ روم کے بادشاہوں کی طرح رہن سہن اور لباس پہننے والوں عیسائیوں کے بیت المقدس پر جب پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے مسلمانوں نے فتح حاصل کی تو شہر حوالے کرنے کیلئے خلیفہ وقت عمر ابن الخطاب کا انتظار تھا۔ ایک گھوڑا جس کے سم گھس کر بیکار ہو چکے تھے۔ رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ خلیفہ وقت اور فاتح ایران و شام عمر ابن الخطاب اور غلام موجود۔ طے پایا کہ آدھا راستہ غلام سواری کرے گا اور آدھا راستہ خلیفہ وقت۔ بیت المقدس قریب آیا تو باری غلام کی آگئی اور پھر تاریخ نے انسانی احترام کا ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ غلام گھوڑے پر اور خلیفہ وقت باگ تھامے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ شاہی کروفر اور لباس پہنے رومی عیسائی بے ساختہ صرف ایک فقرہ بول سکے کہ ایسا ہی شخص عزت کا مستحق ہے اور ایسے ہی شخص کو فتح نصیب ہوا کرتی ہے۔ اس تاریخی فقرے کے بعد بھی اگر کوئی مجھ سے سوال کرتا ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل اور رسوا کیوں ہیں' بے آسرا کیوں ہیں تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

چلتے چلتے یہ بھی سنتے جائیں معاملہ تو اب بہت ہی سنگین ہو گیا ہے۔ کراچی اور لاہور کی ہولناک آتشزدگی کو پاکستان کا نائن الیون قرار دیا جا رہا ہے جہاں سینکڑوں افراد کی اموات نے ساری قوم کو دل گرفتہ کر دیا ہے۔ عام غریبوں اور متوسط تعلیم یافتہ افراد کی جماعت کا نعرہ لگانے والے اور پاکستان کی تاریخ میں طویل ترین اقتدار کے مزے لینے والے گورنر عشرت العباد کی سواری کا آتشزدگی کے مقام پر پہنچنے کا جب اعلان ہوا تو فوری طور پر وہاں امدادی کاروائیوں کو روک کر راستوں کی صفائی ستھرائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ کیمرہ کی آنکھ نے یہ تمام مناظر یقیناً اپنے ناظرین تک پہنچائے جس

کو دیکھ کر دل ایک مرتبہ پھر خون کے آنسو رو رہا ہے۔ چند دن پہلے سکندر بھائی نے شائد اسی واقعے کا تذکرہ کیا تھا!

ایک لونڈی محل کی صفائی ستھرائی پر مامور تھی۔ ایک دن بادشاہ کی خوابگاہ میں اس کی ڈیوٹی تھی۔ بادشاہ کی مسہری دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا گئی۔ اس نے ایسا اپنے تصور میں بھی نہ دیکھا تھا۔ سب کی آنکھ بچا کر اس نے مسہری کے نرم و گداز کو جب چھوا تو اس کی خواہش لیٹنے کیلئے مچل گئی۔ اس نے سوچا کوئی دیکھ بھی نہیں رہا کیوں نہ چند لمحوں کیلئے اس پر لیٹ کر اپنی خواہش پوری کر لوں۔ ایسے نرم و گداز بستر پر لیٹتے ہی اس بے چاری کی آنکھ لگ گئی۔ بد قسمتی سے بادشاہ کا وہاں سے گزر ہوا تو ایک معمولی لونڈی کو اپنے بستر پر دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فوری طور پر اس کو زندہ جلانے کا حکم دے دیا۔ ایک بہت بڑے الاؤ کے سامنے جب اس کو لایا گیا تو بادشاہ نے روایت کے مطابق اس کی "آخری خواہش" پوچھی۔ اس لونڈی نے اس مجمع کی طرف دیکھ کر کہا کہ مجھے اس بادشاہ سے تو کچھ نہیں کہنا لیکن اے لوگو! میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس مسہری پر چند لمحے کی نیند کی اگر اتنی بڑی سزا ہے کہ مجھے زندہ اس آگ کے الاؤ میں جلانے کی سزا ملی ہے تو ان لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو ساری عمر ایسے نرم و گرم گداز بستر میں گہری نیند کے مزے لیتے ہیں؟

اس سوز و درد میں ڈوبی ہوئی آواز نے اس بادشاہ کے ہوش اڑا دیئے۔ اس نے فوری طور پر اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تخت و تاج اور بادشاہت چھوڑ کر اللہ سے لو لگائی۔ ساری عمر غریبوں اور مسکینوں کی خدمت میں گزار دی اور آج دنیا اس کو بڑے احترام کے ساتھ حضرت ابراہیم ادہم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کیا آج کے حکمران اور ہمارے اشراف کیلئے اس میں کوئی سبق پنہاں ہے؟؟؟

اب تو بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہم دنیا میں ذلیل اور رسوا کیوں ہیں، بے آسرا کیوں ہیں!

بروز جمعۃ المبارک ۲۷ شوال ۱۴۳۳ھ ۱۴ ستمبر ۲۰۱۲ء

تری بربادیوں کے منصوبے؟؟؟

ابھی حال ہی میں مسلمانوں کی سب سے محبوب شخصیت کی ذاتِ گرامی کے بارے میں جو فلم بنائی گئی ہے اس سے پورے عالم اسلام میں شدید دکھ اور احتجاج کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مصر، لیبیا۔ تیونس، یمن، بنگلہ دیش کے علاوہ تمام امت مسلمہ میں امریکہ کے خلاف پر تشدد مظاہرے شروع ہو گئے ہیں۔ یہ فلم امریکہ میں بنائی گئی اور اسے جون کے آخر میں ایک چھوٹے سے سینما گھر میں دکھایا گیا بعد میں اس کے کچھ ٹکڑے عربی ترجمے کے ساتھ یوٹیوب پر پوسٹ کیے گئے جن کی وجہ سے یہ مظاہرے پھوٹ پڑے۔ نہایت بھونڈے طریقے سے بنائی گئی اس فلم کو پہلے "مسلمانوں کی معصومیت" کے نام سے آن لائن پوسٹ کیا گیا اور بعد ازاں ۳۰ جون کو ہالی وڈ کے ایک چھوٹے سے سینما میں "اسامہ بن لادن کی معصومیت" کے نام سے یہ فلم دکھائی گئی جس میں بھونڈی اداکاری کے ساتھ توہین آمیز کلمات ادا کئے گئے۔ اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اشتعال انگیز کلمات اداکاروں نے نہیں کہے بلکہ انہیں واضح طور پر بعد میں ڈب کر کے فلم میں شامل کیا گیا ہے۔ فلم دیکھنے والے ایک شخص نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ بہت برے طریقے سے بنائی گئی فلم کوئی ایک گھنٹہ لمبی تھی۔ فلم کے دو شو ہوئے اور چند ہی لوگوں نے اسے دیکھا۔ فلم میں کام کرنے والی ایک اداکارہ نے فلم کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس فلم کو اسلام دشمن پروپیگنڈے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ کیلی فورنیا سے تعلق رکھنے والی اداکارہ سنڈی لی گارسیا نے ایک ویب سائٹ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کا فلم میں ایک چھوٹا سا کردار تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ فلم کا نام صحرائی جنگجو ہو گا اور یہ دو ہزار سال قبل کے مصر کے بارے میں ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ڈائریکٹر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں گی۔

فلم کے مصنف اور ہدایت کار نکولا بیسائل نکولا اسرائیلی یہودی نژاد امریکی ہے جس کو امریکا کی ایک عدالت سے فراڈ کے مقدمے میں اکیس ماہ سزا اور آٹھ لاکھ ڈالر جرمانے کی سزا بھی ہو چکی ہے۔ اس نے خبر رساں ادارے ایسوسی ایٹڈ پریس کے سامنے یہ بیان دیا کہ وہ اسلام کو ایک کینسر سمجھتا ہے۔ ایک مصری نژاد امریکی قبطی عیسائی مورس صادق جو اسلام مخالف نیشنل امریکن کاپٹک اسمبلی سے تعلق رکھتا ہے، نے اس فلم کی نمائش کا بندوبست کیا تھا۔ اس نے اقرار کیا کہ وہ فلم کے لیے ساز و سامان کی فراہمی اور پروڈکشن میں شامل رہا ہے۔ قبطی مصر میں بڑی اقلیت ہیں اور ان میں سے کچھ نے اخوان المسلمین سے تعلق رکھنے والے صدر کی قیادت میں نئے مصر میں اپنی مذہبی آزادی کے مستقبل پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ قرآن کو نذرِ آتش کرنے والے امریکی پادری ٹیری جونز نے بتایا کہ فلم کی تشہیر کے سلسلے میں اس کا نکولا بیسائل نکولا سے مکمل رابطہ تھا۔ امریکا میں آج بھی کئی ٹی وی چینل بشمول "فاکس نیوز" دن رات آزادی اظہار کے نام پر اسلام کی مخالفت میں جو زہر اگل رہے ہیں وہ بھی کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔

افغان جہاد ختم ہونے پر برسوں کی منصوبہ بندی کے بعد یہ اس دور کی سب سے پہلی صلیبی صف بندی جارج بش نے نائن الیون کے بعد وار آن ٹیرر کے نام سے مسلمانوں کے خلاف چھیڑی۔ وہ اسامہ اور طالبان جو افغان جہاد کے دوران امریکا کے سر کے تاج اور آنکھوں کا تارہ تھے، ان کو امریکا کا سب سے بڑا دشمن قرار دیکر افغانستان اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اب تک مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور اگلے نشانے کے طور پر ایران اور پاکستان کا نام لیا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ اب تک رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا اور یہود و ہنود کے عزائم کی تکمیل میں مغرب اور امریکا ایک مشترکہ پالیسی پر گامزن ہیں۔ حال ہی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی ایک رپورٹ میں اس پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ ۲۰۰۴ء سے امریکا کے جائنٹ فورسز اسٹاف کالج برائے آفیسرز میں ایک انتہائی مکروہ عمل جاری ہے۔ اسلام کے خلاف بڑے منظم طریقے سے امریکی فوج کے نصاب

ہیں نفرت انگیز مواد پڑھایا جارہا ہے۔اس نفرت انگیز نصابی کورس کو اب تک ۸۰۰ آفیسرز رضاکارانہ طور پر مکمل کر چکے ہیں۔اس کورس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔اسلامی بھائی چارے کی مکمل تباہی، یعنی مسلمانوں کے مابین جو بھائی چارے کی فضا موجود ہے اس کو ختم کرنے کے طریقے سکھانا، ۲۔اسلام کو عیسائیت کا حقیقی دشمن بنا کر پیش کرنا، یعنی اسلام عیسائیت سمیت تمام مذاہب پر غلبہ چاہتا ہے اس لئے یہ تمام مذاہب کا سب سے بڑا دشمن ہے، ۳۔اسلام کے مثبت تاثر کو زائل کرنا اور اسے بنیاد پرست، جہادی بمعنی فسادی مذہب ظاہر کرنا، یعنی اسلام میں جتنی بھی انسانیت کی بھلائی کی تعلیمات ہیں، ان کو منفی طور پر پیش کرنا اور ٤۔عوام کے ذہنوں کو اس طرح ڈھالنا کہ مکے اور مدینے پر حملے پر بھی کسی رد عمل کا اظہار نہ کریں یعنی صلیبیوں کے دل کے اندر جو عزائم ہیں (نعوذ باللہ) مکے مدینے پر حملے کی فضا پہلے سے تیار ہو۔

صدر اوبامہ نے اپنی صدارتی انتخابی مہم کے دوران کہا تھا کہ حج کے دوران مکہ اور مدینہ پر ایٹم بم گرا دینے چاہئیں۔امریکا اپنے صدر کی اسی شیطانی سوچ کے عین مطابق اسی کورس کے آخری حصے میں عوام کو تیار کر رہا ہے تاکہ امریکی عوام سے کسی بڑی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے، ویسے تو امریکا میں تھنک ٹینک بہت پہلے سے یہ مہم چلا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو کیسے ختم کیا جائے، واحد اسلامی ایٹمی قوت پاکستان کے ٹوٹنے کی نقشے بھی کئی بار جاری کئے جا چکے ہیں۔یہ مکروہ منصوبہ پینٹاگون میں تیار کیا گیا اور انہی صفحات پر میں ان کی تفصیلات سے اپنے قارئین کو آگاہ بھی کر چکا ہوں کہ اس پر ۸ سال سے باقاعدگی سے کام بھی جاری ہے۔دوسری طرف شیطانی ڈس انفارمیشن کا طریقہ استعمال کرتے ہوئے چیف آف جنرل اسٹاف نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کو فی الحال معطل کیا یعنی ابھی ختم نہیں ہوا۔یہ تو اس وقت پتہ چلا جب اس قبیح فعل کی شکائت ایک طالب علم آفیسر نے کی تو جنرل ڈیمپسی چیف آف جنرل اسٹاف نے اس کی تحقیقات کا حکم دیا کہ یہ مواد نصاب میں کیسے شامل ہوا جو پچھلے آٹھ سالوں سے پڑھایا جارہا ہے اور ایک ہفتے کا یہ کورس سال میں پانچ مرتبہ پڑھایا جاتا تھا اور اب تک ۸۰۰ آفیسرز اس نصاب کو مکمل بھی کر چکے ہیں۔تو کیا دنیا کی سراغ رسانی کرنے والے اور دنیا میں کہیں بھی زمین پر رینگنے والے کیڑوں مکوڑوں کو سٹلائٹ نظام کے ذریعے دیکھنے والے امریکی حکمران خاص کر فوجی قیادت اس نصابی کورس سے کیسے بے خبر رہی؟ قطعاً نہیں! اسلام دشمنی تو ان کی رگوں میں شامل ہے۔امریکی پاکستانی فوج پر بنیاد پرستی اور شدت پسندی کا الزام لگاتے رہتے ہیں، کبھی طالبان کا حامی قرار دیتے ہیں لیکن اب وہ اپنی افواج کو کیا کہیں گے.....؟

واشنگٹن پوسٹ میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ جنرل کیانی نے امریکا کے صدر کو ۱۴ صفحات کا ایک میمو دیا تھا کہ امریکا ہمارے ملک میں منظم افراتفری پھیلا رہا ہے اور بھارت اور افغانستان کی سرزمین کو پاکستان میں گڑبڑ پھیلانے کیلئے استعمال کر رہا ہے۔امریکا پاکستان کو ایٹمی پروگرام سے محروم کرنا چاہتا ہے۔اس پر امریکی صدر اوبامہ نے سفید جھوٹ بولتے کہا کہ آپ کی اطلاعات درست نہیں بلکہ امریکا تو ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان کا خواہاں ہے۔پاکستان میں امریکی ایجنٹوں کی کاروائیوں سے صاف نظر آرہا ہے کہ پورا ملک جل رہا ہے۔ایک خاص مکتبہ فکر کے افراد کے قتل وغارت کے پس منظر میں پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات کروانے کی کوششیں جاری ہیں۔کراچی جو ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے وہاں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے لسانی اور صوبائی قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔بھتہ خوری کی وباء نے سرمایہ داروں کو اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور غیر ملکی سرمایہ کاری تو مکمل طور پر ٹھپ ہو چکی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جنرل کیانی کو خود کراچی جا کر سرمایہ کاروں کو تحفظ کی یقین دہانی کروانی پڑی اور سپریم کورٹ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے کراچی کے حالات پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے موجودہ حکومت کو مثبت اقدام اٹھانے کی ہدائت کی مگر حالات میں سنبھلنے کی بجائے بگاڑ کی طرف جارہے ہیں۔اب امریکا کے صدر کی بات کا کیسے یقین کیا جائے جبکہ جنرل کیانی کی طرف سے

پاکستانی قوم کی ترجمانی پر ساری قوم کا حوصلہ بڑھا ہے۔

عراق اور افغانستان کے علاوہ پاکستان میں بلیک واٹر کی موجودگی اور کارکردگی کا سابق امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس اعتراف کر چکے ہیں۔ بلیک واٹر کمپنی کے مالک و بانی (ایرک پرنس) نے اپنے انٹرویو میں بھی پاکستان میں اپنی موجودگی کا اعتراف کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ وہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے۔ پاکستان میں دہشتگردی کے کئی خوفناک واقعات رونما ہو چکے ہیں اور ملک کی کئی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کے بیانات میں ان کاروائیوں کا ذمہ دار بلیک واٹر کو قرار دیا جا چکا ہے لیکن پاکستانی وزیر داخلہ رحمان ملک بار بار اپنے بیانات میں بلیک واٹر کی عدم موجودگی سے انکار کر کے نجانے کن کی خدمات بجالا رہے ہیں۔

امریکی صحافی اور مصنف "باب ورڈ" کی کتاب (بش ایٹ وار) کے انکشافات امت مسلمہ کی آنکھیں اور کان کھولنے کیلئے کافی ہیں۔ صلیبیوں کی اسلام کے خلاف منصوبہ بندیوں کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں: "افغانستان پر امریکی حملے سے پہلے اسلام آباد میں سی آئی اے کے ایجنٹوں نے یہ خفیہ رپورٹ واشنگٹن روانہ کی تھی کہ طالبان کی صفوں میں ایسے افغان راہنما موجود ہیں جو ملا عمر کی سخت گیری اور اسامہ سے اس کی دوستی کو پسند نہیں کرتے۔ سی آئی اے کے ایک ایجنٹ شیلٹن نے رپورٹ دی کہ ترکمانستان، ازبکستان اور تاجکستان ہمارے تلاش اور بچاؤ آپریشن کے سلسلے میں اب تک تعاون پر آمادہ نہیں جبکہ پاکستان پہلے ہی اس کی منظوری دے چکا ہے۔ نائب صدر ڈک چینی نے بتایا کہ امیر کویت سے بات کر لی ہے اور وہ جنگی اڈے دینے پر مکمل رضامند ہیں۔ سابق وزیر دفاع رمز فیلڈ نے صدر بش کو خبر دی کہ پاکستان نے نہ صرف ہمیں اڈے دیئے ہیں بلکہ تمام سہولتیں بھی فراہم کی ہیں۔ عمان نے بھی اپنے اڈے دینے پر آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ ہم جلد ہی افغانستان میں ہوائی جہازوں کے ذریعے دستی اشتہار گرا کر افغانوں کو مطلع کریں گے کہ یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ امریکا انہیں اسامہ اور ملا عمر سے نجات دلانے کیلئے آرہا ہے۔ امریکی صدر نے افغانستان میں حملے کی تیاریوں کا جائزہ لینے والے اجلاس کو بتایا کہ پاکستانی حکومت آئی ایس آئی سے طالبان حامی افسران کو فوری نکالنے کی مہم شروع کر رہی ہے، یہ وہی وقت تھا جب پاکستان میں جنرل مشرف نے جنرل محمود اور کئی دیگر افسران کو برطرف کر دیا تھا"۔ چند دن پہلے پاکستانی وزیر خارجہ حنا ربانی کھر نے پارلیمنٹ نے یہ بیان دیا کہ سابق ڈکٹیٹر مشرف نے امریکیوں کو اپنے دورِ حکومت میں دو لاکھ سے زائد (۲۰۸۱۶۱) ویزے جاری کئے تھے۔ یہ لوگ پاکستان میں کیا کرنے آئے تھے اور اب تک کیا کر رہے ہیں اور اتنی زیادہ تعداد میں پاکستان کیوں آئے؟؟ پاکستانی عوام جاننا چاہتے ہیں کہ ابھی تک اور کتنے ریمنڈ ڈیوس جیسے جاسوسی مشن پر پاکستان میں موجود ہیں؟

پاکستانی اخبارات میں خبر شائع ہوئی تھی کہ اب ڈرون حملوں کے اہداف کی نشان دہی سی آئی اے کیا کرے گی۔ قوم کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ سی آئی اے تو امریکا کی خفیہ ایجنسی ہے، وہ ہمارے ملک میں کیا کر رہی ہے اور کس معاہدے کے تحت انہیں کس نے اہداف کی نشان دہی کا حق دیا ہے؟ کیا پاکستان کے ادارے امریکا میں ایسی کاروائیوں کا حق رکھتے ہیں؟ کیا یہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق ہے؟ پوری قوم مطالبہ کر رہی ہے کہ امریکا کی پاکستان میں دخل اندازی کو ختم کیا جائے، ملک کی پارلیمنٹ نے قرارداد پاس کی اور اسی قرارداد کی تمام سیاسی جماعتوں نے اپنے مشترکہ اجلاس میں توثیق بھی کی۔ دفاع پاکستان کونسل نے سارے ملک میں ریلیوں کے ذریعے کراچی بولٹن مارکیٹ سے کیماڑی تک، لاہور سے اسلام آباد، کوئٹہ سے چمن اور باب خیبر سے جمرود تک پیدل مارچ کر کے ساری قوم کا واضح پیغام دنیا تک پہنچایا۔ نواز شریف، مولانا فضل الرحمان اور عمران خان نے بھی امریکی اتحاد، نیٹو سپلائی، ڈرون حملوں کی مذمت اور بھرپور مخالفت کی ہے لیکن کسی بھی حکومتی اتحادی جماعت کو ایسی توفیق نصیب نہیں

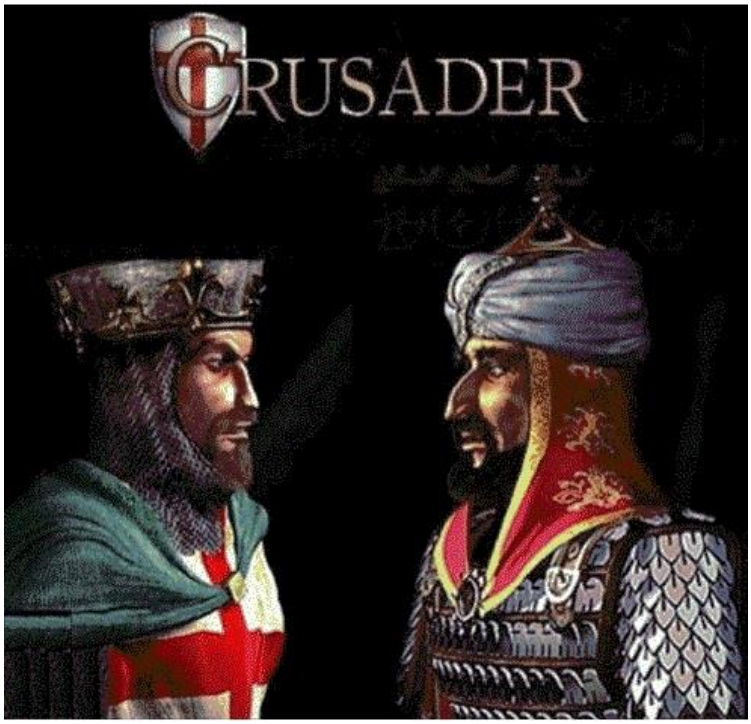

ہوئی۔اب ساری قوم احتجاج کر رہی ہے تو بجائے اس کے حکومت اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں یا عالمی انصاف عدالت میں لے جاتی وہ اس کے برعکس خود اپنے لوگوں کو مارنے کا میکنزم امریکا سے بند کمرے میں طے کر رہی ہے۔کیا ہم مکمل طور پر امریکا کے غلام بنا دیئے گئے ہیں؟

ڈرون حملے نہ صرف ہمارے ملک میں بیرونی مداخلت کے مترادف ہے بلکہ ملکی خود مختاری اور بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ان حملوں کے نتیجے میں ملک میں خودکش حملہ آوروں کی کھیپ تیار ہو رہی ہے جس نے ملک کے بے شمار بے گناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اور کئی حساس تنصیبات کو بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔وزارتِ خارجہ کی ایک پریس بریفنگ میں اسے عالمی عدالت میں لیجانے کا جب سوال پوچھا گیا تو وزارتِ خارجہ نے اسے باہمی صلاح و مشورے سے طے کرنے کی نوید سناتے ہوئے اپنی بزدلی کا اظہار کر دیا۔

رائے عامہ کے مطابق مغربی ممالک میں ایک خصوصی مہم کے تحت مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کے بارے میں خوفناک عناد، تعصب، منفی طرزِ فکر اور شکوک و شبہات پھیلائے جا رہے ہیں اور یہ اسی امریکی ایجنڈے کا حصہ ہے جو امریکا اپنے فوجیوں کو خصوصی نصاب کے ذریعے پڑھا رہا ہے۔بلاشبہ اس وقت پوری دنیا میں عمومی طور پر، مغربی ملکوں اور امریکا میں خصوصی طور پر اسلام سے عناد کی لہر شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی ہے صلیبی جنگ تو اول روز سے صلیبیوں نے ختم ہی نہیں کی۔ان کو موقع ملتا ہے وہ اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔ڈونلڈ رمز فیلڈ سابق امریکی سیکرٹری آف ڈیفنس نے اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں کو کسی بھی صورت میں خلافت کا نظام قائم کرنے نہیں دیں گے۔اسی طرح نائن الیون کے موقع پر جارج بش نے کہا تھا کہ ہم نے صلیبی جنگ چھیڑ دی ہے۔ان کی شیطانی چالوں کا اس بات سے اندازہ کیجئے کہ معروف عرب چینل الجزیرہ کی تحقیق کے مطابق امریکا میں ایف بی آئی کے افراد منافق بن کر اسلام قبول کرتے ہیں۔ایجنٹ بن کر مساجد میں آتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان نوجوانوں کو مساجد میں جہاد پر اکساتے ہیں،ان کے اذہان میں چھپے جہادی خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور دھوکہ دیکر بدلہ لینے اور تخریبی کاروائیوں میں ملوث کرتے ہیں۔اس قسم کی ایک مثال کریگ مونٹیل کی ہے جس کو ایف بی آئی نے پونے دو لاکھ ڈالر دیکر اس بات پر تیار کیا۔اس نے اپنا فرضی نام فرخ عزیز ظاہر کر کے ایک صومالی نوجوان محمد عثمان کو کرسمس پر دھماکہ کرنے پر تیار کیا۔

اسے کرسمس ٹری بم سازش کیس تخریب کاری پر اکسایا، بم میں مصنوعی دھماکہ خیز مواد رکھا اور اس کے بعد عین موقع پر بم بلاسٹ کرتے ہوئے ایف بی آئی نے اس مسلمان صومالی نوجوان کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس کی خوب تشہیر کی۔ساری دنیا میں اس کرسمس ٹری بم سازش کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور مسلمانوں کے دنیا بھر میں دہشتگرد ہونے کا واویلا مچایا گیا مگر مکر و مکر اللہ کے مصداق صلیبی مکر کرنے والوں سے اللہ کی تدبیر جیت گئی اور گریگ مونٹیل کے اندر کا انسان جاگ اٹھا اور اس نے اس بات کا اعتراف کیا اور پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے سامنے ساری سازش کو بے نقاب کر دیا۔پہلے تو ایف بی آئی کے اعلیٰ افسران نے اس واقعے سے انکار کیا لیکن جب گریگ مونٹیل نے ایف بی آئی کا نشان پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے سامنے پیش کیا تو ایف بی آئی نے کہا کہ مجرموں کی تلاش میں ایسے کام کرنے پڑتے ہیں۔مونٹیل نے ایف بی آئی پر

مقدمے کا اعلان کر دیا تھا۔ ایف بی آئی کی مزید سازشوں کا شکار نوجوان نجیب اللہ زازی افغانستان، احمد اللہ سعید، عاص سمیر لبنان، فیصل شہزاد پاکستان اور حسین رمادی اردن کا باشندے بھی بنے ہیں۔ امریکی مسلمانوں نے بجا طور پر کہا "اس سے گمان ہوتا ہے کہ اسی طرح عرب نوجوانوں کو اکسا کر نائن الیون کا واقعہ کروایا ہوگا اور امت مسلمہ کے خلاف نام نہاد دہشتگردی کا الزام لگا کر صلیبی جنگ چھیڑ دی گئی"۔

مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور ان کی مقدس شخصیات کی توہین کرنے کے واقعات معمول کا حصہ بن گئے ہیں۔ بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی حالیہ شائع شدہ رپورٹ میں بھانڈہ پھوڑ دیا ہے۔ اس رپورٹ میں دنیا میں اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈے اور مسلمانوں کے خلاف امتیازات اور تعصبات کا جائزہ لیا گیا ہے اور یورپی حکومتوں پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈے کے خاتمے کیلئے فوری اقدامات کریں۔ مسلمانوں کی تہذیبی علامات نماز اور نقاب پر پابندی سے عزت نفس متاثر ہوتی ہے، مسلم خواتین روزگار کے مواقع سے محروم ہو رہی ہیں، مسلم خواتین کو ملازمتیں نہیں مل رہیں، مسلم لڑکیوں کو سکارف اوڑھنے کی وجہ سے کلاس میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنے عیسائی مذہب کی عورتوں کو تو سفید سکارف اور لباس میں نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ ان کا از حد احترام کرتے ہیں لیکن ان مسلمان عورتوں کا سکارف پہننا دہشتگردی لگتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق مذہبی و تہذیبی علامتوں اور پیراہن کا استعمال، مذہب اور عقیدے کی آزادی ہر شہری کا آئینی و قانونی حق کا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یورپ میں دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں سیاسی مقاصد کیلئے مسلمانوں کی مخالفت کرتیں ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کی ایک سوئس پیپلز پارٹی مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہم چلانے میں پیش پیش ہے اور ان کے مطابق "مسلمان ان کے ملک میں ۴ لاکھ ہیں، اپنے خاندان کو پھیلانے ،اونچی شرح پیدائش اور جبری شادیوں کی وجہ سے ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صرف کچھ مسلمان ریڈیکل نظریات کے حامی ہیں باقی ایسے حلقوں سے سوئٹزرلینڈ میں آرہے ہیں جہاں جمہوریت نہیں ہے۔ وہ ایسے نظریات اپنے ساتھ لاتے ہیں جو ہمارے نظام عدل سے مطابقت نہیں رکھتے"۔ اسی طرح فرانس میں نیشنل فرنٹ کے لیڈر یورپین لوگوں کو یہ کہہ کر ڈرا رہے ہیں کہ "یورپ کچھ عرصے کے بعد یورپ نہیں رہے گا بلکہ اسلامی جمہوریہ میں تبدیل ہو جائے گا۔ ہم ایک تاریخی موڑ پر آکھڑے ہیں اور اگر ہم نے اس موقع پر اپنی تہذیب کی حفاظت نہ کی تو یہ منصہ شہود سے غائب ہو جائے گی"۔ یہ نفرت انگیز تقاریر فرانس میں مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہیں۔

ہالینڈ کے لیڈر گیرت وائلڈرس کا کہنا ہے کہ "اسلام سب سے بڑا خطرہ ہے جو ہمارے ملک اور پوری آزاد مغربی دنیا کیلئے خطرہ بنا ہوا ہے، مسلم ملکوں سے بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہو رہی ہے اور ہمارے ہاں بڑی تعداد میں نفرت کے محل (مساجد) کھڑے ہو رہے ہیں۔ جرائم میں تارکین وطن کی بڑی تعداد ملوث ہے، اب بہت ہو چکا"۔ اسپین کی ایک سیاسی پارٹی کے پروگرام میں کہا گیا ہے (جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال سے زائد حکومت کی ہے) کٹولونیہ (اسپین کا ایک صوبہ) میں مسلم تارکین وطن کی آمد سے ہمارے یورپی شناخت کے ورثہ کیلئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے یعنی انفرادی و اجتماعی آزادی، جمہوریت، گریکو ولاطینی کلچر، عیسائیت اور ہماری زبانیں یا معروف رسوم و روایات کے رواج کیلئے اسلام ایک بہت بڑا خطرہ ہے"۔ اٹلی کی پیپلز آف فریڈم پارٹی کے رہنما موزیو کا کہنا ہے کہ "میوان اور کلوزیم کے سامنے نقلی عبادت (نماز) کا کچھ لینا دینا نہیں، یہ اٹلی کے لوگوں کو ڈرانے اور دھمکانے کا عمل ہے۔ جو لوگ اس عبادت (نماز) میں شرکت کرتے ہیں پولیس کو چاہئے کہ ان کی شناخت کرے اور ممکن ہو تو انہی ملک بدر کر دے۔ لوگوں (مسلمانوں) کو عبادت کے بطور سیاسی ہتھیار استعمال نہیں کرنا چاہئے" جبکہ مذہبی آزادی کی دنیا اجازت دیتی ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گزشتہ ایک دہائی سے متعدد ملکوں بشمول اسپین، فرانس، بلجیم، ہالینڈ اور سوئٹزرلینڈ میں مسلم طالبات کو مذہبی لباس پہن کر اسکول آنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ کئی یورپ ممالک میں نئی مساجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے جبکہ کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کا احترام اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں ۲۰۱۰ء سے مسلمانوں کو ان کی عبادت گاہوں کے حوالے سے نشانہ بنایا جارہا ہے، وہ مساجد کا مینار نہیں بنا سکتے۔ اسپین کے صوبے کٹولینہ میں مسجد کی جگہ کم ہونے کی وجہ سے مسلمان باہر سڑک پر نماز ادا کرتے ہیں کیونکہ وہاں مسجد کی توسیع کی اجازت نہیں ہے۔ یورپ کے متعدد ملکوں میں یہ رائے تیزی سے بن رہی ہے کہ "مسلمان اپنی شناخت کو نمایاں کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو انہیں اسلام سے کوئی مسئلہ نہیں"۔ عجیب مطالبہ ہے یعنی مسلمان اپنا مذہب، اپنی عبادت (نماز) اور اسلامی شعائر چھوڑ دیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ یورپ کے پچاس ممالک کی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی کا حصہ ۵ فیصد اور دنیا کی آبادی کا ۲ فیصد ہے۔ اس تناسب پر مسلمان عیسائی ممالک میں ان کے خلاف کون سا انقلاب برپا کر سکیں گے بلکہ ان کے اپنے غلط نظام کی وجہ سے لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں جو ان کی اصلی پریشانی کا سبب ہے۔

اسی طرح مسلمان بلجیم میں ۶ فیصد، فرانس میں ۵.۷ فیصد، ہالینڈ میں ۵.۵ فیصد، سوئٹزرلینڈ میں ۵.۷ فیصد، اسپین میں ۳.۷ فیصد، جرمنی میں ۵ فیصد اور برطانیہ میں ۶.۴ فیصد ہیں لیکن ابھی تک تمام مسلمانوں کو شہریت نہیں مل پائی ہے۔ دشمنی کی انتہا کرتے ہوئے برطانیہ کے ایک ادارے نے ۱۹۹۷ء میں "اسلام سب کیلئے چیلنج" کے عنوان سے اعلان جاری کیا تھا، بعد میں ۲۰۰۴ء میں ایک فالواپ رپورٹ بعنوان "اسلموفوبیا، ایشو، چیلنجز اور ایکشن" شائع کی تھی جس میں آٹھ نکات ہیں۔ (۱) اسلام کو وہ ایک موحد، جامد اور تبدیلی مخالف مذہب تصور کرتے ہیں (۲) اسلام کو ایک علیحدہ اور منفرد مذہب سمجھتے ہیں جس میں مشترک تہذیبی قدریں نہیں پائی جاتیں۔ جس میں دوسروں کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے (۳) اسلام کو مغرب کے مقابلے میں کم تصور کرتے ہیں، اسے غیر عقلی، جاہلانہ اور شہوت زدہ گردانتے ہیں (۴) اسلام تہذیبوں کے تصادم کے نظریہ پر عمل ہے جو تشدد، جارحیت اور دہشتگردی کو شہ دیتا ہے (۵) اسلام کو ایک ایسا سیاسی نظریہ تصور کرتے ہیں جو سیاسی یا فوجی فائدے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے (۶) اسلام پر مغرب کی تنقید کو بغیر کسی حجت کے مسترد کر دیا جاتا ہے (۷) اسلام کے خلاف معاندانہ رویہ کو مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور انہیں معاشرے سے الگ تھلگ رکھنے کیلئے بطور جواز استعمال کیا جاتا ہے (۸) مسلمانوں کے خلاف مخاصمت کو قدرتی یا معمول کا ردعمل قرار دیا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں مزید مشورے بھی درج ہیں کہ مسلمان ہر اس قدم کی مذمت کرے جس سے مشرقِ وسطیٰ میں یہودیوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں جبکہ اس ٹرسٹ نے ۱۹۹۳ء میں اسی طرح کی ایک رپورٹ یہودیوں کے بارے میں بھی مرتب کی تھی لیکن اس رپورٹ میں یہودیوں کو کوئی مشورہ نہیں دیا گیا، مثلاً یہودی فلسطین پر اپنے ناجائز قبضے سے دستبردار ہو جائیں، یہودی فلسطین کے مسلمانوں کو ان کے آبائی گھروں سے بیدخل کر کے ان پر قبضہ کر لیں، نہتے فلسطینی مسلمانوں پر ٹینک، جنگی جیٹ طیاروں، میزائلوں کی بارش برسا کر ان کو سرعام قتل کریں، وہ سب جائز، لیکن ان کیلئے کوئی مشورہ اس رپورٹ میں موجود نہیں۔

صلیبیوں نے پہلے مرحلے میں اظہار خیال کی آزادی کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کی سب سے محبوب ہستی حضرت محمد ﷺ کے تضحیک آمیز خاکے شائع کر کے اسلام اور مسلمانوں پر حملوں کا آغاز کیا۔ اسلام پر رکیک حملے کرنے والے نام نہاد ادیبوں کی پذیرائی اور انہیں بھاری انعامات و کرامات سے سرفراز کرنا مغربی ملکوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں سلمان رشدی سے لیکر تسلیمہ نسرین تک کتنے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ اس کے

بر خلاف حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کرنا یورپ میں قانوناً جرم ہے لیکن تمام انبیاء و پیغمبروں پر ایمان اور ان کا از حد احترام تو مسلمانوں کے ایمان کا کامل جزو ہے جبکہ یہودیوں کی ہولوکاسٹ پر سوال کرنا بھی ایک جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ جرمنی میں ایک شاعر کو اپنی ایک نظم میں اسرائیل پر نکتہ چینی کا خوب خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ برطانیہ آزادیٔ رائے کے اظہار کے چیمپئن ملک میں بھی مسلمانوں کے ایک مبلغ ذاکر نائیک کو یہ کہہ کر ویزہ دینے سے انکار کر دیا گیا کہ یہ اسامہ بن لادن کا حامی ہے۔

اسلام دشمن فرانس کے صدر نکولس سرکوزی کی شکست پر فرانسیسی مسلمانوں نے یک گونہ راحت ضرور محسوس کی ہو گی جن کے دورِ صدارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی مضحکہ خیز کوششیں کی گئیں، بالخصوص حجاب کے معاملے کو قانونی قرار دے دیا گیا۔ امریکا میں مسلمانوں کے خلاف عناد و نفرت کو ادارہ جاتی شکل دینے کی کوششیں کی گئیں۔ سوئٹزرلینڈ میں مساجد کے میناروں کی تعمیر پر کلی پابندی لگا دی گئی۔ امریکا میں اعلیٰ فوجی نصاب میں اسلام مخالف مواد کو شامل کرنا یہاں تک کہ مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) کو نشانہ بنانے کا درس دینا وغیرہ۔ اسی طرح مغربی میڈیا بھی مسلم دشمنی میں پیش پیش ہے، نائن الیون کے بعد تو اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ یہ مسلمانوں کو بنیاد پرست، جنونی انتہا پسند، دہشت گرد اور وحشی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک مغرب کا باشندہ ناروے کا جنونی شہری آندرے بریک جب بم دھماکے اور فائرنگ کے ذریعے لوگوں کو ہلاک کر رہا تھا، اس وقت بی بی سی اور دیگر مغربی چینل بغیر تحقیق کے اسے القاعدہ کا حملہ آور قرار دے رہے تھے۔ اسی طرح پاکستان کا مغرب زدہ الیکٹرانک میڈیا سوات کے اندر ایک خاتون کے کوڑوں کا منظر بغیر تحقیق کے مختلف زاویوں سے بڑھا چڑھا کر دکھا رہا تھا تاکہ اسلام بدنام ہو لیکن اللہ کا کرنا کہ اسلام آباد میں گرفتار شخص نے اعتراف کیا کہ اس نے ایک بیرونی این جی او سے پانچ لاکھ لیکر یہ جھوٹ گھڑا تھا۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے مغرب کی دورخی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مغرب کب اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، اس رپورٹ کے مطابق دونوں کے حصول کیلئے سیاسی جماعتوں کے سیاسی ایجنڈے اور میڈیا بھی مسلمانوں کی غلط تصویر کشی بے بنیاد باتوں کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ نائن الیون کو ٹوئن ٹاورز پر حملے کے واقعے سے مسلمانوں کے خلاف تعصب میں جارحانہ حد تک اضافہ ہوا تھا مگر اس سے بہت پہلے سے تعصب موجود تھا۔ یورپی باشندے مسلمان خاندان کو اپنا ہمسایہ بنانا پسند نہیں کرتے۔ ایسی سنگین صورت کی مثالیں بلجیم، بلغاریہ، استونیا، لتھوانیا، یونان، مالٹا، رومانیہ اور فن لینڈ میں ملتی ہیں۔ فرانس اور جرمنی کے باشندوں کے مطابق مسلمان ان کے معاشرے میں ضم نہیں ہو سکتے یعنی مسلمان اپنی انفرادیت ختم کیوں نہیں کرتے؟

مسلم دنیا امریکی فوجیوں کی شیطانی ٹریننگ، برما کے مسلمانوں کی نسل کشی افغان جنگ سے پہلے صلیبیوں کی تیاری اور دنیا میں مسلمانوں کے خلاف صف بندی جو ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی اپنی رپورٹ میں ظاہر کی ہیں کو معمول کی باتیں نہ سمجھیں۔ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچنے کیلئے منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے ورنہ ہماری بربادی کے سامان تو تیار ہو ہی رہے ہیں!

بروز اتوار ۲۹ شوال ۱۴۳۳ھ ۱۶ ستمبر ۲۰۱۲ء

نسبت کا تقاضہ

تجربہ شاہد ہے کہ نسبت باعث عظمت، باعث نجات ہے، باعث جنت ہے، نسبت خود سپردگی کا دوسرا نام ہے، نسبت جذبات کا تلاطم ہے، نسبت سر اونچا کرتی ہے، نسبت بے بسی و بے کسی کے کارن قعر مذلت سے نکالتی ہے اور بے چارگی کو ختم کرتی ہے۔ نسبت تنہا نہیں رہنے دیتی، خلوتوں میں بھی ہم جلیس ہوتی ہے، مجالس میں بھی ہمسفر ہوتی ہے اور حضر میں بھی ہم نوا ہوتی ہے۔ نسبت لطف دیتی ہے۔ نسبت بے چین بھی رکھتی ہے اور بے قرار بھی، نسبت رلاتی بھی ہے اور تڑپاتی بھی ہے۔ نسبت اس وقت بھی ساتھ ہوتی ہے جب کوئی دوسرا ساتھ نہیں ہوتا بلکہ منسوب خود ایسا وقت تلاش کرتا ہے جب وہ ہو اور اس کا منسوب الیہ، وہ نہ ہو تو اس کی یاد سے دل ہر وقت معمور رہے۔ وہ خود سپردگی میں پہروں اس سے باتیں کرتا رہتا ہے، اس سے ہم کلام رہتا ہے۔ اس کی سنتا ہے اور اپنی سناتا ہے۔ نسبت اس کی حفاظت کرتی ہے، نسبت محفوظ رکھتی ہے۔ منسوب الیہ کی نسبت سے اس کا درجہ گھٹتا اور بڑھتا ہے، لوگوں کا قرب اور دوریاں اسی نسبت سے عبارت ہیں۔ نفرتیں اور محبتیں اسی سے جنم لیتی ہیں، وقار اور ذلتیں اسی سے آگے بڑھتی ہیں۔

اگر نسبت اس سے ہو جس کی اس جہاں میں نہ مثال ہو اور نہ نظیر، صرف ماضی میں نہیں بلکہ حال اور مستقبل میں بھی اس کی نظیر ملنا ناممکن ہو۔ جس نے وحشیوں کو نہ صرف جینا سکھایا بلکہ غلاموں کو زمانے کا آقا بنا دیا۔ جس نے خود کچھ نہ رکھا، سب کچھ لٹا دیا۔ جس نے ہماری آسائش کی خاطر اپنا آرام ٹھکرا دیا۔ جب زمانے والے اسے ٹھکرا رہے تھے تو اس کا مولا اسے سارے جہانوں کا ماہتاب و آفتاب بنا رہا تھا۔ جو افق عالم سے اس گرتی ہوئی مخلوق کو آن ہی آن میں اس بلندی پر لے گیا کہ سارے عالم نے اس کو چڑھتے ہوئے دیکھا۔ سرفراز ہوتے ہوئے دیکھا، ابھرتے ہوئے دیکھا۔ وہی آفتاب عالم پر ہدائت بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھا گیا۔ جس کی بتائی ہوئی راہِ ہدائت کی روشنی نے تاریکی کا بستر گول کر دیا اور جس کے کردار نے ہر کسی کے قلب و نظر کو خیرہ کر کے رکھ دیا اور آج تک تاریخ اس کی کوئی اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ تا قیامت ایسی مثال ملنا ناممکن ہے بلکہ اب ایسا محبوب تو دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔

مجازی عاشقوں کا حال بھی ہم نے دیکھا ہے۔ محبوبوں، معشوقوں، مطلوبوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ جو کہتے ہیں اس پر بلا سوچے سمجھے عمل کرتے ہیں۔ ان کا رنگ، ڈھنگ، ان جیسی چال، ان جیسی شکل و ان جیسا لباس اپنانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ایسے محبوب ظالم اور بے وفا ہوتے ہیں، موقع شناس ہوتے ہیں، آنکھیں پھیر لینے والے، قدر نہ کرنے والے، وفاؤں کو نظر انداز کرنے والے، منہ موڑ لینے والے، طالب کی بے بسی کی تضحیک کرنے والے، مذاق اڑانے والے بلکہ اکثر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ٹھکرا کے چلے جانے والے ہوتے ہیں لیکن اگر ہم اپنی نسبت، محبت کا مرکز، اپنے طلب کی انتہاء، اپنی چاہتوں کا محور اس محبوب کو بنالیں جس کو محبوبیت زیب دیتی ہے، جو دنیا میں چاہنے والوں میں سب سے زیادہ چاہا جانے والا ہو، جسے انسان چاہیں، حیوان قدموں پر نچھاور ہوں، چرند پرند سلامی کو آئیں، جن و انس غلامی کو باعث افتخار سمجھیں، ملائکہ ہم کلام ہوں، خود اس کا خالق اس کو چاہے، اس کے راستے کے تقدس کی قسمیں کھائے، مولا اس کے حسن کی داد دے، اس کی اداؤں کو تلاوت کا حصہ بنا دے، اس کی نسبت یقیناً ہمارے لئے باعث عظمت بھی ہو گی، باعث تکریم بھی اور باعث نجات بھی۔ جس کی نسبت حضر میں ہم جلیس ہو، سفر میں ہماری رفیق ہو بلکہ جس سے نہ صرف ہماری دنیا بلکہ آخرت بھی سنور جائے۔ یقیناً ہم سب کی یہ دلی تمنا ہے کہ ایسی نسبت کو دل و جاں کا محور بنالیں تو آیئے پھر صرف اس ہستی سے اپنی نسبت کا رشتہ جوڑ لیں جس کیلئے خود رب العزت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: بیشک میں اور میرے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر

درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی نبی اکرم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجو۔

یاد رکھئے! ایک وقت آنا ہے اور ضرور آنا ہے، قبر میں، اندھے غار میں جہاں ہمارے اعمال کی کتاب کا پہلا ورق اپنے رب اور اپنے ہادی ﷺ اکرم ﷺ کی پہچان سے شروع ہوگا۔ وہ ﷺ دیکھیں اور پہچان لیں کہ یہ تو میرا ہے، مجھ سے محبت کرنے والا ہے، میں جو اپنے رب کا پیغام چھوڑ کر آیا تھا اس پر اس نے من و عن عمل کیا ہے۔ اس کا چہرہ، دل، پیشانی، خیال، دماغ میری یادوں اور میری تعلیمات سے بسا ہوا ہے۔ میری اداؤں سے سجا ہوا ہے۔ آپ کی یہ پہچان، یہی اپنائیت ابدالآباد کی رہبر ہوگی اور اگر انہوں نے دیکھ کر یہ پوچھا کہ بھئی کون ہو اور کیا نام ہے تمہارا؟ میں کہوں سرکار ﷺ مجھے غلام محمد کہتے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فرمادیں کہ میں نے کیا کہا تھا اور تم کیا بن کر آگئے ہو، ایسے ہوتے ہیں محمد ﷺ کے غلام؟ مجھ سے محبت کا دم بھرنے کی واضح نشانی تو وہ قرآنی تعلیمات ہیں جن کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کر کے آیا تھا لیکن ان تعلیمات کو تھامنا تو درکنار تم تو ایسی فروعی بحث مباحثے میں الجھ گئے جس نے تم میں ایسی تفریق پیدا کر دی اور انہی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے دشمنوں نے آزادیٔ رائے کے نام پر کبھی میرے خاکے اور کارٹون شائع کر کے اور کبھی ایسی فلمیں بنا کر بیہودگی کا اظہار کرتے ہوئے تمہاری غیرت کا للکارہ لیکن تم نے پھر بھی اپنی روش نہ بدلی۔

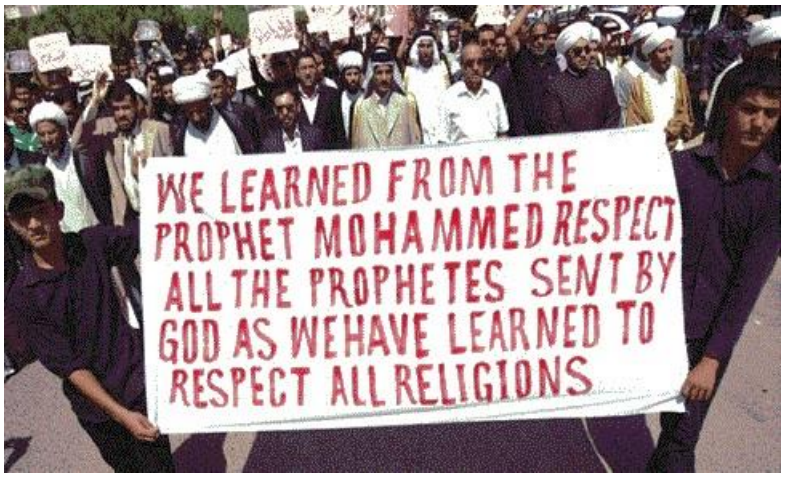

صحابیِ رسول حضرت عبید شہر مدینہ میں کسی کام کے سلسلے میں جا رہے تھے، ان کا تہمند ٹخنوں سے نیچا لٹکا ہوا تھا اور اس دور جہالت میں ایسا لباس استعمال ہوتا تھا بلکہ یہ حرکت کچھ بڑائی کا احساس بھی دلاتی تھی ۔ ہمارے ہاں تو اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ اچانک پیچھے سے آواز آئی:

"عبید! اپنا تہمند ٹخنوں سے اونچا کرو کہ یہ پرہیزگاری کی علامت بھی اور خدا کے احکام کی تعمیل بھی! اس سوال میں حکم بھی تھا، درس بھی، حکمتوں کا سبق بھی۔ حضرت عبید نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حسن و جمال کی ایک زندہ تصویر، خلق و محبت کا ایک اعلیٰ نمونہ، فخر انسانیت جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ وصفات اور رب کے احکام کی مکمل تعمیل کرنے والی تبسم کناں ہستی سے ملاقات ہوگئی۔ غلام نے عرض کیا، میرے آقا، بندہ پرور، یہ ایک کالی دھاری والی سفید چادر ہی تو ہے؟ آپ ﷺ کا تبسم کناں چہرہ مبارک فوراً جلال رسالت میں بدل گیا اور پرجوش لہجے میں ارشاد فرمایا "کیا تمہارے لئے میری ذات ایک مکمل نمونہ نہیں؟" فضا میں ایک لرزش پیدا ہوئی اور یہ الفاظ بجلی کی ایک کوند بن کر دنیا کی فضاؤں میں بکھر گئے اور دنیا بھر میں غلامی کا دم بھرنے والوں کو ایک پیاری اور البیلی راہ دکھلا گئے۔ نسبت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ منسوب الیہ کو یہ کہنا ہی نہ پڑے کہ "کیا میری ذات تمہارے لئے ایک نمونہ نہیں"۔ بابا اقبال نے کیا خوب بات کہی "چوں می گویم مسلمانم بر لزم کہ دانم مشکلات لاالہ"۔ رب کریم نے تو قرآن کریم میں واضح ارشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ مجادلہ ۲۲)

جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے

خوش۔یہی گروہ خدا کا لشکر ہے۔(اور) سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

اگر ہم اپنی نسبت ہیں سچے اور مخلص ہیں تو ہمیں آج ہی اپنے محبوب رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث پر غور کرنا ہوگا "قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے ہونگے جن کے مقام پر انبیاء اور شہدا بھی رشک کریں گے، یہ نور کے منبروں پر سوار ہونگے۔انبیاء اور شہداء سوال کریں گے کہ یہ لوگ کون ہیں کہ جن کے درجات ہم سے بھی بلند ہیں؟ انہیں جواب ملے گا یہ وہ لوگ تھے جو اللہ کیلئے دوستی کرتے تھے اور اللہ کیلئے دشمنی کرتے تھے۔حضرت مالک کا قول بھی پڑھ لیں جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے حرمت رسول ﷺ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: اس امت کے باقی رہنے کا کیا جواز ہے جس کے نبی کی توہین کر دی جائے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

دنیا میں یہودی اقلیت ہونے کے باوجود "ہولوکاسٹ" جیسا قانون لا سکتی ہے تو دنیا میں ڈیڑھ ارب سے زائد بسنے والے مسلمان ایسا قانون متعارف کروانے میں آخر اتنے بے بس کیوں ہیں جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسالت مآب ﷺ کی شان میں کسی کو گستاخی کرنے کی بالکل کوئی اجازت نہ ہو۔کیا اس قانون میں رکاوٹ ڈالنے والے مسلمان ممالک میں صاحب اقتدار امریکی کمیوں کو رخصت کرنے کا وقت نہیں آگیا جنہوں نے اپنے آقاؤں کو خوش رکھنے کیلئے ابھی تک ایسا قانون بنانے میں کبھی بھی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا؟

بروز جمعۃ المبارک ۲۹ شوال ۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۲ء

مغرب کی غلامی سے نجات کیسے؟

صحابہ کرام ہی ایسے عاشقان رسول تھے جو فنافی الرسول ہو گئے تھے لیکن یہ کیسے عاشقان رسول تھے جنہوں نے اپنے ہی ہم وطنوں اور ہم نفسوں کی جانوں اور ان کی ملکیتوں کو ہی عشق رسول ﷺ کے نام پر فنا کر ڈالا۔ حکومت وقت نے بہت سوچ بچار اور عالمی منظر نامہ کو دیکھتے ہوئے خود ۲۱ ستمبر بروز جمعہ احتجاج میں حصہ ڈالنے کا عندیہ تو دے دیا لیکن جس انداز سے رحمت العالمین کے بارے میں امریکہ میں بنائی گئی توہین آمیز فلم کے خلاف عوام نے پاکستان کے مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہروں میں اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے احتجاج ریکارڈ کروایا، ان پر تشدد واقعات میں ایک پولیس اہلکار سمیت کم از کم انیس افراد ہلاک اور متعدد پولیس اہلکاروں سمیت سو سے زائد افراد زخمی ہو گئے ہیں۔ اس سے فلم بنانے والے گروہ کا تو کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی ہلاکت اور ملک کی کروڑوں روپے کی املاک کو جہاں نذر آتش کر دیا گیا وہاں اب سینکڑوں افراد سنگین مقدمات کے سلسلے میں عدالتی کاروائی کے بعد جیل بھی جا سکتے ہیں۔ کیا ہم نے یہ سوچا کہ عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کا یہ طریقہ ہمارے آقا ﷺ کتنا ناگوار گزرا ہو گا کہ مسلمان کے ہاتھوں بے گناہ مسلمانوں کی جان ومال کو اس قدر بیدردی سے نقصان پہنچایا گیا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ اچھی خبر ہے کہ پورا عالم اسلام بیک زبان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور شمالی افریقہ سے لیکر افغانستان تک اور آسٹریلیا سے لیکر عرب دنیا تک ڈیڑھ ارب مسلمان امریکا کے خلاف انقلابی جذبے سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پے در پے امریکی بدمعاشی اور بار بار کی توہین رسالت نے ان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے اور دنیا بھر کے مسلمان ممالک کی حکومتوں کی کاسہ لیسی پر مبنی پالیسیوں کو انہوں نے یکسر مسترد کر دیا ہے اور تمام مسلمان ممالک میں امریکا کے خلاف نفرت کا بھرپور اظہار کیا جا رہا ہے۔ اپنی نفرت کے اظہار کیلئے ان کا ہدف اپنے اپنے ممالک میں امریکی اور دیگر یورپی ممالک کے سفارت خانے ہیں جو اپنے اپنے ملک میں غلامی کی علامت بن چکے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا اور بڑا مظاہرہ ۱۴ ستمبر کو لیبیا کے شہر بن غازی میں ہوا جہاں ہزاروں مظاہرین نے امریکی سفارت خانے پر نہ صرف حملہ کر دیا جس میں تین امریکی اہلکار بھی مارے گئے، مظاہرین نے امریکی سفیر کو سفارت خانے سے گھسیٹ کر نکالا اور اسی طرح مار مار کر ہلاک کر دیا جس طرح کرنل معمر قذافی کو ہلاک کیا گیا تھا اور دلچسپ امر یہ رہا کہ امریکی ٹی وی چینلز پر یہ مناظر دیکھ کر قذافی کی موت کو عوامی انتقام قرار دینے والی ہلیری حواس باختہ ہو گئیں اور ان کا ہذیان عالمی طور پر دیکھا گیا۔ اس نے یہ کہا "یہ احتجاج کا کوئی طریقہ نہیں بلکہ پاگل پن ہے"۔ مگر اس سے کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا قذافی کا قتل پاگل پن نہیں تھا؟ اس پر القاعدہ، انصار شریعہ اور دیگر اسلامی مزاحمتی گروپوں نے قرار دیا کہ کہ ہلیری نے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو پاگل قرار دیا ہے۔

لیبیا میں ابھی حالات ٹھنڈے نہیں ہوئے تھے کہ ایسی ہی خبریں یمن سے بھی آنا شروع ہو گئیں جہاں ہزاروں مظاہرین نے صنعا میں امریکی سفارت خانے پر ہلہ بول دیا اور سفارت خانے کے ایک حصے کو نذر آتش کر کے خاکستر کر دیا۔ اسی طرح سوڈان میں بھی امریکی چوہے دان میں پھنس کر رہ گئے کیونکہ جیسے ہی امریکی سفارت خانے پر حملہ ہوا تو امریکی بھاگ کر پڑوسی جرمن سفارتخانے میں جا گھسے۔ مظاہرین نے جرمن سفارتخانے کا گھیراؤ کیا اور اسے آگ لگانے کی کوشش کی تو امریکی اور جرمن سفارت کار دیوار پھلانگ کر برطانوی سفارت خانے میں جا گھسے۔ مظاہرین برطانوی سفارتخانے کے باہر جمع ہو رہے تھے کہ پولیس نے گولی چلا دی جس سے موقع پر ہی دو افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بزور

ریاستی طاقت کے مظاہرین کو منتشر کر دیا گیا۔

اگلے روز مزید ممالک میں یہ سلسلہ شروع ہو گیا جن میں تیونس، بھارت کا شہر چنائے، لبنان، افغانستان، انڈونیشیا، مصر، شام، بحرین اور دیگر ایشیائی ممالک بھی شریک ہو گئے۔ اس حوالے سے افغانستان میں سب سے سخت رد عمل سامنے آیا جہاں کابل میں مسلسل مظاہرے ہو رہے ہیں۔ طالبان نے افغانستان کی سب سے خطرناک ائیر بیس ہلمند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر منظم تھا کہ امریکی سنبھل نہ سکے اور طالبان نے کئی امریکیوں کو ہلاک کرنے کے بعد سولہ جدید طیارے بھی تباہ کر دیئے اور اس حملے کے دوران بیس پر موجود برطانوی شہزادہ ہیری فرار ہو کر مورچے میں جا چھپا جبکہ طالبان اس کے کمرے تک جا پہنچے۔ طالبان کا اس کاروائی میں کوئی نقصان نہیں ہوا اور امریکا نے اس نقصان کو جنگ عظیم کے بعد سب سے بڑا نقصان قرار دیا ہے۔

مصر میں حکمران جماعت "الاخوان المسلموں" نے بھی لانگ مارچ کی کال دے دی ہے مگر امریکی سفارتخانے پر وہاں بھی حملے جاری ہیں جبکہ مصری صدر مرسی نے اس بیہودہ فلم کی مذمت کرتے ہوئے اس کے ذمہ داران کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ غزہ میں مظاہرین نے تلواروں اور کلہاڑیوں کے ساتھ سیاہ پرچم اٹھا کر مظاہرہ کیا۔ لبنان میں حزب اللہ نے بھی امریکی سفارتخانے پر حملہ کیا بلکہ یمن میں امریکیوں کو مزید حملوں کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ان تمام احتجاجی مظاہروں کے بعد امریکی حکمرانوں نے لیبیا پر ڈرون حملوں اور ۱۷ ممالک میں مزید فورسز بھیجنے کا اعلان کر دیا جسے حیرت انگیز طور پر مشرقِ وسطیٰ کے ان ممالک نے بھی مسترد کر دیا جہاں کی قیادت سانس بھی امریکی مرضی کے خلاف نہیں لیتی۔ عالمی سیاست کے مبصرین اس وقت پیش گوئی کر رہے ہیں کہ اس احتجاج نے مسلم ممالک کے حکمرانوں کو اصل مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے کہ اگر وہ احتجاج کی حمائت کریں تو امریکا کی ناراضگی کا خطرہ ہے اور اگر مخالفت کریں تو ان کی حکومتیں

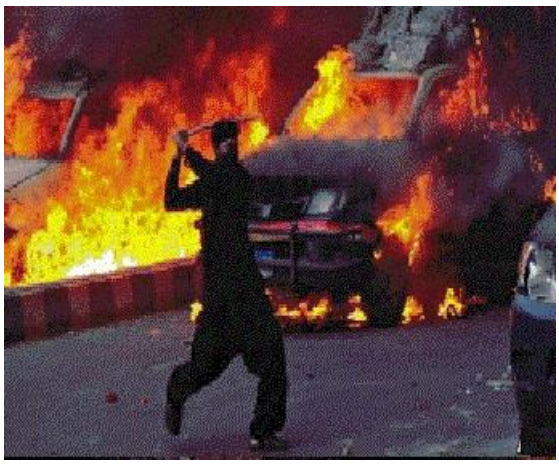

اس احتجاجی ریلے پر تنکوں کی طرح ڈولتی دکھائی دیتی ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں ایک مذہبی تنظیم الاانصار شریعہ کی یکساں بڑھتی ہوئی مقبولیت سے مغربی ممالک بھی خطرہ محسوس کر رہے ہیں کہ اس سے ایک عالمی خلافت کے قیام کی راہ ہموار ہو سکتی ہے مگر امریکی حکمران کوئی سبق سیکھنے کو تیار نہیں۔ ان کو اس بات کا قطعی احساس نہیں کہ وہ ایسی بیہودہ اخلاق باختہ فلم کو بنیادی حق اور احتجاج کو پاگل پن قرار دیکر خود کو فلم بنانے والوں کے ساتھ کھڑا کر چکے ہیں۔

پوری دنیا میں احتجاج شروع ہوتے ہی پاکستان میں سب سے پہلے دفاع پاکستان کونسل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں جنرل حمید گل، حافظ حسین احمد، لاہور میں حافظ سعید احمد اور کراچی میں جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن ایک خطیر تعداد کے ساتھ سڑکوں پر نکل آئے لیکن اس پر امن احتجاج کو میڈیا نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ احتجاج شروع ہونے پر پاکستانی حکمران کانپ رہے تھے کہ پاکستان میں احتجاج کو کیسے روکا جائے اور پھر انہوں نے الیکٹرانک میڈیا سے ساز باز کر کے معاملے کو دبانے کی حکمت عملی بھی اختیار کی مگر یہ پالیسی اس وقت ناکام ہو گئی جب کراچی میں پولیس کے وحشیانہ تشدد کے باوجود مظاہرین امریکی قونصلیٹ جا پہنچے اور اس سے اگلے روز یہی منظر لاہور میں دہرایا گیا مگر اس کے باوجود پاکستان میں وہ منظر نہ بن سکا جس کی ماضی میں مثالیں دی جاتی تھیں اور حیرت انگیز طور پر مذہبی جماعتیں تو پورے قد کے ساتھ احتجاج میں پیش پیش رہی لیکن سیاسی اشرافیہ خاموش رہی کیونکہ امریکا کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔ حکومتی رد عمل کا شرمناک پہلو یہ بھی تھا کہ اس کو ۱۷ ستمبر تک جرأت

نہیں ہوئی کہ وہ یوٹیوب پر پابندی لگا سکے تاوقتیکہ سپریم کورٹ کو اس معاملے میں مداخلت کرنا پڑی جس کے احکام پر حکومت کو ناگواری کے ساتھ عمل کرنا پڑا لیکن جب یہ لہر کسی بھی طریقے سے دبائی نہ جا سکی تو حکومت نے اس میں پہل کر کے جب اپنے سیاسی قدیں اضافہ کرنے کی کوشش یں جمعہ کے روز "عشق رسول" کے عنوان سے تعطیل کا اعلان کیا تو پھر دوسری جماعتوں کو بھی اس میں کودنا پڑا لیکن غلط حکمت عملی کی وجہ سے وہ مناظر دیکھنے کو ملے جس پر ہر کوئی افسردہ ہے۔ فلم کے خلاف احتجاج صرف مسلم ممالک تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ پورے افریقہ، مشرقی ایشیا کے ساتھ مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ آسٹریلیا، جاپان بھی مسلمانوں کے احتجاج سے گونج اٹھے۔ سڈنی میں جرمن سفارت خانے کے باہر پولیس اور مظاہرین میں جھڑپیں حیرت سے دیکھی گئیں جبکہ برطانوی مسلمانوں نے ہمیشہ کی طرح بھرپور احتجاج کیا اور ان کا ہدف بھی امریکی سفارت خانہ تھا۔ اسی طرح تل ابیب میں بھی مسلمانوں نے احتجاج کیا اور عین توقع کے مطابق قادیانی گروپ نے احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے امریکا کی حمائت کا اعلان کیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں کہ مستقبل میں ایسے شر پسند شیاطین کی ایسی حرکات کا قلع قمع کرنے کیلئے کون سے ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے امریکی عدالت یں اس نابکار کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہودی سرمایہ کار اس فلم کیلئے سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں تو مسلم ممالک کے امیر ترین ممالک کو بھی اس سلسلے میں آگے بڑھنا ہوگا۔ تمام مسلمان ممالک کو اقوام متحدہ کا ہنگامی اجلاس بلا کر عالمی قانون وضع کرنا چاہئے جس کے بعد ایسی کوئی بھی شرمناک حرکت قابل تعزیر قرار دی جائے۔ اور اسی سلسلے میں ممتاز سیاسی تجزیہ نگار جناب آصف جیلانی نے اپنے حالیہ کالم میں یہ تجویز پیش کی ہے:

اسلام کے دشمن امریکیوں اور ان کے اتحادیوں کی مصنوعات کے بائیکاٹ کا راز۔ یہ راز کوئی نیا نہیں اور ناآزمودہ نہیں بلکہ برصغیر کی جدوجہد آزادی کے دوران یہ ہتھیار آزمایا ہوا ہے۔ جنوبی افریقہ کے نسل پرست نظام کے خاتمہ میں بھی یہ ہتھیار کارگر ثابت ہوا تھا۔ آج کل امریکا اور مغربی ممالک اپنے فیصلے دوسرے ملکوں پر مسلط کرنے کیلئے تادیبی اقتصادی پابندیوں کے نام سے بائیکاٹ کا یہی ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ آج اگر پاکستان کے مسلمان اپنے دین کے عزت اور اپنے رسول ﷺ کے ناموس کے تحفظ کی خاطر یہ ہتھیار اٹھالیں اور امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیں تو تجارت و سرمایہ کو اپنا ایمان سمجھنے والے اور اس کی خاطر جان دینے والے امریکی سرمایہ داروں کے ایوان لرز اٹھیں گے۔ اس ہتھیار میں پاکستان کے عوام کو ایسی زبردست قوت حاصل ہوگی کہ امریکا کو زیر نہیں تو کم از کم جھکنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے..... پاکستان کے عوام کے سامنے یہ فیصلہ کا وقت ہے جو قوموں کی زندگی میں بہت کم آتا ہے۔ ایک طرف اپنے دین اور اپنے نبی پاک ﷺ کے ناموس کی حفاظت کا معاملہ ہے جس کے لے امت مسلمہ کا بچہ بچہ اپنی جان نچھاور کرنے کے لے ہر لمحہ تیار رہتا ہے دوسری طرف اسلام اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے ہاتھوں میں اپنی تقدیر اور اپنی اگلی نسلوں کا مستقبل سونپ دینا ہے۔ امریکی اور اس کے اتحادیوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ پاکستان کے عوام اور ان کی معیشت کی آزادی کا نقیب ثابت ہوگا۔ شروع میں مشکلات تو پیش آئیں گی لیکن بہت جلد پاکستان ایک نئی آزادی سے روشناس ہوگا۔ پاکستان کے عوام کو فیصلہ کرنا ہے کہ کیا وہ ناموس رسول ﷺ کا تحفظ کریں گے یا اسلام کے دشمنوں کی معیشت کی آبیاری میں جٹے رہیں گے۔ اگر پاکستان کے عوام بے بسی کا طوق اتار کر اور مغرب کی ذہنی غلامی کی بیڑیاں توڑ کر اس وقت اٹھ کھڑے نہیں ہوتے تو پھر مظاہروں اور نعروں اور ناموس رسالت ﷺ کے لئے جان دینے کا دعویٰ نہ کریں"۔

بروز اتوار ۷ ذوالقعد ۱۴۳۳ھ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء

وفا کا حق

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں صدر اوباما کی تقریر نے ان کا مسلمانوں اور اسلام سے محبت کا سارا بھانڈہ پھوڑ دیا ہے جہاں انہوں نے اسلام مخالف فلم کے خلاف ہونے والے تشدد کی بھی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کہ ہمارے مستقبل کا تعین کرسٹوفر سٹیفن جیسے لوگوں سے ہوتا ہے ان کے قاتلوں جیسے لوگوں سے نہیں جبکہ اس وقت پوری مسلم دنیا ایک ملعون امریکی نژاد یہودی کی ناپاک جسارت پر غم و غصے کے بخار میں پھنک رہی ہے اور اس انکشاف سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اسلام کے خلاف شر انگیز فلم بنانے والے فلم ساز بل ماہر نے صدر اوباما کی انتخابی مہم کے لئے دس لاکھ ڈالر کا عطیہ دیا ہے جس کے بعد "اسے آزادئ رائے کا اظہار" گردانتے ہوئے اس ملعون فلمساز کی وکالت کر رہے ہیں۔ ابھی پورے عالم اسلام اور یورپ میں اسلام دشمن فلم کے خلاف احتجاج کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ فرانسیسی جریدہ چارلی ہیبڈو نے بدھ کے روز رسول پاک ﷺ کا ایک نہایت فحش کارٹون شائع کر کے بھڑکتے الاؤ پر تیل چھڑک دیا۔ فرانسیسی حکومت نے اس جریدہ پر پابندی عائد کرنے کے بجائے اس کارٹون کے خلاف مسلم ممالک میں احتجاجی مظاہروں کے خطرہ کے پیش نظر بیس ممالک میں اپنے سفارت خانے بند کرنے اور فرانس میں شر انگیز امریکی فلم کے خلاف مظاہروں پر مکمل پابندی عائد کرنے کا اعلان کر دیا۔

منافقت کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ پچھلے دنوں جب پیرس کے جریدہ کلوزر نے برطانوی شہزادہ ولیم کی بیوی کیٹ کی نیم برہنہ تصاویر شائع کی تھیں تو برطانوی شاہی خاندان کی قانونی چارہ جوئی کے اقدام کے خوف سے اس جریدہ کو فوراً مزید تصاویر شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور برطانوی ملکہ عالیہ کو خوش کرنے کیلئے نہ صرف اس اخبار پر ایک لاکھ یورو کا جرمانہ عائد کر دیا بلکہ پولیس نے اس فوٹو گرافر کا سراغ لگانے کیلئے جریدہ کلوزر کے دفتر کی تلاشی لی اور تاحال گرفتاری کیلئے چھاپے جاری ہیں لیکن دوسری طرف ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کے جان، مال و متاع سے عزیز ترین ہستی کے بارے میں ان کا رویہ کس قدر منافقانہ و شرمناک ہے۔ برازیل کے ایک مقامی جج نے برازیل میں گوگل کے صدر فیبیو ژوزے سلوا کو ئیلو کی گرفتاری کا حکم دیا ہے کیونکہ گوگل نے یوٹیوب پر چند ویڈیوز ہٹانے سے انکار کر دیا تھا جس میں ایک امیدوار کے خلاف بہتان تراشی کی گئی ہے جو محض میئر کے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں جبکہ اس قدر سنگین جرم پر کسی بھی مسلمان ملک میں ایسی جرأت کا اظہار نہیں ہوا جیسا برازیل کی عدالت نے کیا ہے۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے گیارہ سال تمام تر ظلم، جبر، قہر مسلم دنیا پر آزما کر دیکھ لیا جہاں کچھ مسلم حکمران پہلے سے جیب میں تھے باقی کو طاقت کے خوف اور اقتدار و ڈالر کی لالچ سے اپنا ہمنوا بنالیا، وہاں ڈالروں کی بارش سے میڈیا اور دانشوروں کے دماغ خریدنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ تعلیمی نصاب بدلے، فحاشی کو عام کیا، شراب کا سہارا لیا گیا، معاشرے میں اختلاط مرد و زن کو طرز زندگی بنا ڈالا، ٹی وی ڈراموں اور فلموں کا سہارا لیکر جوان لڑکیوں کو مشرقی معیار حیا کے مقابلے میں مغربی معیارات پر پورا اتارنے کیلئے لا کھڑا کر دیا، مسلمان ممالک میں ہی ایمان و شعائر اسلام کی ہر علامت پر عقوبت خانوں کے دروازے کھول دیئے، لاپتہ کرنے، بوری بند لاشیں، تشدد، بجلی کے جھٹکے دے کر جوان لڑکوں کو مار پھینکنے کے طور طریقے بلیک واٹر نے متعارف کروا دیئے اور ساتھ ہی ساتھ ان گنت مرتبہ چھوٹے بڑے واقعات میں توہین قرآن اور توہین رسالت کا تسلسل جاری رہا لیکن اس کے باوجود ہر مرتبہ ہی ان واقعات پر ایسا ہی رد عمل ظاہر ہوا جسے دنیا دیکھ رہی ہے۔

تاہم احمق اپنی ان تھک کوششوں کے نتیجے میں یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ اس امت کو بے حس کرنے میں کافی حد تک (درج بالا اسباب کی بنا پر) کامیاب ہو

گئے ہیں لہذا اس مرتبہ ایسی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ دراصل انہوں نے یہ ٹیسٹ کرنا چاہا کہ امت اسے شاید ہضم کرلے گی لیکن انہیں ہلاکت خیز مایوسی کا دن دیکھنا پڑا۔ امام مالک کے فرمان کے مطابق کہ اس امت کے باقی رہنے کا کیا جواز ہے جس کے نبی کو سب وشتم کا نشانہ بنادیا جائے۔ امت اپنی زندگی، اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ بحمد للہ اس وقت دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں سے اوباما، ہلیری کو شان رسالت سمجھا دینے والے جواب موصول نہ ہوئے ہوں کیونکہ ایمان کا لٹمس ٹیسٹ شانِ رسالت ہی تو ہے۔

پرویز مشرف جیسا بکاؤ مال، ایمان گم کردہ، مسجد سوز بھی بول اٹھا، باچا خان کے وزیر کے بیٹے نے پروڈیوسر کے قتل پر انعام کا اعلان کردیا، حسینہ واجد جیسی اسلام دشمن حکومت نے بھی احتجاج کیا۔ مصر، سوڈان، تیونس، یمن، خلیجی ممالک ہر جگہ درجہ حرارت طاغوت کو بھسم کردینے والا تھا۔ کلمہ طیبہ سے مزین پرچم ہر جگہ شاتم رسول کے حواریوں کا منہ چڑا رہے تھے کہ یہ امت ابھی زندہ ہے۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ جب معاملہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کا ہوگا تو کوئی فتویٰ لینے کہیں نہیں جائیگا۔ یہ فتویٰ وہ ہے جو ہر مسلمان بچے کے کان میں دنیا میں قدم رکھتے ہی پھونک دیا جاتا ہے۔

بر سر زمین اللہ کے بعد سب سے بڑا رشتہ سب سے قیمتی، عزیز از جان اور عزیز از دو جہان رشتہ محمد الرسول اللہ ﷺ کا ہے (سرکاری، سیاسی مولوی، امریکہ کے وظیفہ خوار لیڈر) اس وقت عقل کی جو بولی لگانا چاہے گا اسے منہ کی کھانی پڑے گی کیونکہ عاشقانِ مصطفٰی کی محبت کے اس ابلتے امڈتے دیوانے طوفان کو امریکی و مغربی ابولہب مکار و عیار عقل نے خود دعوت دی ہے۔ بدکار ترین، مکروہ ترین غلاظت کے کیڑے مکوڑے نما کافر اداکار اور فحش ترین ناپاک ترین اداکارائیں، اس ذی شان، سراج منیر ہستی کے لغت کا روپ دھارنے کی جسارت اور الفاظ عظمت و پاکیزگی کو بیان کرنے سے قطعی قاصر ہیں۔ امت کی مائیں تمہارے ہدف پر ہوں اور بیٹے تمہیں جیتا چھوڑ دیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم تو وہ ہیں کہ تمہاری جسارت کو الفاظ دیتے ہوئے قلم ساتھ چھوڑ دیتا ہے، لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ تمہاری جسارت کو دیکھنے سے آنکھیں انکاری ہو جاتی ہیں۔ واللہ وہ غلاظت جو تم نے بکی اگر بیان کی جاسکتی تو اس سے بھی بڑی قیامت برپا ہو جاتی۔ تم اس رشتے کو سمجھنے سے قاصر ہو کہ تمہاری اس منحوس جسارت نے کتنی آنکھوں کو خون کے آنسو رلایا ہے، کتنی داڑھیوں کو آنسوں نے بھگویا ہے، کتنی زبانیں ہمہ وقت اللھم صلِ علی محمد پکار پکار کر اس زمین سے اس دھبے کو دور کرنے کی فکر میں گویا ہیں۔

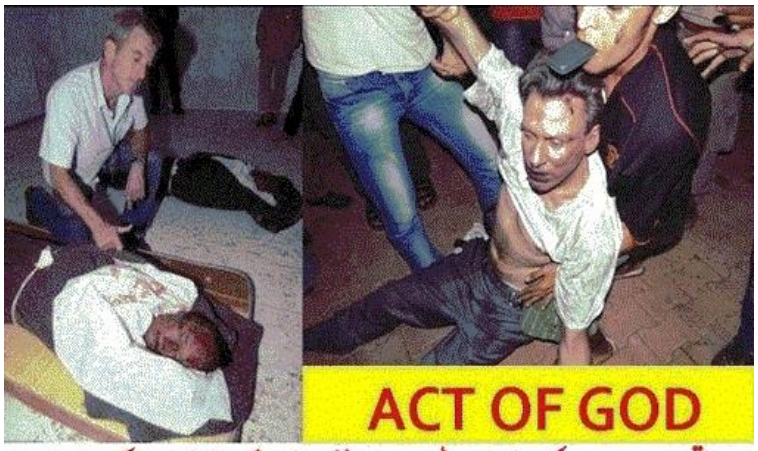

کسے خبر تھی کہ لیبیا میں امریکی سفیر کرسٹوفر سٹیفن جو قذافی کی لاش پر انگوٹھا دکھا کر اپنے تکبر کا اظہار کر رہا تھا اسے بھی ایسے ہی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا

نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے زمین ایسے ہی لوگوں کی آماجگاہ بن کر تیرہ و تار ہو چکی تھی۔ ان کا تذکرہ سورۃ القلم میں جن قبیح اوصاف سے ہوا وہی سب تمہارے ہیں۔ عتل بعد ذلکِ زنیم (جو) (بدمزاج درشت خو ہے، مزید برآں بداصل (بھی) ہے) یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جتنے ذِلت آمیز القاب باری تعالی نے اس بدبخت کو دیئے آج تک کلامِ الٰہی میں کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی، جس پر غضبِ الٰہی بھڑک اٹھا۔ ولید نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ایک کلمہ بولا تھا، جواباً باری تعالی نے اس کے دس رذائل بیان کئے اور آخر میں نطفہ حرام ہونا بھی ظاہر کردیا، اور اس کی ماں نے بعد ازاں اِس امر کی بھی تصدیق کردی۔ (تفسیر قرطبیؒ، رازی، نسفی وغیرھم)

گندگی اور غلاظت کے اس گڑھے میں جا گرنے کا جو ثبوت مسلسل امریکی یورپی میڈیا دے رہا ہے تو وہ بلاسبب نہیں ہے۔ جہاں قومی قیادتیں امریکا

میں کلنٹن اور مونیکا لیونسکی، فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کے اخلاقی بحران، اسکے وزرا اور ورلڈ بینک کے سابق (فرانسیسی) صدر کی نجی زندگی، اٹلی کے سابق وزیر اعظم برلسکونی کے شرمناک سکینڈل کہ جو آپ گنتے ہوئے ہار جائینگے، میڈیا کا ایک حصہ پیسہ بنانے پر ان کی نجی زندگیوں میں تانک جھانک کرنے کیلئے مختص ہے۔ اسی دھن میں ڈیانا کا پیچھا کرتے ہوئے اس کی موت کا سبب بنے۔ بات اس وقت پتلے جلانے، جھنڈے پھاڑنے کی نہیں بلکہ دنیا کو ایسے اجڈ، گنوار، وحشی، نشے میں دھت ان نیم پاگلوں سے آزاد کروانے کی عقلی ضرورت ہے۔ دنیا میں انہیں سب سے بڑا دشمن اسلام اور شریعت نظر آتی ہے کیونکہ وہ انہیں ایک باالباس، باحیا اجلی، پاکیزہ زندگی کی طرف لے کر جاتی ہے اور جو بھی اس کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے اسے تباہ و برباد کرنا ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔

میزائل بموں کے علاوہ عریانی، فحاشی، نائٹ کلب، شراب، ہیروئن، اس اخلاقی آلودگی کے پلندے کو وہ آزادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اب جبکہ افغانستان میں ۱۲ سال کی بوئی فصل وہ تابوتوں کی شکل میں کاٹ رہے ہیں اور دوسری طرف مالی میں امارات اسلامی شمال میں قائم ہونے سے ان کی سٹی گم ہے کیونکہ اس خطے میں مہذب لباس، اباحیت اور مغربی مادر پدر آزادی سے پاک نصاب تعلیم، شرعی قوانین، تجارتی بے ایمانی، دھوکہ دہی اور سودی کاروبار سے پاک معیشت، نماز کا قیام عمل میں آرہا ہے۔ مغربی تہذیب کی موت اس میں مضمر ہے لیکن قوموں کی زندگی اسی پاکیزگی کو ترس رہی ہے جو سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی استحصال سے سسکتی انسانیت کو نجات دلا سکے۔ اگر نبی ﷺ سے محبت ہے تو اس نظام کی بحالی کیلئے صف آرا ہو جایئے۔ وفا کا حق بھی ادا ہو جائے گا اور اللہ کے وعدے بھی انشاءاللہ پورے ہوں گے۔ بزبان اقبال:

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں کعبے میں گاڑو برہمن کو

بروز بدھ ۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲۶ ستمبر ۲۰۱۲ء

اسلام میں اقلیتوں کے حقوق

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام دین رحمت ہے اور اس کی شفقت و رافعت کا دائرہ کار کسی خاص قوم، کسی مخصوص ملت یا گروہ کیلئے وقف نہیں ہے بلکہ اسلام میں تمام بنی نوع انسانوں کیلئے خیر و عافیت کے بے پناہ خزائن موجود ہیں۔ اسلام میں تمام بنی نوع انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ نے اپنے کنبے کے ساتھ بلا تفریق نیکی و بھلائی کا درس دیا ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے بہترین انسان وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے بلکہ یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ رب کریم تمہارے ساتھ پیار کریں تو تم اس کے کنبے کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آؤ۔ قرآن کریم میں تمام معاملات کو عدل و انصاف اور احسان و مروّت سے طے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا گیا کہ دوسروں کے ساتھ اس طرح بھلائی کرو جس طرح اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کا سلوک فرماتے ہیں۔

اسلام میں جتنے بھی اخلاقی احکام ہیں وہ مذہب و ملت کی تخصیص کے بغیر ساری انسانیت کیلئے عام ہیں اور اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں ۔ کسی ہندو سکھ عیسائی یا کسی بھی مذہب کیلئے کوئی تفریق نہیں۔ اسلام میں غریبوں کی دستگیری اور مظلوموں کی دادرسی، اخوت و رواداری اور دیگر تمام نیک کاموں کا جو حکم دیا گیا ہے وہ کسی ایک کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں اقلیتوں کا برابر کا حق ہے۔ ان احکامات میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کی غیر مذاہب کے ماننے والوں کیلئے ایک بنیادی اصلاح کی ہے جس میں مسلم معاشرے میں اقلیتوں کے تحفظ کی تمام تر ذمہ داری نہ صرف ریاست پر بلکہ ہر مسلمان کو اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کے پیغام سے پہلے تمام اہل مذاہب ایک دوسرے کو باطل اور کاذب قرار دیتے تھے حتیٰ کہ یہودی اور عیسائی جو ایک ہی درخت دین ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے جنگ و جدل میں مصروف تھے۔ ہندو اپنے مذہب کے علاوہ دنیا کے کسی اور مذہب کو مذہب ہی نہیں سمجھتے تھے اور یہی حال ایرانیوں کے احساسِ برتری کا تھا لیکن سب سے پہلے صرف اسلام نے آکر بنی نوع انسانیت کے اس نفرت اور فرق کو ختم کیا کہ دنیا کی کوئی قوم اللہ کی رحمت سے محروم نہیں اور اس کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس نے ہر قوم کی ہدائت و رہنمائی کیلئے ایک ہادی و پیغمبر مبعوث فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین سے قبل تمام قدیم ادیان میں اس قدر تحریف ہو چکی تھی کہ ان کے اصل حقائق و تعلیمات کو بری طرح مسخ کر دیا گیا تھا لیکن دین اسلام کی رحمت کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ اس نے پہلے دن ہی اس بات اعلان کر دیا کہ لَآ اِکراہ فِی الدِینِ قد تبین الرشد مِن الغی" دین میں کوئی زبردستی نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔ البقرہ (۲۵۶۔۲)" بلکہ قرآن کریم نے تو بحث مباحثے سے گریز اختیار کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ ادع الِی سبیلِ ربِ بِالحکمۃِ والموعِظِ الحسنِ وجادِلہم بِالتِی ہِی حسن اِن ربک ہوا علم بِمن ضل عن سبِیلِہ وہو علم بِالمہتدِین) اے رسولِ معظم! آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو بھی (خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو) بھی (خوب جانتا ہے النحل (۱۲۵۔۱۶)۔ اسلام میں تو غیر مذاہب کے معبودوں کو بھی برا بھلا کہنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے کہ مبادا نادانی میں غیر مذاہب کے ماننے والے جواب میں سچے رب کو برا بھلا نہ کہیں حالانکہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ شروع دن سے ان تمام مذاہب کے ماننے والوں نے باہمی اتحاد کر کے اسلام کو ختم کرنے کیلئے محاذ قائم کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کے درمیان بھی انصاف قائم کرنے کا حکم دیا "کہ اللہ صرف انصاف کرنے والوں کو اپنا دوست سمجھتا ہے" یہی

وجہ ہے کہ کسی بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو ان کے حقوق سے کبھی بھی محروم نہیں کیا گیا۔

ایک دفعہ حبشہ کے حکمران شاہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مہمان نوازی کے تمام فرائض خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیئے۔ صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے جب مہمان نوازی کے حقوق ادا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے میرے ساتھیوں کی خدمت کی تھی اس لئے میں خود اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کروں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے غیر مذاہب کے افراد کو تو تمام مساجد کی سردار مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اکرم ﷺ سے ملنے کیلئے حاضر ہوا، عیسائیوں کی نماز کا جب وقت آن پہنچا تو انہوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنا شروع کی تو مسلمانوں نے انہوں نے روکنے کی جونہی کوشش کی تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کو منع فرماتے ہوئے عیسائیوں کو نماز پڑھنے کی مکمل اجازت دی اور عیسائیوں نے اپنے عقائد کے مطابق رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی ساری جماعت کے سامنے الٹی سمت کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام کے اصل دشمن مشرکین عرب تھے اور مسلمانوں کے خلاف تمام مذاہب کے ماننے والے قبائل نے ایک مشترکہ محاذ قائم کر لیا تھا اور مسلمانوں کو تکلیف و ایذا پہنچانے اور ان کو ختم کرنے کیلئے برسوں جنگ و جدل اور حملوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا مگر مسلمانوں کو اپنا وجود باقی رکھنے کیلئے جنگ کے دوران مقابلے کا حکم تو ضرور دیا لیکن دورانِ جنگ بھی کسی بیجا زیادتی و ظلم کی اجازت نہیں دی حتیٰ کہ کھڑی فصلوں اور درختوں کو کاٹنے سے بھی منع فرما دیا گیا۔ قرآن کریم میں بڑی صراحت کے ساتھ حکم دیا گیا کہ "جو لوگ تم سے لڑیں، تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو لیکن کسی قسم کی کوئی زیادتی مت کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ جن لوگوں نے صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کو مسجد احرام جانے سے زبردستی روک دیا تھا جبکہ تمام مسلمان احرام کی حالت میں تھے، ان سے بھی زیادتی کرنے سے روک دیا گیا۔ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا کہ "جن لوگوں نے تمہیں مسجد احرام جانے سے روکا تھا ان کا یہ عمل زیادتی کا سبب نہ بنے"۔ قرآن و حدیث میں کئی مواقع پر ایسے اور بے شمار احکام موجود ہیں جس میں اسلام کی رواداری، اخوت اور محبت کے بیش بہا دروس موجود ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنی غیر مسلم اقلیتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں اور مسلم ریاستوں نے کہاں تک ان پر عمل کیا ہے؟؟ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بین ثبوتوں کے ساتھ اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ غیر مسلم اقلیتوں کیلئے اسلام سراسر ایک رحمت، امن اور بھائی چارے کا مذہب ثابت ہوا ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں ان اقلیتوں کو جو حقوق و اختیارات اسلام نے دیئے ہیں ایسے حقوق و اختیارات تو ان کی اپنی قوم اور اپنے ہم مذہب حکومتوں میں بھی میسر نہ تھے۔ ان کی حیثیت تو غلاموں سے بھی بدتر تھی اور ان کا کام تو اپنا خون پسینہ بہا کر اپنے حاکموں اور جاگیر داروں کیلئے سامان تعیش فراہم کرنا ہوتا تھا۔ ان کو ادنیٰ ادنیٰ غلطیوں پر انتہائی وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں۔ وہ قومیں جو آج خود کو بڑا مہذب اور اخلاق کے اعلیٰ اقدار کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں ان کی تاریخ خود ان کی لائبریریوں میں ان کا منہ چڑا رہی ہیں۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال سمجھنے کیلئے ایک یہی واقعہ کافی ہوگا۔ شیفرڈ بش مغربی لندن برطانیہ کا ایک بہت مشہور علاقہ ہے جو "بش چرواہے" کے نام سے آج بھی موسوم ہے۔ اس چرواہے کے غلطی سے چلائے ہوئے تیر سے اس کاؤنٹی کے شہزادے کے محبوب ہرن کی آنکھ پھوٹ گئی جس کی پاداش میں اس شہزادے نے اس قبیلے کی تمام افراد کی آنکھیں پھوڑ دیں، جہاں ایسی کئی اور وحشیانہ سزاؤں کا بھی اس کتاب میں ذکر ملتا ہے وہاں اسلام میں مسلم اقلیتوں کو جو حقوق دیئے گئے ان کا بھی ذکر موجود ہے۔

حضرت عمر فاروق کے زمانے میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا سب سے پہلا واقعہ نجران

کے عیسائیوں سے معاہدے کا ملتا ہے جس کا نعم البدل اور نظیر آج تک تاریخ دینے سے قاصر ہے۔ ہمیں آج بھی تاریخ میں اس معاہدے کی بارہ شرائط ملتی ہیں۔

(۱)ان کی جان ہر حال میں محفوظ رہے گی (۲)ان کی زمین و جائیداد اور تمام مال واسباب ان کے اپنے قبضے میں رہے گا (۳)ان کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی اور ان کے مذہبی عہدیدار بدستور اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہیں گے اور ان کو معزول کرنے کا اختیار بھی ان کے اپنے پاس ہو گا (۴) ان کی عبادت گاہوں، صلیبوں، عورتوں اور بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا (۵)ان کی کسی بھی چیز پر ہر گز قبضہ نہیں کیا جائے گا (۶)ان سے کسی بھی قسم کی کوئی بھی فوجی خدمت نہیں لی جائے گی (مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ ریاست جب بھی جہاد کا اعلان کرے گی تو تمام مسلمانوں پر اس کی تعمیل فرض ہو گی) (۷) پیداوار کا عشر بھی نہیں لیا جائے گا (۸)ان کے ملک میں فوج بھی نہ بھیجی جائے گی (۹)ان کے مقدمات کا فیصلہ انہی کے قوانین کے مطابق کیا جائے گا (۱۰)ان پر کسی قسم کا کوئی ظلم بھی نہ ہونے پائے گا (۱۱) کسی ناکردہ گناہ کی پاداش میں کسی اور کو گرفتار نہ کیا جائے گا اور (۱۲) ان پر کسی بھی قسم کا کوئی بھی ظلم روا رکھنے کی قطعاً اجازت نہ ہو گی۔

غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہلِ نجران کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا: ولنجران وحاشیتہم جوار اللہ و ذم محمد النبی رسول اللہ علی نفسہم وملتہم ورضہم وموالہم وغائبہم وشاہدہم و بیعہم وصلواتہم، لا یغیروا اسقفا عن اسقفیتہ ولا راہبا عن رہبانی ولا واقفا عن وقفانیتہ وکل ما تحت یدیہم من قلیل و کثیر. طبقات ابن سعد (۳۵۸:۱:۲۲۸) نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔ اس معاہدے میں اقلیتوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جس کا انہوں نے اپنے ہم مذہب حکومتوں میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس معاہدے میں اقلیتوں کو وہ تمام حقوق عطا کر دیئے گئے جو ان کے جان و مال کے تحفظ کیلئے ضروری تھے۔ ان بارہ شرائط سے اسلام کا اپنی اقلیتوں سے اخوت و رواداری اور عدل و انصاف کے اس سنہری دور کا پتہ چلتا ہے جو صدیوں تک نافذ العمل رہا جس سے متاثر ہو کر بغیر کسی جبر کے ہزاروں افراد اسلام کے دائرہ کار میں نہ صرف داخل ہوئے بلکہ ان میں کئی افراد نے اسلام کی بے مثال خدمت بھی کی۔ اسلام میں ذمیوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر قرار دی گئی۔ اس زمانے میں یہ عام دستور تھا کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا لیکن اگر مقتول کے ورثاء راضی ہو جاتے تو قصاص کی بجائے خون بہا ادا کر دیا جاتا اور یہی دستور (یعنی قصاص و خون بہا) رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد بھی عرصہ دراز تک رائج رہا۔ مشہور تاریخی کتاب بیہقی میں یہ روایت ملتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل

کتاب کو قتل کر دیا، رسول اکرم ﷺ کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھ پر ذمی کے ساتھ کئے گئے عہد پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور قصاص میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا گیا"۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ذمیوں کی جان و مال بھی مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھی جاتی تھی اور قصاص و خون بہا اور دیت کا جو قانون مسلمانوں کیلئے رائج تھا وہی قانون غیر مسلم اقلیتوں کیلئے بھی تھا اور اسی طرح غیر مسلم اقلیتوں کی جائیداد اور املاک کی مکمل ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر عائد ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق نے مفتوحہ علاقوں میں وہی قانون نافذ کئے جو خود مسلمان علاقوں میں رائج تھے۔ کسی قسم کے قانون میں کوئی تفریق روا نہ رکھی گئی تھی۔

آج بھی تاریخی کتب میں شام و عراق اور مصر میں اقلیتوں کے ساتھ اخوت و رواداری اور عدل و انصاف کا ذکر ملتا ہے اور اس سے دوسرے مفتوحہ ملکوں کے بارے میں قیاس بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب عراق فتح ہوا تو اس وقت بڑے بڑے صحابہ کی رائے تھی کہ یہاں کی اراضی مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے لیکن حضرت عمر فاروق کی رائے اس سے بالکل مختلف تھی اور ان کا اصرار تھا کہ اس زمین پر انہی کاشتکاروں اور زمینداروں کا قبضہ برقرار رہنا چاہئے جو اس کو پہلے سے کاشت کر رہے ہیں بلکہ آئندہ بھی ان کی نسلیں اس زمین پر کاشت جاری رکھیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کئی دن کے بحث و مباحثے کے بعد صحابہ کرام کو حضرت عمر فاروق کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا اور اس طرح مفتوحہ علاقوں کی تمام اراضی سابقہ مالکان کے پاس رہنے کا قانون تشکیل پا گیا کہ یہ اراضی نسل در نسل منتقل ہوتی رہے گی اور وہ اپنی مرضی سے اس کی خرید و فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے ان کو مالکانہ حقوق دیئے گئے اور حکومت کو بھی ان اراضی کو واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں تھا تاوقتیکہ متعلقہ فریق کو اس کی مرضی کے مطابق اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے۔

حضرت عمر فاروق کے زمانے میں جب کوفہ آباد ہوا تو شہر میں ایک جامع مسجد کی تعمیر میں حیرہ کے خستہ و کھنڈر محلات کا ملبہ استعمال کیا گیا۔ ان محلات کا کوئی وارث نہ تھا لیکن زمین ذمیوں کی تھی جس کیلئے اس ملبے کی قیمت ذمیوں کے جزیہ سے منہا کر کے عدل و انصاف کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی گئی۔ تاریخ میں مفتوحہ اقوام سے جو معاہدے نقل کئے گئے ہیں ان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی کی سرکاری ضمانت دی گئی تھی۔ جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کے معذور ہو جانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہو جانے پر کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے اسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معذور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت لازم ہے۔ کتاب الاموال میں ابو عبید نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصدق صدقہ علی اہل بیت من الیہود فہی تجری علیہم. رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانہ کو صدقہ دیا اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی وہ انہیں دیا جا رہا ہے۔ عہد صدیقی میں شام کے مفتوحہ علاقوں میں معاہدے کی ایک مثال حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اور شام کے پادری کو ایک تحریری معاہدے میں اس کی مکمل ضمانت دی گئی: کسی بھی حال میں ان کی خانقاہیں یا گرجا گھر قطعاً مسمار نہیں کئے جائیں گے اور ان کو تہواروں پر ناقوس بجانے اور صلیبیں اٹھا کر جلوس نکالنے کی بھی مکمل آزادی ہو گی اور ایک دوسری روایت کے مطابق نماز کے اوقات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ جب چاہیں ناقوس بجا سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو کوئی شخص بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مال دار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ و خیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائیگا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو ریاست کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔ اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں مکمل جزیہ یا جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ورثا پر اس کا بار ڈالا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس پر قرض

نہیں ہے۔امام ابو یوسف لکھتے ہیں: اگر اس پر جذیہ واجب ہو تو اس کی کل یا کچھ ادائیگی سے قبل وہ مر جائے تو اس پر بقیہ واجب الادا جزیہ وارثوں سے وصول نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔(کتاب الخراج: ۱۳۲)

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ نے بھی شام کے بعض مفتوحہ علاقوں غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی کا تحریری معاہدہ کیا جو آج بھی تاریخی کتابوں میں موجود ہے اور خلفائے راشدین کے دورِ حکومت میں ان معاہدوں کی مکمل پاسداری کی گئی اور ان معاہدوں میں کسی تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا گیا۔ امام ابو یوسف نے ان معاہدوں کی تصریح کی ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ کے ادوار میں ان معاہدوں کی مکمل پاسداری کی گئی بلکہ ان مذہبی خانقاہوں کے پجاری، راہبوں اور دیگر عہدیداروں کے ساتھ ساتھ ان کے اوقاف کو بھی برقرار رکھا اور ان عہدیداروں کو سرکاری خزانے سے باقاعدہ وظائف جاری کئے گئے۔اسی طرح مصر میں مفتوحہ علاقوں میں ان مذہبی علاقوں کے ساتھ جس قدر اراضی وقف تھی، نہ صرف ان کو بحال رکھا بلکہ ان عبادت گاہوں کی تزئین و آرائش کیلئے باقاعدہ سرکاری معاونت بھی کی گئی۔ مقریزی کے زمانے میں ایک گرجا گھر کے ساتھ ڈیڑھ ہزار فدان اراضی وقف تھی جس کی کاشت پر بھی کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اس سنہرے ادوار میں نہ صرف ان کی مذہبی عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت کی گئی بلکہ بہت سے نئے گرجا گھر، آتش کدے اور مندر تعمیر ہوئے جس میں بیشتر سرکاری اراضی استعمال کرنے کی اجازت بھی دی گئی۔اس طرح اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ کے ہاں جوابدہی کا خوف بھی ان پر طاری رہا اور عدل وانصاف کی وہ درخشاں مثالیں قائم کیں کہ جس کی مثال آج کے روشن خیال و تہذیب یافتہ ممالک میں بھی نہیں ملتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبد الملک اموی نے دمشق کے کلیسہ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کر لیا۔ بلاذری کے مطابق: جب حضرت عمر بن عبد العزیز تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے ولید کے کلیسہ پر کیے گئے ظلم کی شکایت کی تو انہوں نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کر دو۔(فتوح البلدان: ۱۵۰)

راجہ داہر کے ظلم کے خلاف جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو سب سے پہلے تمام ادیان کے پیروکاروں اور ہندوؤں کو مکمل امان اور مذہبی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ الغرض اسلام نے اقلیتوں کے جان و مال اور مذہبی اقدار کا نہ صرف تحفظ کیا بلکہ مسلم اخوت و رواداری کی یہ عالم تھا کہ جب محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلایا گیا تو اس وقت بیشتر ہندؤں نے اپنے مندروں و عبادت گاہوں اور گھروں میں محمد بن قاسم کے حسنِ سلوک کی وجہ سے اس کے بت سجا رکھے تھے۔ اسلام میں ان کے جان و مال اور مکمل مذہبی آزادی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس زمانے میں ہندوؤں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق بڑے بڑے عہدوں پر مامور بھی کیا گیا جہاں ان کے تمام مقدمات ان کے اپنے مذہبی رسوم و رواج کے مطابق طے کئے جاتے تھے۔ اقلیتوں کے بارے میں بے تعصبی، وسعت قلبی، اعلیٰ ظرفی اور عدل وانصاف کی یہ وہ چند مثالیں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اقلیتوں کو کس قدر امان اور تحفظ حاصل تھا لیکن اس کے برعکس آج کے روشن خیال اور مہذب مغرب میں کیا ہو رہا ہے اس کی تازہ مثال اس خبر میں ملاحظہ فرمالیں۔

"یورپی ملک جرمنی کے شہر برلن میں آج اتوار کو مسلم اور یہودی تنظیمیں ختنے پر پابندی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کر رہی ہیں۔ رواں سال جون میں کولون کی ایک عدالت نے حکم دیا تھا کہ صرف مذہبی بنیادوں پر نوزائیدہ بچوں کی ختنہ سنگین جسمانی نقصان کے برابر ہوتی ہے۔ اس فیصلے کے بعد جرمن میڈیکل ایسوسی ایشن نے قانونی کارروائی سے بچنے کے لیے تمام ڈاکٹروں سے کہا تھا کہ وہ بچوں کی ختنہ نہیں کریں سوائے اس کے کہ جب یہ عمل طبّی طور پر ضروری ہو۔ اِس سے پہلے یورپ کی یہودی اور مسلمان تنظیمیں اِس ایک معاملے پر متحد ہو گئی تھیں اور انہوں نے مشترکہ طور پر

جرمنی کے قانون سازوں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ بچوں کی ختنہ کے حق کا تحفظ کریں۔ بیویریا میں ایک راہب کی جانب سے ختنے کرنے پر ان سے تفتیش کی جارہی ہے"۔

بروز ہفتہ ۱۳ ذوالقعد ۱۴۳۳ھ ۲۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

''لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو''

قیام پاکستان سے لیکر آج تک اس کے خلاف مکروہ سازشوں کا سلسلہ جاری وساری ہے اور بالعموم ہمارے نااہل حکمرانوں نے ماسوائے اپنے اقتدار کی طوالت کے علاوہ کبھی ان سازشوں پر بھرپور توجہ نہیں دی اور بالخصوص پہلی اسلامی ایٹمی قوت بن جانے اور نام نہاد دہشتگردی کے نام پر پرائی جنگ میں کود کر مزید خطرات کو دعوت دے رکھی ہے۔ بلوچستان میں خطرات کے سائے ابھی ختم نہیں ہوئے کہ اب سندھ بھی بین الاقوامی سازشوں کا شکار ہو گیا ہے۔ معمول کے مطابق مذہبی یاترا کیلئے بھارت جانے والے ہندوؤں کے بارے میں بے بنیاد پروپیگنڈہ کا طوفان بدنامی کا بگولا بن کر دنیا کی آنکھ میں دھول جھونک رہا ہے کہ ہندو اقلیت مظالم سے تنگ آکر بھارت نقل مکانی کرنے کیلئے پر تول رہی ہے۔ میڈیا کے کچھ غیر ذمہ دار افراد کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت استعمال کیا جارہا ہے۔

کبھی خبر موصول ہوتی ہے کہ کئی ہزار ہندوؤں نے نقل مکانی کیلئے پاسپورٹ بنوالئے ہیں تو کبھی یہ خبر عام کر دی جاتی ہے کہ دس ہزار ہندو نقل مکانی کر چکے ہیں۔ کچھ قوم پرست سندھی سیاستدان خم ٹھونک کر میدان میں نکل پڑے ہیں کہ سندھ کی کوکھ قدیم سندھی ہندوؤں سے خالی نہیں ہونے دیں گے اور کچھ انتہائی غیر مقبول سندھی ہندوؤں کی مقامی قوم پرست سیاستدانوں سے ملاقات کو بھی اس مذموم پروپیگنڈے کیلئے استعمال کیا جارہا ہے کہ پیر پگارہ نے اپنے مریدین کو ان ہندوؤں کی حفاظت کا حکم دیا ہے جبکہ سندھ میں پی پی کی حکومت ان افواہوں کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے اپنے خلاف انتخابی پروپیگنڈہ قرار دے رہی ہے لیکن محب وطن حلقہ اس مہم کو پاکستان کو ایک ناکام ریاست قرار دینے کی ایک سازش کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔ دراصل ہندوؤں نے یہ طوفان رنکل کماری کے مسلمان ہونے اور اسے واپس ہندو مذہب میں ملانے میں ناکام ہونے کی آڑ میں اٹھایا ہے ۔ قیام پاکستان سے قبل سندھ میں ہندوؤں کا غلبہ اور تسلط تھا جو کلمہ طیبہ کی ضرب اور پاکستان کے وجود میں آنے سے ریزہ ریزہ ہو گیا۔ سندھ کے مسلمان کس ستم کا شکار ہوئے اور پاکستان نے انہیں کیا دیا اور کہاں جا پہنچایا اس کا ایک تاریخ کے حوالے سے ایک سرسری سا جائزہ ملاحظہ فرمالیں:

۱۹۰۱ء میں سندھ کے کل مسلمانوں کی تعداد ۲۴ لاکھ ۴ ہزار ۴ تھی جبکہ ہندو آٹھ لاکھ تھے جس میں سے کل ۳۶ ہزار ۹۲ طلبہ زیر تعلیم تھے۔

۱۹۰۵ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۸ ہزار ۵۱۳ ہو گئی، دو سو ہندو گریجوایٹ کے مقابلے میں پورے سندھ میں صرف دس مسلمان گریجوایٹ تھے۔

انٹر کے امتحان میں کامیاب ہونے والے ۱۲۰ طلبہ میں صرف ۱۲ مسلمان تھے۔ ۱۹۱۵ء میں لوکل بورڈ کے تحت اپر سندھ میں ۲۷/ اسکول قائم ہو چکے تھے جہاں مسلمان طلبہ کی تعداد صرف ۱۶۷ تھی اور اس تعلیمی فرق کا نتیجہ تھا کہ عدلیہ کے سترہ ملازمین میں سے ۱۶ ہندو اور صرف ایک مسلمان تھا جبکہ ۵۸ ہندو اسسٹنٹ کمشنروں کے مقابلے میں صرف چھ مسلمان اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ سیاسی طور پر مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ۱۸۸۵ء سے اپریل ۱۹۲۱ء تک کراچی میونسپلٹی کا کوئی مسلمان سندھی صدر منتخب نہیں ہو سکا تھا۔ ۱۹۳۴ء کے زمانے میں کراچی کاٹن ایسوسی ایشن کے ۸۱/ ارکان میں ۳۰ ہندو سندھی، ۶ یورپین، ۳ جاپانی، ۱۶ ممبئی احمد آباد والے، ۱۶ پنجابی ماواڑی تھے۔ ۱۸۹۸ء میں حیدر آباد میں پری انجینئرنگ کی کلاسوں کا آغاز کیا گیا تو امتحان میں شرکت کرنے والے ۲۱ طلبہ میں صرف ۱۲ پاس ہوئے جو سب ہندو تھے اور پھر انتہائی منظم سازش کے تحت ۱۸۴۸ء میں سندھ کو ممبئی کے ماتحت کر کے ہر میدان میں سندھ کے مسلمانوں پر بھرپور ضرب لگائی گئی کیونکہ ممبئی کا سفر اچھے بھلے سندھی مسلمانوں کیلئے مشکل تھا۔

۱۸۴۳ء میں سندھ پر انگریز کے قبضے کے وقت تمام چھوٹے بڑے زمیندار مسلمان تھے اور ہندو کاروبار کرتا تھا، سود پر قرض دیتا تھا اور تالپوروں کے

دربار میں ملازم تھا۔ زمین کی ملکیت ہندوؤں کیلئے حاصل کرنا ممکن نہ تھی۔ ۱۸۸۶ء میں سول عدالتیں وجود میں آئیں، ہندوؤں نے قانون کے ذریعے قرض کی واپسی کی سبیل کی ڈگری جاری ہو جانے کی صورت میں مقروض مسلمانوں کی زمین جبری طور پر فروخت ہونے لگی اور ہندو پہلی مرتبہ زمیندار بننے لگے۔ ۱۸۶۶ء سے ۱۸۹۲ء تک ۱۷۷۱/ ہندو ایسے زمیندار بن چکے تھے جو ۲۰۰/ ایکڑ سے بڑی زمینداری کے مالک بن چکے تھے جبکہ مسلمان زمینداروں کی تعداد ۷۶۲۰ تھی۔ ہندو قیام پاکستان سے قبل آبادی کا ۳۰ فیصد تھے مگر ۶۰ فیصد قابل کاشت اراضی پر ان کا کنٹرول تھا جس میں ۳۰ فیصد پر ملکیت اور ۳۰ فیصد مقاطعہ والی ۹۰ فیصد زرعی معیشت اور عام تجارت پر ان کا کنٹرول تھا اور ہندوؤں کی کل ملکیت دو ہزار کروڑ روپے کی قیام پاکستان کے مرحلے پر تھی۔ ہندو تاجر مسلمان کاشت کاروں سے ایک مٹھی کے نام پر اتنا اناج لیتے تھے کہ ہندو پنچائت کو سالانہ ۲۲ لاکھ روپے مل جاتے تھے اور یہ رقم وہ تعلیمی سہولتوں، نوکری کے حصول کیلئے صرف ہندوؤں کے استعمال میں لاتے۔

ممبئی سے علیحدگی کے بعد ۱۹۳۸ء میں جب شمس العلماء ڈاکٹر پوتہ کو ڈائریکٹر تعلیم مقرر کیا گیا تو دو سال تک انہیں بمشکل برداشت کیا گیا کیونکہ انہوں نے سندھی رسم الخط سے سندھی اثرات کو خارج کرنے کا مقابلہ کیا تھا۔ پیر الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ مجھے ۱۹۳۹ء میں سندھ کا وزیر تعلیم مقرر کیا گیا تو سندھ بھر میں کوئی سرکاری طور پر کوئی کالج نہیں تھا جبکہ ہندوؤں کے تین کالج تھے۔ سندھی ماہر تعلیم پیر علی محمد راشدی نے ایسے محکوم و مجبور سندھ کا نقشہ ۱۲ فروری ۱۹۷۳ء کو اپنے ایک اخباری مضمون میں یوں کھینچا ہے:

۱۔ ہندوؤں نے سندھ کی صوبائی وزارت کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا اور اس کو اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ وہ مسلم مفلوک الحال کیلئے کچھ کر سکے۔

۲۔ ہمارے شہر ہندوؤں کے شہر بن گئے تھے۔ اکثر ہندو کالونیوں میں شام کے بعد مسلمانوں کو گھومنے پھرنے کی قطعاً کوئی اجازت نہیں تھی (حیدر آباد کا ہیرا آباد اس کی واضح مثال ہے جہاں مسلمانوں کیلئے شام کے بعد زنجیر لگ جاتی اور داخلہ بند۔ اندرون سندھ میں گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کا شہر اور گوٹھ میں داخلہ بند تھا)

۳۔ قرض اور سود در سود میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی ۶۰ فیصد زرعی اراضی ہتھیالی تھی جبکہ مزید ۲۰ فیصد ان کے پاس گروی تھی (رئیس فتح خان لغاری جو تعلقہ سکرنڈ کا بڑا زمیندار تھا اس کی واضح مثال تھا۔ وہ بیچارہ سود کے جال میں بری طرح الجھ کر کسمپرسی کی حالت میں مرا)۔

۴۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندوؤں کا تناسب ۷۰ فیصد سے لیکر ۸۰ فیصد تھا جبکہ تعلیم یافتہ مسلمان مارے مارے پھرتے تھے اور معمولی تعداد کے باوجود ملازمت سے محروم تھے۔

۵۔ سب کے سب تعلیمی ادارے ہندوؤں کے قبضے میں تھے۔ حیدر آباد شہر میں مسلمان بمشکل ایک ہائی اسکول (نور محمد) کی بنیاد ڈال سکے تھے۔

۶۔ ہندوؤں کی دھونس کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت جھگڑے کیلئے تیار رہتے تھے کیونکہ بلوہ ہونے کے بعد مسلمانوں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسوا کر انہیں کنگال کرنے کا راستہ ہموار کیا جاتا تھا۔ عدالتوں میں زیادہ تر ہندو جج تھے، سب بڑے وکیل ہندو تھے اور پولیس افسران میں ۵۰ فیصد ہندو تھے، سوائے (الوحید) کے سارا پریس ہندوؤں کے قبضے میں تھا۔

یہ بات اب بھی ان بوڑھے سندھیوں کے ذہن پر راسخ ہے جنہوں نے قیام پاکستان سے قبل کا ہندو رویہ اور دور دیکھا ہے جب سندھ میں ہوٹلوں پر "بھنگ" تھادل کے نام پر عام فروخت ہوتی تھی۔ جہالت کا ڈیرہ سندھی مسلمانوں کا مقدر بنا ہوا تھا۔ مسلمانوں کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ وہ بڑی گھیر والی شلوار پہنا کرتے تھے اور وہ جب کہیں سے پھٹ جاتی تو گھیر بدل کر اس کو چھپایا کرتے تھے۔ گاؤں سے ننگے پاؤں شہر کی طرف آتے تھے، شہر میں داخل ہونے سے پہلے پاؤں دھو کر جوتے پہن لیتے تھے۔ ان کے لباس، چہرے مہروں سے غربت اور افلاس نمایاں جھلکتی تھی۔ بڑے

بڑے زمیندار ہمیشہ ہندوؤں کے مقروض اور استحصال کا شکار رہتے تھے اور یہ حالت ۱۹۶۰ء تک بتدریج ختم ہونا شروع ہوئی۔ ۱۹۶۵ء کا بھارت کا پاکستان پر حملہ بھی اس نوزائیدہ ملک کو تباہی سے دوچار کرنے کا منصوبہ تھا جس کو پاکستانی قوم نے پاک افواج کی جرأت ایمانی سے ناکام بنادیا۔

ان دنوں کی عام کہاوت ہے کہ سندھی مزدور قضائے حاجت (حوائج ضروریہ) کیلئے جاتا تو ہندو سیٹھ واپسی پر جنگل سے لکڑیوں کے ایک گٹھے کا مطالبہ ضرور کرتا۔ سندھ کی ممبئی سے علیحدگی کے وقت سندھ میں مختلف اقسام کے ۱۳۷۴/۷ اسکول تھے، صرف ایک فنی کالج این ای ڈی کالج کراچی میں تھا اور اس وقت سندھ کے مختلف کالجوں میں مسلمان طلبہ کی تعداد صرف تین سو تھی اور پڑھے لکھے مسلمانوں کا تناسب ۳.۷ تھا۔

۱۹۳۶ء تک سندھ بھر میں صرف ۳۶ ہائی اسکول تھے۔ ۱۹۳۹ء میں سکھر پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے مسجد منزل گاہ پر قبضہ کر کے اس کو ریذیڈنسی کے طور پر استعمال کیا تو یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، اس کے روح رواں جی ایم سید بھی تھے۔ ۴/اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ایک صدی گزرنے کے بعد مسجد کا قبضہ مسلمانوں کو واپس دیا گیا تو ہندوؤں نے شدید احتجاج کیا اور طے کیا تھا کہ اگر ۷ انومبر تک مسجد قبضے میں نہ لی تو وہ مسلمان تاجروں، خریداروں اور دوکانداروں کا بائیکاٹ کریں گے۔ ۱۹ نومبر ۱۹۳۹ء کو پولیس نے مسجد منزل گاہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ جی ایم سید، نعمت اللہ پٹھان، آغا علی جان اور کئی لوگوں کو گرفتار کر لیا، یہ ہندو دشمنی کی بدترین مثال تھی۔ سندھ کی ممبئی سے علیحدگی کے سلسلے میں ہندوؤں کی ریشہ دوانیاں دیکھ کر اکتوبر ۱۹۳۰ء میں شاہنواز بھٹو، جی ایم سید اور ایوب کھوڑو نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک دعوت میں مدعو کیا جس میں قائداعظم نے سندھ کے مسلمانوں کو ان کے اس جائز مطالبے پر حمائت کا یقین دلایا۔ یہ تحریک ۱۶ سال چلی اور ۱۹۳۶ء کو سندھ ممبئی سے الگ ہوا۔

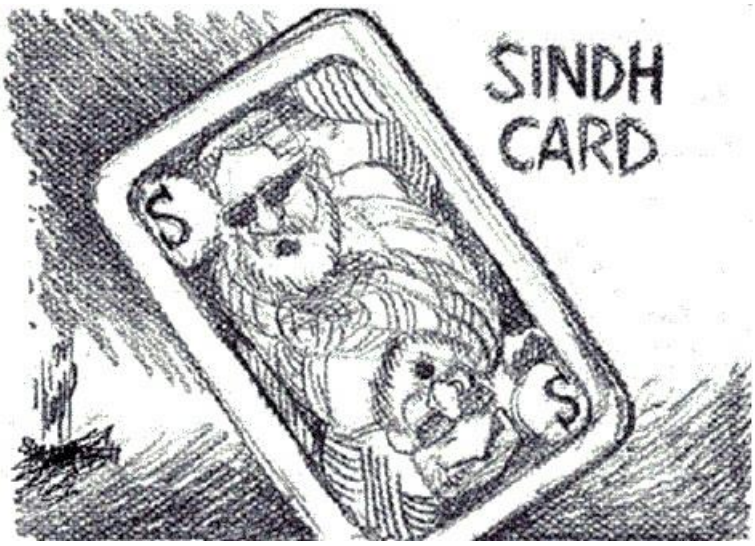

مسجد منزل گاہ سندھ کی ممبئی سے علیحدگی کے معاملوں میں ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں اور سندھی مسلمانوں کی مفلوک الحالی و بیچارگی دیکھ کر جی ایم سید نے سندھ اسمبلی سے سب سے پہلے قیام پاکستان کی قرارداد منظور کروا کر مظلوم اور زبوں حالی مسلمانوں کی دلی ترجمانی کی اور یوں ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آیا تو ہندوؤں اور سکھوں کے اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا کھیل شروع ہوا اور مسلمانوں کی ایک غالب اکثریت نے مسلمان ریاست کے وجود میں آنے کے بعد ضروری سمجھا کہ وہ اسلامی ریاست کی طرف ہجرت کر جائے۔ لٹے پٹے قافلے جب پاکستان آئے تو اسلامی جذبہ سے سرشار اور ہندوؤں کے ظلم و ستم کے شکار سندھی مسلمانوں نے انصار مدینہ کی یاد تازہ کر دی اور کچھ نے تو بڑھ چڑھ کر ہندوستان اور سندھ کے مظالم کا بدلہ لیا اور نواب شاہ کے مسلمانوں نے "پلاند" کی قدیم ترین سندھی روایت کی پاسداری کی۔

پاکستان کے قیام کے بعد سندھ کے ہندوؤں نے مقامی مسلمانوں کی تیور دیکھ کر نقل مکانی کی اور ایک ہندو مصنف کی کتاب جو اگست ۱۹۵۹ء میں کراچی سے شائع ہوئی، سندھ کی ہندوؤں کی تاریخ کے مطابق ۱۹۴۷ء میں سندھ میں ہندوؤں کی کل تعداد ۱۳/لاکھ تھی جس میں ۵/لاکھ بھیل، کولہی، میگھواڑ، ۲/لاکھ کچھی، کاٹھیاواڑی، گجراتی مرہٹے، ماڑواڑی، پنجابی اور سکھ تھے اور باقی ۶ لاکھ ہندو تھے جن میں ۴ لاکھ نقل مکانی کر گئے اور یوں سندھ میں باقی ۲ لاکھ بچ گئے۔ برصغیر کی تقسیم سندھ کیلئے نعمت ثابت ہوئی، سروں پر مسلط معیشت پر قابض طبقے سے گلو خلاصی

حاصل ہوئی اور آزادی کی فضا میں آنے والے مسلمانوں کو سکھ کا سانس ملا تو خوابیدہ صلاحیتیں جاگ گئیں اور سندھ کے مسلمانوں کا ترقی کا سفر شروع ہو گیا۔ انصار اور مہاجر مل کر سندھ کی ترقی میں مشغول ہو گئے، ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔

ہندو سیاسی فلاسفر چانکیہ جو اپنے آپ کو فخر سے کوٹلیہ کہتا تھا (کوٹلیہ کے معنی مکار اور فریب کار) اس کی بدنام اصول سیاست کی سنسکرت زبان میں تحریر کردہ کتاب "ارتھ پرکاش" جس کے اب مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، ہندوؤں کی سیاست میں حرف آخر سمجھی جاتی ہے، اس میں سیاست کا چوتھا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ "جن سے دوستی رکھی جائے اس دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیش نظر رہے اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے"۔ اس اصول کو اپناتے ہوئے قائد اعظم اور جی ایم سید کے قیام پاکستان کے بعد کے اختلافات کا چانکیہ کے پیروکاروں نے فائدہ اٹھانے کیلئے مکر و فریب کی سیاست کا ڈول ڈالا گیا۔ سانپ کو دشمن کے بالا سے مرواؤ، دشمن مر جائے تو بھی ٹھیک اور سانپ مارا جائے تو بھی ٹھیک کا طریقہ اپنایا۔

مسٹر سری کاش پاکستان میں بھارت کے پہلے ہائی کمشنر تھے۔ انہوں نے ۱۳ نومبر ۱۹۴۸ء کی شام تھیوسوفیکل ہال کراچی میں ایک تقریر کی جس کا عنوان تھا "ہندومت ایک ضابطہ اخلاق کی حیثیت سے"۔ اس میں انہوں نے ہندو ذہنیت کا نقشہ کچھ یوں بیان کیا: "کسی کو یہ بات اچھی لگے نہ لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس کا کھلے بندوں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہندومت میں کوئی اصول زندگی قطعی نہیں، ہر مصلحت کیلئے اس کا الگ اصول ہے۔ ہندومت ایک عملی مذہب ہے، وہ جانتا ہے کہ ہر موقع پر سچ اور دیانت سے کام نہیں چل سکتا اس لئے وہ کبھی ایسی تعلیم نہیں دیتا جو ناممکن عمل ہو۔ یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر ہندومت ہزار ہا سال سے مختلف حالات میں بھی زندہ رہا ہے اور رہے گا (طلوع اسلام بابت دسمبر ۱۹۴۸ء) اسی ذہنیت کے ساتھ پھر دشمن طبقہ سرگرم ہوا کیونکہ گاندھی جو امن کے پجاری کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے انہوں نے پاکستان بننے سے تین دن قبل کہا تھا کہ اگر سارا ہندوستان جل کر راکھ ہو جائے ہم پھر بھی مطالبہ پاکستان منظور نہیں کریں گے خواہ مسلمان بزور تلوار ہی کیوں نہ طلب کریں بھارت اور پاکستان میں پھوٹنے والی فسادات کی لہر کا بھرپور فائدہ اٹھا کر بھارتی بنئے نے لیاقت نہرو معاہدہ کر کے مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو تحفظ دلایا جس کی آڑ میں ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے مشرقی حصے کو بنگلہ دیش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح سندھ میں ۱۹۶۰ء کے عشرے میں لسانی بیج کی تخم ریزی تعلیمی اداروں میں شروع ہوئی۔ "ون یونٹ" کے خلاف تحریک میں قوت کی جانچ میں کامیابی کے بعد تعلیمی ادارے ملک دشمن عناصر کے خصوصی توجہ کے گڑھ بن گئے اور سرمایہ کچھ دشمن وطن شاطر ساہوکاروں نے لگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے مکر و فریب کی سیاست نے تعلیمی اداروں میں پنجے گاڑ لئے۔ کل کے لٹیروں نے سبق پڑھایا کہ ہجرت کرنے والے انہیں لوٹ رہے ہیں اور یوں نوجوان نسل کے کچے ذہن کو شاطر دشمن استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ متاثرہ طالب علموں کو تعلیم سے بھی دور کر کے ترقی کی راہیں کھوٹی کر دیں جس پر جی ایم سید اور سید غلام مصطفیٰ شاہ بھی چپ نہ رہ سکے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحے نے ان کے حوصلے مزید بلند کر دیئے اور پاکستان کیلئے ہجرت کرنے والوں پر دھرتی تنگ کر دی گئی اور دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو کر اپنی کھوئی ہوئی رفعت پانے کے خواب میں معمور ہو گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان ٹوٹنے کے بعد باقی ماندہ پاکستان کے حکمران بنے جنہوں نے میڈیکل اور انجینئرنگ تعلیمی اداروں میں ہندوؤں کی آبادی کے لحاظ سے کوٹہ مقرر کر کے مسلمانوں کی حق تلفی کا ازالہ کیا مگر بعد ازاں مارشل لاء حکومت نے اوپن میرٹ کا در کھول کر سرمایہ اور چالبازی کے ذریعے ان کو آگے بڑھنے کا موقع دے دیا اور یوں ہندوؤں کے وکلائ، ڈاکٹر، انجینئر کی تعداد قدیم سندھیوں سے تناسب سے کہیں بڑھ گئی۔ پاکستان میں ہندوؤں کی کل آبادی ۷۵ لاکھ کے قریب

ہے اس میں سے ۹۴ فیصد (۶۹ لاکھ) صرف سندھ میں مقیم ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی تھر کے علاقے میں بندے ماترم اسکولوں میں پڑھائے جانے اور گاؤ ماتا کو کاٹنے پر پابندی تھی۔ ۱۹۹۳ء میں تھر کے مطالعاتی دورے کے موقع پر سنیئر صحافی عبدالمجید حسینی نے بتایا کہ ایک مسلمان جج جب عمر کوٹ میں تعینات ہوئے تو مسلمانوں نے جرأت کر کے گائے کی قربانی کا اہتمام کیا تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ سرحد پار سے آل انڈیا ریڈیو نے دن رات زہریلا پروپیگنڈہ کر کے آسمان سر پر اٹھالیا جس کے فوری بعد مسلم اکابرین جن کے ساتھ کچھ دوسرے غیر مسلم بھی تھے، عمر کوٹ پہنچے جہاں صاف اور آزادانہ تحقیقات کے بعد مسلمان جج کے حق میں فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان مسلم ریاست ہے جہاں پاکستانی آئین کے مطابق گائے ذبح ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔

چھ سال پہلے راقم کو خود اندرون سندھ کے کئی علاقوں کے دورے کا موقع ملا تو مجھے بتایا گیا کہ مٹھی میں مقامی کاروبار پر ۹۰ فیصد ہندو چھائے ہوئے تھے۔ ضلع جیکب آباد میں اب بھی ہندو آبادی ۴۰ فیصد ہے مگر ۸۰ فیصد دوکانیں ہندوؤں کی ہیں، سندھ بھر میں ۸۰ فیصد سے زائد کاٹن فیکٹریوں اور فلور ملز کے مالکان یا تو ہندو ہیں یا پھر ان کے کرتا دھرتا ہندو ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سندھ میں باقی رہنے والوں ہندو آج بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کاروباری لحاظ سے ان ہندوؤں سے بہتر ہیں جو سندھ کو چھوڑ کر بھارت چلے گئے تھے بلکہ کئی افراد بھارت سے دوبارہ نقل مکانی کر کے پاکستان میں اپنے آبائی علاقوں میں آکر نہ صرف آباد ہو گئے ہیں بلکہ اس وقت مضبوط مالی پوزیشن کے حامل ہیں جس کا ثبوت اب بھی نمایاں ہے کہ سندھ میں ہر جگہ آپ کو ہندو کاروباری لحاظ سے خوشحال ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان کا رویہ یہ رہا ہے کہ بابری مسجد کی شہادت اور رام مندر کی تعمیر کیلئے کھلے عام سندھ سے چندہ جمع کر کے بھجوایا گیا۔ سندھ کے بڑے بڑے وڈیرے اور زمیندار اب بھی ہندو ساہوکاروں کے مقروض ہیں، ہندو سرمایہ مسلمان کلمہ گو کے خلاف زبان درازی کے استعمال کیا جانا کوئی راز نہیں کیونکہ ان کی حمائت زیادہ تر اسی سرمایہ کاری کا نتیجہ ہے مگر اس سب کے باوجود قیام پاکستان کے بعد سندھی مسلمانوں نے ۶۵ سالوں میں جو ترقی کی ہے وہ ان کے خواب وخیال میں شائد نہ تھی۔ اب ان کی ترقی کی راہیں کشادہ ہیں، ان پر ہن برس رہا ہے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ۸۰ فیصد سے زائد نوکریاں، زمین، سرکار، وزارت مال ووسائل کے وہ مالک ہیں۔ ان پر غلامی کا سایہ چھٹ چکا ہے، ان کی لگام اب ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور سندھ کارڈ اقتدار کی ضمانت قرار پایا ہوا ہے۔ یہ ترقی سندھ دشمنوں کو ہضم نہیں ہو رہی ہے اور اب وہ پھر پچھلا دور لانے کیلئے اسلامی تعلیمات سے محروم طبقے پر اس نیت سے سرمایہ کاری کر رہے ہیں کہ "لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو"!

بروز منگل ۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۲/ اکتوبر ۲۰۱۲ء

یہود و نصاریٰ میں ٹھن گئی

صہیونی ایک عرصے سے دنیا کو زیر کرنے کیلئے زیر زمین کئی خفیہ منصوبوں پر عمل کر رہے ہیں جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو ایک دوسرے کے نہ صرف مد مقابل کھڑا کرنا مقصود ہے بلکہ ایسی خونریز جنگ میں مبتلا کر کے دونوں کی بربادی پر اپنی مستقبل کی کامیابی کی بنیاد رکھنا ہے جہاں دنیا میں بسنے والے مسلمان اور عیسائی ان کے ہمیشہ کیلئے مطیع و فرمانبردار بن جائیں اور ساری دنیا پر عملاً ان کے حکم کا سکہ چلے لیکن مکر و مکر اللہ کے مصداق صیہونی مکر کرنے والوں سے اللہ کی تدبیر جیت گئی ہے اور رب کائنات کے سامنے دنیا کے مکر و فریب ہمیشہ سے ناکام رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں چونکا دینے والے انکشافات سے پتہ چلا ہے کہ کس طرح صہیونی دہشت گرد ایک عرصے سے اسرائیل میں عیسائی عبادت گاہوں پر حملے کر رہے ہیں جس پر عیسائیوں نے آج تک بالعموم صدائے احتجاج بلند کرنے سے گریز کیا تاہم رومن کیتھولک عمائدین نے اب کسی قدر جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ صہیونی دہشت گرد کے خلاف خاموشی کی لہر توڑ کر بعض مسیحی رہنماؤں نے اعلانیہ تنقید شروع کر دی ہے اور اسرائیلی حکام پر زور دیا ہے کہ وہ مسیحی اقلیت کے صبر کا مزید امتحان لینے کی بجائے عملی اقدامات روبہ عمل میں لائیں اور اپنے مذہبی انتہا پسند عسکریت پسندوں کو نکیل ڈالیں۔ مقبوضہ بیت المقدس چرچ کے عمائدین میں سے ایک ممتاز مسیحی رہنما پیر یٹسٹا پزابالا نے کہا ہے: "میں اس بات کا شدید خطرہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ مسیحی برادری کے مقدس مقامات اور عبادت گاہوں پر یہودی انتہا پسند اس طرح غنڈہ گردی و دہشت کا نشانہ بناتے رہے تو عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان موجودہ نفرت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائے گی اور ان مذاہب کے پیروکاروں میں بہتر حکومت کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ یہ صورت حال رکتی ہوئی نظر نہیں آرہی اور خطرہ ہے کہ کشیدگی کا دائرہ وسیع ہو گا جس کی ذمہ داری یقیناً صہیونی عسکریت پسندوں پر عائد ہو گی"۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا: "میرے خیال میں اصلاً یہ حالات جہالت کی پیداوار ہیں"۔ ایک سوال کے جواب میں پیزا بالا کا کہنا تھا: "مقامی مسیحی کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے، اکثریت یہودیوں کی ہے جن کے نزدیک ایک چھوٹی سی اقلیت کوئی معنی نہیں رکھتی، ان کی ترجیحات اور ہیں، اقلیتوں کے ساتھ موزوں سلوک ان کی ترجیح نہیں ہے۔ دوسری طرف اقلیت کے پاس وسائل ہیں نہ ہمت کے وہ یہودیوں کے مقابلے میں آسکیں اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کوئی بات کر سکیں"۔

مسیحی رہنما ممکن ہے اب بھی خاموشی میں عافیت سمجھتا مگر لگتا ہے کہ مسیحیوں کی ایک عبادت گاہ پر کئے گئے حملے نے ان کے صبر کا پیمانہ میں واقع لبریز کر دیا ہے۔ مقبوضہ بیت المقدس کے باہر یروشلم اور تل ابیب کے درمیان مضافاتی علاقے لٹرون میں یہودی دہشتگردوں نے آگ لگادی مشہور عیسائی خانقاہ ٹراپسٹ مونیسٹری جس سے بیش بہا قیمتی دروازہ اور کھڑکیاں جل گئیں۔ یہ مونیسٹری کم و بیش ایک صدی سے قائم ہے، اس بناء پر اسے مذہبی کے ساتھ تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے۔ یہودی حملہ آوروں نے اس کو جلانے کے بعد اس کی دیوار پر "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک ناقابل بیان (نازیبا) لفظ بھی تحریر کر دیا"۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ یہودی انتہا پسند اصلاً کس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

بعض مبصرین کے مطابق مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقدس مقامات کو نشانہ بنانے والے یہ جنونی یہودی مغربی کنارے کے آبادکار اور اس کے حامی ہیں۔ اس علاقے میں صہیونیوں کا ایک انتہا پسند گروہ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کی مساجد اور مسیحیوں کے گرجا گھروں پر حملے کرنے والوں کی پشت پناہی کرتا چلا آرہا ہے۔ ان میں بعض تو اس حد تک منہ زور ہیں کہ انہوں نے یہودی آبادکاروں کی بستیوں کے خلاف تحریک چلانے والوں کو نشانہ بناتے ہوئے خود اپنی فوج کی تنصیبات پر حملوں سے گریز نہیں کیا تھا۔ کیتھولک چرچ کے ممتاز رہنما پیزا بالا نے اسرائیلی حکمرانوں سے مطالبہ

کیاہے وہ انتہاپسند اور خون خرابہ کی ترغیب دینے والے انتہاپسند یہودیوں کے خلاف فوری اور مؤثر کاروائی عمل میں لائیں۔ان رہنماؤں کی طرف سے جاری کردہ ایک مشترکہ بیان میں کہا گیاہے:"لٹرون میں پیش آنے والا واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں بلکہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہ اس قسم کی دہشتگردانہ وارداتوں کے طویل اور وسیع سلسلے کی ایک کڑی ہے۔مساجد اور گرجاگھروں پر حملوں کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے، اسرائیل کے طول وعرض میں جو کچھ ہورہاہے ان میں عیسائی اقلیت سے متعلق اسرائیلوں باشندوں کو واجب القتل سمجھا جارہاہے اور ان کی عبادت گاہیں اور ذاتی قیمتی املاک تباہ کی جارہی ہیں۔

مسیحی رہنماؤں نے مطالبہ کیاہے کہ "یہودہ دہشتگردی ختم کرکے اسرائیل کے ہر اسکول میں گایا جانے والا ترانہ عملی شکل میں متشکل کیا جائے ہم اسرائیل کو اپنا وطن قرار دینے والے ہر مذہب کے پیروکار کیلئے یکساں احترام کے جذبات رکھتے ہیں"۔اسرائیلی حکام نے مسیحی برادری کے پہلے واضح اور جرأت مند مطالبے پر ان کی مقدس عبادت گاہوں پر حملے پر ایک مذمتی بیان جاری کردیا اور صہیونی پولیس کے ایک ذمہ دار افسر نے یہ یقین بھی دلایا کہ حملہ آوروں کو گرفتار کرکے قانون کے شکنجے میں لایا جائے گا مگر دو ہفتے گزر گئے کسی ایک یہودی حملہ آور کو بھی گرفتار نہیں کیا گیاہے۔قانون کے شکنجے میں کسنا یا عدالت کے ذریعے سے سزا دلوانا تو دور کی بات۔

مذکورہ خانقاہ پر یہودیوں کے حملے سے چند روز قبل مغربی کنارے پر واقع ایک بستی کو یہودی آبادکاروں سے خالی کرایا گیا تھا جس پر جبراً قبضہ کررکھا تھا۔حالیہ چند ہفتوں کے دوران دوسری خانقاہوں اور بپتسمہ کے ایک گرجاگھر کو انتہاپسند یہودیوں کے حملے کا نشانہ بننا پڑا ہے۔صہیونی دہشت گرد مسیحی عبادت گاہوں کو کیوں نشانہ بنارہے ہیں،اس سوال کا جواب فی الحال نہیں مل سکا۔مقبوضہ بیت المقدس کی پرانی آبادی میں الٹرا آرتھوڈکس سیمپنسری اسٹوڈنٹس کے ہاتھوں بھی عیسائی پادری تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔انہیں عقیدہ کے اختلاف کی بناء پر برسوں تک نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔اس وقت ایک لاکھ ۵۵ ہزار عیسائی اسرائیل کے شہری ہیں جبکہ عیسائیوں کی کل آبادی ۸۹ لاکھ ہے۔اس طرح عیسائیوں کی کثیر تعداد کو اسرائیلی شہریت سے محروم رکھا گیاہے اور مسلسل اصرار اور تقاضوں کے باوجود اب تک صرف کل عیسائی آبادی کے دو فیصد کو شہری حقوق کے قابل سمجھا گیاہے مگر عملاً انہیں دوسرے درجے کے شہری کے حقوق بھی حاصل نہیں بلکہ دہشتگردی اور تشدد کا نشانہ بنایا جارہاہے۔اسرائیل میں آباد عیسائیوں میں سے تین چوتھائی (۷۵٪) عرب باشندے ہیں۔عرب عیسائی اور دوسرے عیسائی گزشتہ ۲۰ سال کے دوران میں روسی باشندوں کی نقل مکانی کے دوران میں یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔یہ عیسائی بھی دنیا کے دیگر مسیحی عوام کی طرح کیتھولک اور آرتھوڈکس گروہوں میں منقسم ہیں۔لاکھوں کی تعداد میں عیسائی بیرون ممالک سے محنت مزدوری کی خاطر آئے ہیں،ان میں افریقی تارکین وطن بھی شامل ہیں۔

پزابالا نے اپنے انٹرویو میں مزید بتایا: میں تسلیم کرتاہوں کہ ہماری خانقاہوں گرجاگھروں اور دوسرے مقدس مقامات یا املاک پر حملہ کرنے والے یہودیوں کو اکثریت کی حمائت حاصل نہیں ہے،میرے لئے یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ اسرائیلی پولیس،سیاستدانوں اور یہودی مذہبی پیشواؤں نے حملہ کرنے والے صہیونیوں کی حرکت کی مذمت کی ہے مگر میرے خیال میں محض مذمت کافی نہیں۔ذمہ دار یہودیوں کو مزید مؤثر اور منضبط کاروائیاں عمل میں لانی ہوں گی،میں اسرائیلی حکمرانوں کی توجہ انتہائی اہم ذمہ داری کی جانب مبذول کرارہاہوں۔مذمت بلاشبہ مستحسن ہوگی مگر انہیں اپنے عمل سے اپنی نیک نیتی کا ثبوت فراہم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔انہیں صورت حال کی گھمبیرتا کا پورا پورا احساس وادارک کرکے اس کی روک تھام کیلئے مؤثر اقدامات کرنے ہوں گے اور اس میں کسی قسم کی تاخیر روا نہیں رکھنا ہوگی۔

مسیحی مذہبی پیشوا پیزابالا (عیسائی خانقاہوں کے متولی) نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک اسرائیلی رکن پارلیمان نے ٹی وی کیمروں کے سامنے بائبل

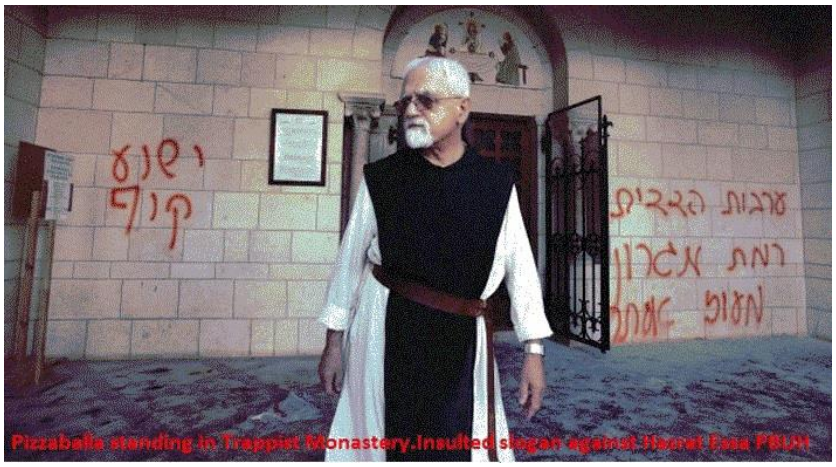

عہد نامہ جدید کا ایک نسخہ پھاڑ ڈالا، یہ مقدس کتاب اسے عیسائی مشینری کی جانب سے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی تھی۔ اس کے اس شرمناک اقدام کا یہودی پارلیمنٹ نے نوٹس لیا اور ان دنوں پارلیمنٹ اس اقدام کے اخلاقی پہلو کے حوالے سے جائزہ بھی لے رہی ہے۔ یہ یہودی پارلیمنٹیرین بین آری ہے جسے یہودی عقائد کے حامل ارکان اسمبلی کی اکثریت کی حمائت حاصل ہے۔ وہ متعدد یہودی اداروں میں سرکاری خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اگر بائبل کو بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے اقدام کو فرض کرنے کی حد تک "اشتعال انگیز" بھی تصور کر لیا جائے تو پھر بھی خود ناجائز صہیونی ریاست کے قوانین کے تحت بھی اسے کیمروں کے سامنے پھاڑ پھینکنے کا کوئی ادنی سا جواز بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بین اری نے اسی جسارت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مطالبہ کیا کہ عہد نامہ جدید پر اسرائیل میں خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دی جائے، اس مطالبے کا کیا جواز پیش کیا جا سکتا ہے، یہ تو کسی مسیحی کیلئے قابل برداشت نہیں ہے۔

پیزا بالا کا مزید کہنا تھا: مسلمانوں کیلئے حال ہی میں دلآزاری کا موجب بننے والی فلم کی اس مثال کو سامنے رکھیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کے مواد پر مشتمل اس فلم کا پوری دنیا کے مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں میں جو ردعمل سامنے آیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اظہارِ نفرت اور سوقیانہ اقدامات کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، نفرت اور دلآزاری کا ردعمل فطرت کا بنیادی تقاضہ ہے۔ اسرائیل میں صہیونی دہشت گردوں کو بھی اس کا ادراک اور احساس ہونا چاہئے اور حکومت اسرائیل کو اس حوالے سے اپنی ریاستی ذمہ داریاں انجام دینے میں غفلت یا تساہل سے کام نہیں لینا چاہئے، عیسائیوں کیلئے حالات برداشت سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔

۴۷ سالہ پیزا بالا دو دہائیوں سے اسرائیل میں مقیم ہیں۔ وہ "ہیبرو" زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ مقبوضہ بیت المقدس کی ہیبرو یونیورسٹی کے فیکلٹی ممبر رہ چکے ہیں۔ آج کل مسیحی خانقاہوں کے نیٹ ورک کے متولی "کسٹوس" ہیں۔ ان کے اس منصب کی رواں معیاد آئندہ سال ختم ہو گی۔

"کسٹوس" کی اصلاح خانقاہوں کے پیشوا کیلئے استعمال کی جاتی ہے جو لفظ "کسٹوڈین" کا مخفف ہے)۔ ان حقائق کے پیش نظر امریکی صہیونی پریس میں بھی بعض قلم کاروں نے پیزا بالا کے احتجاج کو "باوزن" قرار دیا ہے اور اپنے تجزیوں میں واضح طور پر یہ تاثر دیا ہے کہ اسرائیلی عیسائیوں پیشواؤں کی آواز کو صدا بہ الصحرا نہ بننے نہ دیا جائے بلکہ اصلاً یہ خطرے کی گھنٹی ہے جس کی آواز کی شدت کو ذرہ برابر بھی کم تر تصور نہ کیا جائے۔

یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین صدیوں سے پرامن رشتے قائم ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں پہلی بار ویٹی کن نے غیر مبہم اعلامیہ کے ذریعے سے اس الزام کی تردید کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی ذمہ داری یہودیوں پر عائد ہوتی ہے۔ اسرائیل اور ویٹی کن کے درمیان دوسری جنگ عظیم کے دوران میں پوپ پیوس دوازدہم کا اختیار کردہ کردار و عمل آج تک انتہائی حساس سفارتی مسائل بنا ہوا ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ پوپ پیوس نے ہولوکاسٹ کے واقعے میں روک تھام کیلئے جو کردار ادا کیا اس سے زیادہ اقدامات کئے جانے چاہئیں تھے جو پوپ بآسانی کر سکتے تھا۔ ویٹی کن کا کہنا ہے کہ پوپ نے یہودیوں کو بچانے کیلئے خاموش سفات کاری کی تھی۔

حالیہ برسوں میں اسرائیل اور ویٹی کن کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کی نئی راہیں تلاش کی گئی ہیں۔ پوپ جان پال نے ۱۹۹۴ء میں اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے اور ان کے جانشین پوپ بیٹی ڈکٹنے عیسائیوں اور یہودیوں میں بین المذاہب مذاکرات کو ترویج دی ہے۔ پیزا

بالا نے ایک سوال کے جواب میں بتایا: اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں فریق ماضی میں تعلقات کی کٹھنائیوں سے دوچار رہے ہیں ،انہیں گوناگوں مشکلات کا سامنا رہا ہے تاہم اسرائیل نے جدید عیسائیت کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ اسرائیل کو اس حقیقت کا بھی احساس ہو رہا ہے کہ اس ملک میں عیسائی کثیر تعداد میں مقیم ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اس مقدس سرزمین پر جنم لیا مگر آج اسی سرزمین پر عیسائی تباہی اور شکست وریخت سے دوچار کئے جا رہے ہیں اسی لئے یہاں کسی بھی دوسرے ملک سے عیسائیوں کی آمد کا سلسلہ رک چکا ہے اور موجودہ عیسائی آبادی انتہائی شہری حقوق سے محروم ہیں اور اب تو انہیں اپنی جان ومال کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے مقدس مقامات دہشت گردی کی بھینٹ چڑھائے جا رہے ہیں۔ اس لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ غیر ملکی این جی اوز جو اپنے آقاؤں کے اشارے پر پاکستان میں مذہبی منافرت کا سہارا لیکر اس کو بدنام کرنے میں شب وروز مصروف ہیں، پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔

بروز جمعۃ المبارک ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۵/ اکتوبر ۲۰۱۲ء

امریکا کے خلاف نفرت کیوں؟

قصر سفید کے سابقہ فرعون بش نے بڑی معصومیت اور سادگی سے پوچھا کہ امریکا سے مسلمان نجانے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ نائن الیون کے بعد اپنے اتحادیوں کی مدد سے انہوں نے صلیبی جنگ کا جو طبل بجایا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صلیبی جنگ کی آڑ میں عراق اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور یہ سلسلہ ابھی تھما نہیں کہ آزادئ اظہار کے نام پر اب اسلامی شعائر اور مسلمانوں کی مقدس ترین ہستی کو برملا نشانہ بنانے کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ کبھی گوانتانا کے عقوبت خانے میں قرآن کی بے حرمتی، کبھی رسول اکرم ﷺ کے کارٹون بنا کر، کبھی قرآن کریم کو نذر آتش کر کے، کبھی مسلمان عورتوں کے حجاب پر پابندی کا قانون نافذ کر کے اور اب رسول اکرم ﷺ کے بارے میں گستاخانہ فلم بنا کر مسلمانوں کی غیرت کو للکارہ جا رہا ہے۔ دریدہ دہن کا دہن بگڑے گا تو خبر تو ضرور لی جائے گی اور خبر لینے کا سلسلہ پوری دنیا میں تھمنے میں نہیں آرہا اور یہ تو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس دھرتی پر ایک بھی دریدہ دہن کا وجود نامسعود باقی ہے مگر اس حوالے سے دو اہم سوالات نے پھر سر اٹھایا ہے کہ (۱) امریکا کے خلاف نفرت کیوں؟ اور (۲) کیا نام نہاد، مہذب و متمدن ملکوں میں اس طرح کا اظہار آزادئ تہذیب و تمدن کے مطابق قرار پا سکتا ہے؟

نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون پر حملوں کی گیارہویں سالگرہ کا ہفتہ یادگار ہفتہ تھا۔ ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۸ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات پر القاعدہ اور اس کے جوابی حملے کا خوف چھایا ہوا تھا اب یہ رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا تھا اور یہ اب ایک غیر اہم مسئلہ بن چکا تھا۔ بیہودہ فلم کو یوٹیوب پر چلانے کی گھٹیا حرکت نے صورت حال تبدیل کر کے رکھ دی، اس کے رد عمل میں پر تشدد واقعات رونما ہونے لگے اور نفرت کا نشانہ امریکا ہی بنا، کیوں؟ یہ ایسا سوال نہیں ہے جس کے جواب کیلئے کسی راکٹ سائنس کے علم کی ضرورت ہو۔ امریکا کی سرزمین پر اشتعال اور دہشت کا سامان ہو گا تو ذمہ دار یقیناً امریکا ہی قرار پائے گا اور پھر امریکا کے کرتوت ایک دریدہ دہن کی "پرورش" تک ہی محدود نہیں، دنیا کو استعماری مقاصد کی تکمیل کیلئے دہشتگردی کے جہنم میں دھکیلنے والا امریکا ہی تو ہے، تو کیا اس سے کوئی محبت کرے گا؟

کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس فلم کی تیاری کے پیچھے کون ہے؟ کیسا خبیث دماغ نبی اکرم ﷺ کی تحقیر کی جرأت کرے گا؟ یہ نفرت انگیز فلم تمام مسلمانوں کی توہین ہے۔ مسلمانوں نے امریکی سفارتی مشنوں اور سفارت خانوں پر حملے کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جس کے نتیجے میں بن غازی لیبیا میں امریکی سفارت کار بھی ہلاک ہو گئے۔ بپھرے ہوئے ہجوم نے مصر، تیونس اور یمن میں امریکی سفارت خانوں پر حملے کئے، مراکش سے لیکر بحر اوقیانوس تک، جکارتہ، انڈونیشیا اور بحر الکاہل تک مظاہرے پھوٹ پڑے اور امریکی پرچم کو پاؤں میں روند کر نذر آتش کرنے کے مناظر بھی دنیا نے دیکھے کیونکہ اس فلم کے ذریعے ۱.۶ ارب مسلمانوں کے جذبات کو بری طرح مجروح کیا گیا جس نے سنی شیعہ کو متحد کر دیا اور دونوں مسالک اپنے محبوب و محترم نبی ﷺ کی ناموس کے دفاع کیلئے سڑکوں پر نکل آئے۔

قریباً دو دہائیاں قبل آنجہانی سیموئیل ہنگٹن نے اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبوں کے تصادم کے بارے میں خبردار کیا تھا۔ (مبینہ طور پر) القاعدہ سے نائن الیون کو امریکا پر حملہ کے جواب میں امریکا نے افغانستان اور عراق پر جنگیں مسلط کر کے ان پر قبضہ کر لیا اور اسے "دہشتگردی کے خلاف" جنگ کا سراسر غلط نام قرار دے دیا جس نے اسلام اور مغرب کے درمیان تعلقات کو بہت زیادہ خراب کر دیا۔ بنیادی طور پر امریکا ہنگٹن کے انتباہ پر پورا اترتا ہے، امریکا کے حکمران اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری سے انکار نہیں کر سکتے، اور اگر کریں گے بھی تو ان کا کوئی اعتبار نہیں کرے

گااور امریکا کے خلاف عالمگیر نفرت میں اضافہ ہوگا"۔

صدر اوبامہ نے امریکی صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ۲۰۰۹ء میں مصر کے دار لحکومت قاہرہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امریکا اسلام کے ساتھ جنگ نہیں چاہتا۔ اوبامہ کے مسلمان پس منظر نے اپنے پیش روبش کی دھونس ودھاندلی اور جارحیت کے متضاد پالیسی اختیار کی۔ یہ کہنا بلا ضرورت ہوگا کہ گزشتہ چند سالوں میں مسلم دنیا اور مغرب کے درمیان کشیدہ تعلقات میں بہتری لانے پر اتفاق کیا گیا لیکن کچھ رخنہ انداز امریکا میں مسلمانوں اور مساجد کے بارے میں نفرت کے جذبات بھڑکاتے رہے۔ اس کا تدارک نہ کرکے امریکی حکومت کے ذمہ داروں نے مجرمانہ غفلت برتی تو ان کے خلاف نفرت میں شدت ایک قدرتی امر تھا اور ہے۔ اوبامہ نے رسوائے زمانہ گوانتاناموبے بند کرنے کا وعدہ ایفانہ کیا جو اوبامہ کی ایک بڑی ناکامی اور امریکا کے خلاف نفرت بڑھانے کا موجب بنی مگر اس سے بڑی ناکامی عرب اسرائیل امن منصوبے اور دو ریاستی حل کے بارے میں اپنی پوزیشن پر عمل کرانے میں ناکامی ہے۔

یہ اسکینڈل بھی سامنے آرہے ہیں کہ نیویارک سٹی پولیس کا محکمہ مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے تھوڑا دور اسلامی سنٹر بنانے کی مخالفت اور ایک شدت پسند جنونی پادری ٹیری جونز کی طرف سے قرآن کریم کو نذرِ آتش کرنے کے واقعے نے حالات زیادہ خراب کردیئے ہیں۔ اوبامہ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے متعلق بنائی گئی فلم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ خبر حیرت کا باعث اور خطرناک بھی تھی کہ قاہرہ، بن غازی، دوحہ، کویت اور صنعا میں مظاہرین یہ نعرے لگاتے رہے کہ "اوبامہ اوبامہ، ہم سب ہیں اسامہ"۔ اوبامہ نے واضح طور پر اس توہین آمیز فلم کی مذمت کی ہے اور خو کو اس سے دور رکھنے کا تاثر قائم رکھنے کی کوشش بھی کی ہے، مزید برآں وائٹ ہاؤس نے سرکاری طور پر یوٹیوب سے درخواست کی ہے کہ وہ اس متنازعہ مسلم مخالف فلم کا دوبارہ جائزہ لے مگر مسلمانوں اور عام انسانوں کیلئے یہ ناکافی ہے، اس سے امریکا کے خلاف نفرت کا طوفان تھم نہیں سکتا۔ نفرت کم کرنے کیلئے تو امریکا کو دوغلہ پن ترک کرکے حقوقِ انسانی کے عالمی مسلمہ اصولوں کی پاسداری کا قابل یقین مظاہرہ کرنا ہوگا کیونکہ امریکا دہشتگردی کے انسداد کے دعویٰ کے تحت عالمگیر دہشتگرد کے روپ میں پوری دنیا کے سامنے بے نقاب ہوچکا ہے اور اس پر اعتبار کرنا محال ہے۔

اوبامہ انتظامیہ، عالم عرب اور امت مسلمہ سب جانتے ہیں کہ توہین آمیز فلم کے خلاف مظاہروں اور ریلیوں کے پس منظر میں اصلاً غصہ امریکا ہی کے خلاف ہے جس کا اظہار بھی ہورہا ہے لہٰذا اس حقیقت میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ نفرت کا اصل ہدف بجا طور پر امریکا ہی ہے اور مظاہرین کے اصل غم وغصے کی وجہ علاقے میں جاری امریکی پالیسیاں ہیں۔ یہ یقین کرنا نادانی ہوگی کہ یہ ردعمل صرف گستاخانہ فلم کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا بھر کے مسلمان بلکہ شریف غیر مسلم بھی نبی آخری الزماں ﷺ ایسی عظیم ہستی کی اہانت برداشت نہیں کرسکتے مگر وہ یہ بھی تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں اور انسانوں کے بارے میں امریکا کا رویہ کیا ہے۔ مسلمانوں اور حقوق انسانی کے علمبردار کی امریکا کے خلاف نفرت واظہار کئی عشروں سے جاری امریکا کی دوغلی پالیسیوں کے سبب ہے۔ یہ اسرائیلی مظالم، عرب ممالک کی زمینوں اور کشمیر پر بھارتی برہمن کے ناجائز قبضے پر امریکا کی خاموشی اور یہود وہنود کی درپردہ حمائت کے خلاف ہے۔ یہ

اس وجہ سے بھی ہے کہ امریکا نے افغانستان، عراق پر ناجائز قبضہ کر کے بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں، پاکستان سے لیکر یمن اور صومالیہ تک کئی عرب اور اسلامی ممالک حالت جنگ میں ہیں۔ ایران پر حملے کی تیاری ہو رہی ہے جب کہ اسرائیل کے جوہری پروگرام پر انگلی تک نہیں اٹھا رہا۔ واشنگٹن ایک عرصے سے ایک طرف جمہوریت اور آزادی کے درمیان توازن قائم رکھنے اور دوسری طرف سیکورٹی اور استحکام برقرار رکھنے کی مشکل صورت حال سے دوچار ہے۔

سابق امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے ۲۰۰۵ء میں دوٹوک اور واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ امریکا مشرقِ وسطیٰ کے ساتھ کیسے معاملات نمٹا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا: "امریکا نے ۶۰ سال سے مشرقِ وسطیٰ میں استحکام کو جمہوریت کے مقابلے میں ترجیح دی اور ہمیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا، اب ہم مختلف زاویہ اختیار کر رہے ہیں اور خطے میں لوگوں کی جمہوری خواہشات کی حمائت کر رہے ہیں"۔ اس ضمن میں ایک اور بات یہ کہ امریکا اپنے اور مسلمان، نیز مغرب اور اسلام کے درمیان تعلق کے حق میں بڑا کردار ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ عربوں اور مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی بے چینی و اختلافات اور شکایات کے حقیقی اسباب سے عہدہ برا ہو سکے، اس کی مدد سے تہذیبوں کے تصادم سے بچا جا سکتا ہے۔ امریکا کو چاہئے کہ ان لوگوں کو مجرم ٹھہرانے کیلئے کھل کر پختہ اور زوردار کردار ادا کرے جو عقائد اور مذہب کی توہین کے مرتکب ہیں۔ بالآخر اس طریقے سے امریکیوں کو اپنے اس سوال کا بھی جواب مل جائے گا کہ لوگ ان سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ اس سے امریکی سفیروں، فوجیوں وغیرہ کی ہلاکتوں کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا اور اسے اپنے سفارت خانوں کو قلعوں میں تبدیل کرنے کی بھی حاجت نہیں رہے گی۔

۱۷ ستمبر کے گلف نیوز میں معروف خاتون تجزیہ کار لینڈا ایس ہیر ڈے نے "آزادئ رائے کا نامعقول اظہار" کے عنوان سے لکھا ہے: "آزادئ رائے اور اپنی آواز بلند کرنے کی آزادی دونوں جمہوریت کے ستون ہمیں جن کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اسلام کے متعلق یہ شرمناک اور اشتعال انگیز اقدام اسلام سے نفرت کرنے والے اس دھوکہ باز شخص نے کیا ہے جو ۲۱ ماہ جیل میں رہ چکا ہے۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ دور دراز دنیا کے حصوں میں لوگوں کے جذبات مشتعل کر سکے جس کے علاقائی تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہوں۔ اگر حکومت اس مواد کو قانون شکن آزادی کے اصولوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے کنٹرول نہیں کر سکتی تھی تب بھی غلط زبان کو روکا جا سکتا تھا۔ یقیناً قانونی نظام میں کہیں خرابی ضرور ہے جو بار بار زہر افشانی کرنے والے لوگوں سے معاشرے کو محفوظ رکھنے میں ناکام ہے۔ پادری ٹیری جونز اور اس کا ساتھی بھی جرم کے مرتکب ہوئے، ۶۵ سالہ فلم ساز نکولا بیسلے سے پولیس نے تفتیش کی لیکن اسے گرفتاری کا کوئی خوف نہیں کیونکہ اس نے قانون کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔ کیا اس امریکا کو مہذب و متمدن ملک سمجھا جائے گا جہاں انتہائی بنیادی ضرورت کا قانون نہیں۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے باخبر ہونگے کہ امریکی کانگرس نے ۲۰۰۴ء میں عالمی سامی مخالف ریویو ایکٹ منظور کیا تھا جس میں سامی مخالف کی تعریف یوں کی گئی کہ اس سے مراد اسرائیلی مخالف تند جذبات اور سابقہ اور موجودہ اسرائیلی رہنماؤں پر مخاصمانہ تنقید ہے۔ اس میں بعض حقائق کا حوالہ دیا گیا تھا کہ یہ رویہ کسی نہ کسی طرح ۶۰ لاکھ یہودیوں کے ہندسے کو آہستہ آہستہ ختم کر دے گا جو ہولوکاسٹ کا نشانہ بنے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہودی مذہب یا اس کے مذہبی رہنماؤں پر تنقید بھی اسی ایکٹ کی زد میں آئے گی۔ یہ خلافِ آئین تھا یا نہیں، اس ایکٹ کی منظوری پر زیادہ ردِ عمل نہیں ہوا تھا، اس صورت حال میں کیوں نہ اس قانون کو توسیع دی جائے تاکہ مسلمانوں سمیت دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے احساسات و جذبات کا احترام کیا جا سکے"۔ یقیناً اب یہ معاملہ اوبامہ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ مٹھی بھر ان صہیونیوں کی حمائت چاہتے ہیں جو دنیا کے امن کو تباہ کر کے اپنی حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں یا جمہوری تقاضے پورے کرتے ہوئے دنیا کے تمام مذاہب کے احترام میں کوئی عملی قدم اٹھاتے ہوئے امریکیوں کے خلاف نفرت

کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں!

بروز سوموار ۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۸/اکتوبر ۲۰۱۲ء